لقد کان فی قصصهم عبرۃ لاولی الالباب

تاریخ المشاہیر

از

علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری

پنشنر جج ریاست پٹیالہ و مصنف رحمۃ للعالمین

باھتمام

منیجر مسلمان کمپنی لاہور

قیمت بے جلد ۱۲ . . . . مجلد ۱۲

فہرست مضامین تاریخ المشاہیر

نوٹ مصنف کتاب ہذا کی دیگر تصانیف کی تفصیل آخری صفحات ۲۲۴ و ۲۲۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔ منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ الحی القیوم الذی تفرد بالبقاء والدوام وکتب الموت والفناء علی جمیع الانام والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ ورسولہ محمد افضل الانبیاء وامام الاصفیاء الی یوم القیام فصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وازواجہ وذریاتہ واہل بیتہ وخلفائہ واصحابہ وبارک وسلم

مخدومی قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری پنشنر سشن جج ریاست پٹیالہ و مصنف رحمۃ للعالمین کے نام نامی واسم گرامی سے غالباً ملک کا بچہ بچہ واقف ہے کیونکہ آپ مشرقی ہند کے وہ مایہ ناز فرزند ہیں جنکی تاریخی خدمات پر ہم مدتوں نازاں رہیں گے اور دوسروں پر بجا فخر کرسکیں گے۔

صاحب ممدوح نے رحمۃ للعالمین لکھکر تاریخی دنیا پر جو احسان عظیم کیا اور جس محنت شاقہ سے یہ مواد مہیا کر کے سیرت نبویہ میں ایک نئی طرح ڈالی اور نئی نئی معلومات بہم پہنچائیں اگر ہم سب مل کر بھی اس کا شکریہ ادا کریں تو رحمۃ للعالمین کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے

رحمۃ للعالمین ہی وہ ایک مقبول کتاب ہے جسے تاریخی حیثیت میں نہ صرف مستند مانا گیا بلکہ اطراف عالم میں اسے قبولیت کا جامہ پہنایا گیا اور منجانب اللہ اسے وہ شرف حاصل ہوا جو آجتک کسی اردو کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔

رحمۃ للعالمین ہی وہ کتاب ہے جسے جامعہ عثمانیہ دکن، جامعہ عباسیہ بہاولپور، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء، جامعہ ملیہ دہلی وغیرہ نے نصاب میں داخل کیا ہے اور قریباً تمام اسلامیہ ہائی سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

رحمۃ للعالمین ہی وہ کتاب ہے جسکی صحت و برتری کے بڑے بڑے عالم محدث مورخ اور فلاسفر بھی قائل ہیں اور سب اہل علم اپنی اپنی لائبریریوں میں اس کا رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کے مطالعہ کی ترغیب دلاتے ہیں۔

اسی رحمۃ للعالمین کے مصنف کی یہ ایک اور تاریخی کتاب ہے جو آپکے پیش کیجا رہی ہے اور اسی سے آپ اسکی خوبیوں کا اندازہ بھی لگا سکتے ہیں۔

بزرگان دین کے یہ تاریخی حالات اگرچہ آج سے بہت عرصہ پہلے یعنی ۱۸۹۹ء میں اخبار وکیل کیلئے لکھے گئے جو وقتاً فوقتاً اس میں چھپتے رہے مگر کتابی صورت میں مدوّن ہو کر آج ہی شائع ہو رہے ہیں اور اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک نئی تاریخی چیز ہے جو صاحب ممدوح کے نام سے شائع ہو رہی ہے ۱۸۹۹ء میں جب منشی غلام محمد صاحب مرحوم مالک اخبار وکیل نے اپنے اخبار میں تصاویر کا سلسلہ شروع کیا تو قاضی صاحب نے انہیں لکھا کہ آپ تصاویر شائع نہ کریں اگر مضامین کی قلت ہو تو میں ہر ہفتہ مشاہیر اسلام کی سوانحمریاں لکھکر بھیجدیا کرونگا وہ چھاپ دیجئے تاکہ قوم ان سے مستفیض ہو منشی صاحب مرحوم نے قاضی صاحب کے مشورہ کو پسند فرمایا اور یہ سلسلہ اخبار میں شروع ہو گیا۔ جو ملک میں نہائت پسندیدگی و قبولیّت کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔

اب جبکہ وکیل کا کوئی پرچہ بھی کسی کے پاس نہیں تو "کارکنان مسلمان کمپنی لاہور" نے یہ ضروری سمجھا کہ جہانتک جلد ممکن ہو سکے اس گوہر بے بہا کو دستبرد زمانہ سے بچا کر کتابی صورت میں لانا چاہئیے تاکہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محفوظ رہے چنانچہ وہ سب حالات جو اخبار کے لئے نہائت اختصار سے لکھے گئے تھے جمع کر لئے گئے اور چند مشاہیر کے مزید حالات لکھنے کیلئے قاضی صاحب موصوف سے درخواست کیگئی جو قبول ہوئی اور چند ہی دنوں میں یہ اچھی خاصی کتاب تیار ہو گئی۔

اس کتاب سے ملک و قوم کو جسقدر منفعت حاصل ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ ہمیشہ قوموں کو بیدار و ہشیار کرنے کیلئے بزرگان قوم ہی کا تذکرہ کام آتا ہے اور یہ چیز انسانی فطرت میں کچھ اسطرح داخل ہو گئی ہے کہ اسے فطرت ثانیہ کہا جائے تو بجا ہے۔

قرآن کریم نے بھی اسی اصول کے ماتحت سابقہ اقوام اور انبیائے کرام کے حالات بیان کئے ہیں تاکہ مسلمان ان سے سبق و موعظت حاصل کریں اور اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں اس کتاب میں بھی اسی لئے بزرگان دین، پیشوایان ملت اور شاہان اسلام کے حالات جمع کئے گئے ہیں کہ قارئین کرام ان سے متمتع ہو سکیں انکی سوانح حیات سے سبق حاصل کریں اور انکے کارناموں پر بنظر امعان غور کریں۔

چونکہ انسان کی تعلیم و تربیت کیلئے بہترین ذریعہ خود اسی کے افراد جنس کے حالات ہو سکتے ہیں اور انسان کے سامنے انسانی زندگی ہی بہترین نمونہ انسانیت کا بن سکتی ہے اس لئے

اسلاف کے حالات اور تاریخ کا مطالعہ اور بھی ہمارے لئے زیادہ ضروری ہے کہ ہم ان سے سبق لے کر اپنی زندگی سنوار سکیں۔

مشاہیر کے حالات جہاں پچھلی نسلوں کیلئے تذکرہ ہیں وہاں سبق حاصل کرنے والوں کیلئے تبصرہ بھی ہیں کہ وہ اُن کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر غور کریں اور اُن کے نشیب و فراز کو اچھی طرح دیکھیں پھر خُذ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدِر کے اصول پر اچھی اچھی باتیں اخذ کر لیں اور اُن پر عمل کی کوشش کریں کیونکہ قرآن حکیم نے بھی آیہ کریمہ ذِكْرُ لَكَ وَلِقَوْمِكَ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

پس آپ جب اس کتاب کا مطالعہ کریں تو کسی شخص کے حالات پڑھنے کے بعد کتاب بند کر کے چند منٹ تک غور فرمائیں کہ اس شخص کے حالات میں کونسی نئی بات معلوم ہوئی اگر یہ شخص صفات حمیدہ اور اوصاف جمیلہ کا مالک تھا تو کیا اُن اوصاف کا کوئی حصہ مجھ میں بھی ہے؟ اور اگر اس میں کوئی ایسی عادت تھی جو قابل نفرت ہو اور جسے وقائع نگار نے نمایاں طور پر آشکار کر دیا ہو تو کیا وہی عادت خود مجھ پر تو حکمران نہیں؟

امید ہے کہ اس تدبیر سے مکارم اخلاق کے حصول کا ایک جذبہ پیدا ہو جائے جو صحیح معنوں میں اخلاقی و روحانی ارتقا کا خضر راہ بن سکے یا آپکی قوت ارادی میں اتنی قوت و طاقت پیدا کر دے کہ وہ عادت بد کا مقابلہ کر سکے اور یہی امر بالآخر تزکیہ نفس کا سبب اور تصفیہ قلب کا موجب ہو جائے۔

آجکل ناول نویسی اور ناول خوانی کا بڑا زور ہے بعض پڑھنے والے کسی ناول کو اخلاقی یا تاریخی سمجھ کر نیک نیتی سے اس کا مطالعہ مفید خیال کرتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ صاف دلوں کیلئے یہ کسقدر ضرر رساں ہیں!

ناول کی داستان کو سحر نگار مصنف حد درجہ موثر بنانیکی سعی کرتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناول خواں کو واقعات صحیحہ اور تواریخ اصلیہ کے مطالعہ سے کچھ دلچسپی نہیں رہتی، مذاق بگڑ جاتا ہے اخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے اور جذبات و احساسات انسانی پژمردہ ہو جاتے ہیں اور یہ ایک ضرر عظیم ہے

ناول میں نیک و بد صفات کو ایسے مبالغہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ اصلی نیکی یا بدی کی کوئی قدر و قیمت یا اہمیت دل و دماغ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی اور پڑھنے والا محض خوش وقتی

کے طور پر دل لگی سمجھکر زبان کے چٹخاروں ہی میں رہ جاتا ہے۔

مگر بخلاف اس کے تاریخ کا مطالعہ ہر حیثیت سے مفید ہے کیونکہ وہ قومی روایات کا مجموعہ ہوتا ہے پس ناول چھوڑ کر ہمیشہ تاریخ پڑھو جو واقعات ہیں، حقائق ہیں اور ہمارے ہی جیسے انسانوں کی زندگی کا آئینہ ہیں یہی حالات ہمارے لئے ایک بہترین واعظ ہیں اعلیٰ ترین مشیر ہیں اور کامل ترین استاد ہیں ہر انسان اپنے آپکو اس نمونہ کے مطابق ترقی دے سکتا ہے اور اس کے مطالعہ ہی سے ہر برے نمونہ سے بچ سکتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے اور اسلاف کے حالات کو بغور پڑھنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اپنے اسلاف کی ترقیات کا دور ہمارے سامنے آجاتا ہے اور ہمیں صحیح طور پر یہ اندازہ لگانے کا موقعہ مل جاتا ہے کہ ہم پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو گئے؟ وہ کونسے عیوب و نقائص ہیں جنکی بدولت ہمیں یہ روز بد دیکھنے پڑے؟ اور وہ کونسے اسباب و علل ہیں جو ہمارے اس نکبت وافلاس کا موجب ہوئے۔

الغرض جب اس نقطہ نگاہ سے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پھر خود بخود انسان ترقی کیطرف قدم اٹھانے لگتا ہے، اس کے مردہ جذبات زندہ ہو جاتے ہیں، اس میں اسلامی روح کارفرما ہو جاتی ہے اور اسکے سینہ میں قومی جوش موجزن ہو جاتا ہے۔

خصوصاً جب اسے یہ معلوم ہو جائے کہ میرے اسلاف کی ترقی کا انحصار محض میثاق ربانی کے مطابق ایمان اور عمل صالح کی پابندی پر موقوف تھا اور اسی کی بدولت وہ دینی عروج اور دنیوی رفعت پر فائز المرام تھے اور آج ہماری مذلت کا سب سے بڑا باعث انہیں شروط کا فقدان ہے تو وہ اٹھتا ہے اس نقص اور کمی کو محسوس کرتا ہے، خود اپنی اصلاح کرتا ہے اور دوسروں کی اصلاح کے درپے ہو جاتا ہے۔

پس یہ فوائد محض تاریخ کے مطالعہ اور اسلاف کے حالات پڑھنے ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں اور اسی مقصد کو پورا کرنے کیلئے "تاریخ المشاهیر" شائع کی جا رہی ہے امید ہے آپ خود اس سے متمتع ہونگے اور دوسروں کو بھی ترغیب دلا کر اسکی اشاعت بڑھائینگے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ

خاکسار عبد المجید خادم عفی عنہ مہتمم مسلمان کمپنی لاہور

لاہور یکم اکتوبر ۱۹۱۷ء

آئمہ و عُلماء

امام ابو حنیفہ نُعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

نسب نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ بن
بیان کیا گیا ہے۔ کہ زوطی بنو تیم اللہ بن ثعلبہ کے مملوک تھے پھر آزاد ہوئے۔ لہذا بنو تیم اللہ بن ثعلبہ کے ساتھ اُنکو حق وِلا حاصل ہے۔

خطیب بغدادی نے اسی لئے حضرت امام کو ابو حنیفہ التیمی کے پتہ سے معیّن کیا ہے۔
ثابت اسلام میں پیدا ہوئے۔ مگر اُن کا سنہ ولادت تاریخ میں نہیں ملتا بعض نے اس خاندان کا نکاس کابل بعض نے بابل بعض نے ترمذ بعض نے انبار سے بتایا ہے۔

ولادت و وفات امام صاحب کی ولادت ۸۰ھ میں بمقام کوفہ ہوئی۔ اسی شہر میں رہکر آپ نے تکمیل علوم فرمائی۔ منصور عباسی نے اُن کو حکماً کوفہ چھوڑنے اور بغداد ٹھہرنے پر مجبور کیا ۱۵۰ھ کو بماہ رجب (بقول بعض بماہ شعبان) انتقال فرمایا۔

استفادہ و افادہ حمادؒ بن سلیمان سے فقہ حاصل کی۔ عطاءؒ بن ابی رباح اور ابو اسحٰقؒ سبیعی محاربؒ بن دثار۔ ہیثمؒ بن حبیب الصراف۔ محمدؒ بن المنکدر۔ نافعؒ مولی عبد اللہ ابن عمرؓ اور ہشامؒ بن عروہ اور سماکؒ بن حرب سے سماع حاصل کیا۔ انسے روایت عبد اللہ ابن مبارک اور وکیع بن الجراح اور قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی وغیرہ کرتے ہیں۔

اوصاف جمیلہ امام صاحب عالم۔ صاحب عمل۔ زاہد۔ عابد۔ صاحب ورع و تقویٰ تھے خضوع خشوع الی اللہ کی حالت اکثر طاری رہتی تھی۔

انکار حکومت قضا اور ابتلاء امام صاحبؒ ابھی کوفہ ہی میں تھے کہ مروان بن محمد اُموی کے گورنر عراقین یزید بن عمرو بن هبیرۃ الفزاری نے ان کو قاضی بننے پر مجبور کیا۔ امام صاحب نے انکار کردیا۔ اُس نے حکم دیا کہ سو۱۰۰ تازیانے دس

دس کے حساب سے لگائے جائیں۔ یہ سزا انہوں نے صبر کے ساتھ برداشت کر لی۔ مگر قضاء کو منظور نہ فرمایا۔

پھر جب حکومت عباسیہ قائم ہو گئی تو منصور عباسی نے اُن کو قاضی بنانا چاہا۔ اور آپ نے انکار کر دیا۔ منصور نے حلفیہ کہا۔ کہ تم کو قاضی بننا پڑیگا۔ امام ابو حنیفہؒ نے بھی حلفیہ انکار کر دیا۔ منصور کا صاحب ربیع بن یونس تھا۔ اور اُسکی کچھ لاگ ڈانٹ امام صاحب سے رہتی تھی۔ وہ بولا ابو حنیفہؒ ہوش کرو۔ امیر المومنین بحلف فرماتے ہیں۔ اور تم پھر بھی انکار کئے جاتے ہو۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔ ہاں امیر المومنین اپنی حلف کا کفارہ باآسانی ادا فرما سکتے ہیں۔ مجھ غریب کو تو کفارہ دینا بھی مشکل ہے۔

ربیع کا بیان ہے۔ کہ دوران گفتگو میں منصور نے کہا تھا۔ کہ تم ہی اس منصب کیلئے شایاں ہو۔ امام صاحبؒ نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ منصور بولا۔ کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔ لو اب تو آپ ہی نے فیصلہ کر دیا۔ جو شخص جھوٹا ہے وہ قاضی کیونکر بنایا جا سکتا ہے

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ربیع نے منصور سے کہا۔ کہ ابو حنیفہؒ تو آپکے جد بزرگوار عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مخالف ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حلف علی الیمین کا استثناء ایک دو روز کے بعد بھی جائز ہے۔ اور ابو حنیفہؒ کہتا ہے کہ نہیں استثناء ہو تو یمین کیساتھ ساتھ ہو۔ تاخیر کے بعد استثناء نہیں ہو سکتا۔ منصور نے ان کی طرف دیکھا۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا۔ ربیع کہتا ہے۔ کہ اہل عساکر جو اقرار بیعت خلیفہ کے سامنے کرتے ہیں۔ اُسکی پابندی اُن پر واجب نہیں۔ منصور نے پوچھا۔ یہ کیونکر۔ کہا اس لئے کہ حضور کے سامنے حلف کر لیا۔ اور گھر پہنچ کر انشاء اللہ کہہ لیا۔ منصور ہنس پڑا۔ کہا ربیع تم ابو حنیفہؒ سے چھیڑ نہ کیا کرو۔

ربیع نے دربار سے باہر نکل کر کہا۔ ابو حنیفہؒ آج تو تم نے مجھے قتل ہی کرا دیا تھا امام صاحبؒ نے کہا۔ نہیں یہ ارادہ تو تمہارا تھا۔ میں نے اپنی جان بچائی۔ اور تمکو بھی بچایا۔

ایسا ہی واقعہ ابو العباس طوسی کیساتھ ہوا۔ وہ امام صاحبؒ کا مخالف تھا۔ اس نے منصور کے سامنے پوچھا کہ اے ابو حنیفہؒ امیر المومنین ایک شخص کے قتل کا حکم دیتے ہیں۔ جسکا بظاہر کوئی قصور نہیں۔ تمہاری اس بارہ میں کیا رائے ہے؟ امامؒ نے کہا

کہ امیر المومنین کا حکم مبنی بر حق ہوتا ہے یا مبنی بر باطل۔ طوسی کو کہنا پڑا۔ کہ مبنی بر حق۔ امامؒ نے کہا۔ پھر نفاذ حق کے متعلق تم کو سوال کی کیا ضرورت پڑی۔

عبداللہ بن رجا کہتے ہیں۔ کوفہ میں ایک شخص امام ابوحنیفہؒ کا ہمسایہ تھا۔ دن کو دکان پر کام کرتا۔ رات کو شراب کباب اور راگ و سرود میں پورا کرتا۔ امام صاحبؒ تہجد میں ہوتے اور وہ برابر چلایا کرتا۔ اور یہ شعر پڑھا کرتا۔ ؎

اَضَاعُونِی وَاَیَّ فَتًی اَضَاعُوا لِیَوْمِ کَرِیْھَۃٍ وَّسِدَادِ ثَغْرٍ

ایک رات امام صاحب کو اسکی آواز نہ سنائی دی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ پولیس میں گرفتار ہے۔ امام صاحبؒ فوراً حاکم شہر کے پاس پہنچے۔ امیر نے امام کو دیکھا۔ تو خیر مقدم کیلئے چند افسر بھیجے۔ اور کہا کہ ان کو تا لبِ فرش سوار لاؤ میں چاہتا ہوں کہ انکا خچر میرے فرش پر گامزن ہو۔

الغرض امام صاحب کے اس ادب و احترام کے بعد امیر نے تشریف آوری کی وجہ دریافت کی آپ نے اپنے ہمسایہ کی گرفتاری کا حال سنایا۔ اور رہائی کی سفارش کی۔ امیر نے حکم دیا۔ کہ اس رات جتنے ملزم گرفتار کئے گئے ہیں۔ سب کو چھوڑ دیا جائے۔ امام صاحبؒ اس ہمسایہ کو رہائی دلا کر گھر کو چلے۔ راہ میں پوچھا۔ کیوں بھائی ہم نے تجھے ضائع تو نہیں ہونے دیا۔

وہ بولا۔ جزاک اللہ۔ آپ نے مجھ جیسے گنہگار کو بچا لیا۔ بعد ازاں وہ اپنے افعال سے تائب ہوگیا۔ اور اسکی حالت درست ہوگئی۔

جعفر بن ربیع کا قول ہے میں چند سال تک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ٹھہرا۔ وہ بہت کم گو اور سکوت پسند تھے۔

ابراہیم بن عکرمہ کہتے ہیں۔ میں نے ابوحنیفہؒ جیسا اورع و افقہ کوئی نہیں دیکھا۔ امام سفیان بن عیینہ کہتے ہیں۔ میں نے مکہ میں ابوحنیفہؒ سے زیادہ نفل پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

امام وکیع کہتے ہیں۔ ابوحنیفہؒ عظیم الامانۃ تھے اور راہ خدا میں ہر چیز کے ایثار پر تیار ہو جاتے تھے۔ سچ کے مقابلہ میں تلواروں کا نشانہ بن جانا ان کو آسان تھا۔

عبداللہ بن مبارک نے ایک روز فرمایا۔ کہ ابوحنیفہؒ تو آئت (نشان) تھے۔ ایک شخص

ف لوگوں نے مجھ کو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کام آیا۔ ۱۲ خادم

بولا۔ نیکی میں یا بدی میں؟ ابن المبارک نے فرمایا۔ چپ رہو۔ لفظ آیت کا استعمال خیر میں کیا جاتا ہے۔ اور لفظ غاشت کا استعمال شر میں ہوتا ہے۔ تجھے یہ آیت قرآنی بھی یاد نہیں

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً۔

مسعر بن کدام کہتے ہیں مجھے کوفہ کے صرف دو شخصوں پر حسد آتا ہے۔ فقہ میں ابوحنیفہؒ پر۔ اور زہد میں حسن بن صالح پر۔

ابو نعیم کہتے ہیں۔ ابو حنیفہؒ خوب رو۔ خوش لباس۔ پاکیزہ نگہت۔ کثیر الکرام اور ہمدرد انسان تھے۔

قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں۔ ابو حنیفہؒ نہ بہت لانبے تھے نہ ناٹے تھے۔ ان کا قد درمیانہ تھا وہ خوش گو اور شیریں سخن تھے۔

روح بن عبادہ کہتے ہیں میں ابن جریجؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جب امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کی خبر انکو ملی سنتے ہی اِنَّا لِلّٰہ پڑھا۔ اور غمناک ہوگئے۔ اور پھر فرمایا: آہ کیا علم اٹھ گیا!

ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں۔ کہ سفیانؒ ثوری کا بھائی مر گیا۔ ابو حنیفہؒ تعزیت کے لئے آئے۔ سفیانؒ نے آگے بڑھ کر ان کا اکرام کیا اور خود ان کے سامنے ہو کر بیٹھے۔ جب ابوحنیفہ چلے گئے۔ تو لوگوں نے کہا۔ آج تو آپ نے عجیب حرکت کی۔ انہوں نے کہا۔ کہ یہ شخص علم کے اونچے درجے پر ہے اچھا اگر میں ان کا اکرام بوجہ علم نہ کرتا۔ تو بوجہ سن تو ضرور کرتا۔ اور اگر سن وسال کا لحاظ بھی نہ کرتا۔ تو فقہ کا پاس تو ضرور کرتا۔ اور اگر فقہ کا پاس نہ کرتا تو ان کی ورع کا اکرام تو ضرور کرتا۔

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں۔ میں نے سفیانؒ ثوری سے ذکر کیا کہ ابو حنیفہؒ غیبت سے کتنی دور رہتے ہیں میں نے نہیں سنا۔ کہ انہوں نے کبھی کسی دشمن کی غیبت بھی کی ہو۔ وہ بولے ایسا دانشمند انسان اپنی نیکیوں کو کیونکر برباد کر سکتا ہے۔

وکیع فرماتے ہیں میں ایک روز ابو حنیفہؒ سے ملنے گیا۔ دیکھا سر جھکائے متفکر بیٹھے ہیں۔ پھر سر اٹھایا۔ تو یہ شعر پڑھے۔ ؎

اِنْ يَّحْسُدُوْنِيْ فَاِنِّيْ غَيْرُ لَائِمِهِمْ ۔ قَبْلِيْ مِنَ النَّاسِ اَهْلُ الْفَضْلِ قَدْ حُسِدُوْا

؎ میں اپنے حاسدوں کو ملامت نہیں کرتا اس لئے کہ مجھ سے پہلے بہت سے اہل فضل حسد کئے جا چکے ہیں۔ ۱۲ خادم

فَلَا مِلِیْ وَلَھُمْ مَابِیْ وَمَابِھِمْ ۔ وَمَاتَ اَکْثَرُنَا غَیْظًا بِمَا یَجِدُوْا[۱]

ایک روز ابن عائشہ کے سامنے امام ابوحنیفہؒ کا ذکر ہوا۔ غالبًا انداز بیان کچھ شایان شان نہ تھا۔ تو انہوں نے یہ شعر پڑھ سنایا۔

اَقِلُّوْا عَلَیْکُمْ وَیْحَکُمْ لَا اَبَالَکُمْ ۔ مِنَ اللَّوْمِ اَوْسَدُّوْا الْمَکَانَ الَّذِیْ سَدُّوْا[۲]

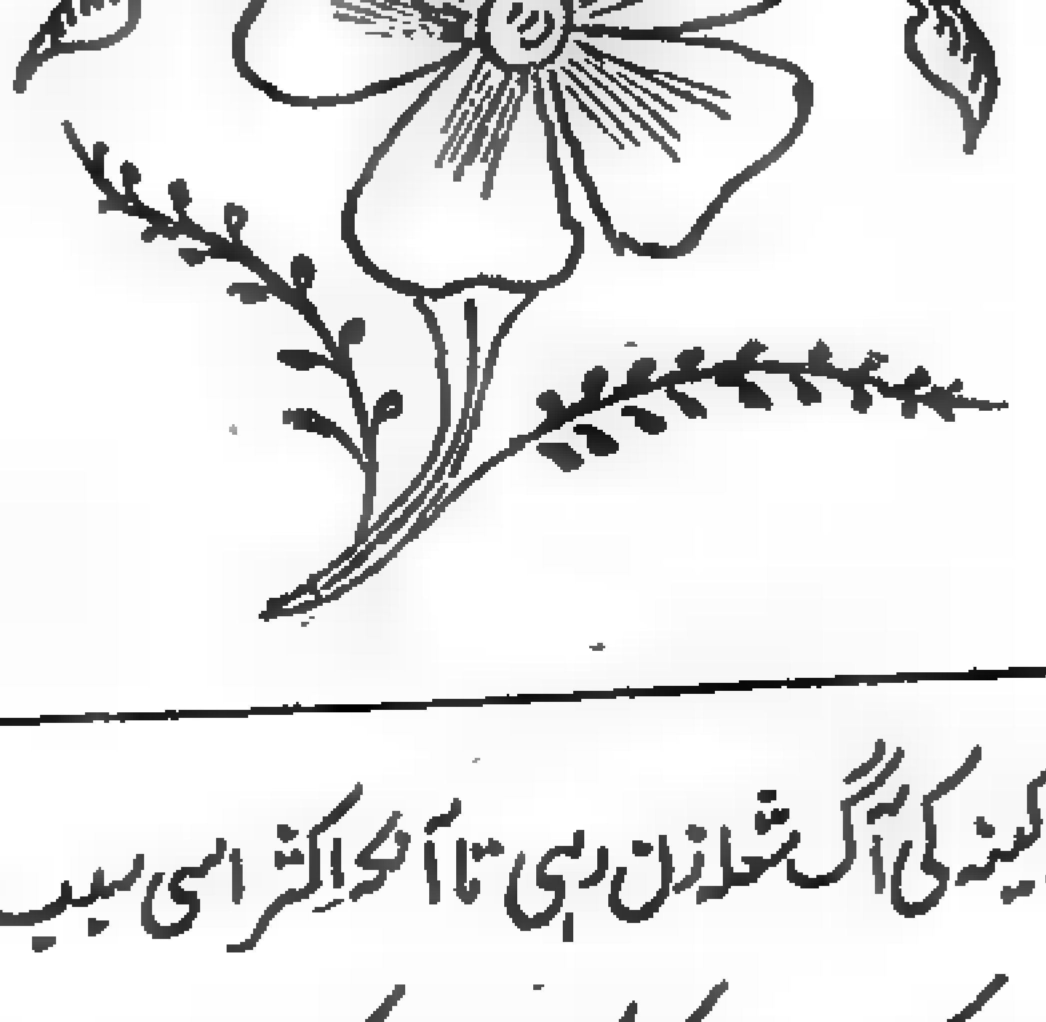
امام صاحب کی قبر پر قبہ الپ ارسلان کے عہد میں ابوسعد خوارزمی وزیر سلطنت نے ۴۵۹ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ قبل ازیں قبر مبارک بالکل خام تھی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃً واسعۃً

واضح ہو کہ الفاظ ذیل کو جملہ محدثین نے وضعی بیان کیا ہے۔

جو روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کئے جاتے ہیں اِنَّ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلًا یُقَالُ لَہٗ اَبُوْحَنِیْفَۃَ ھُوَ سِرَاجُ الْاُمَّۃِ[۳]۔ خطیب بغدادی نے اس کے موضوع ہونے کو مشرحًا بیان کیا ہے۔ فقط

تاریخ ولادت و وفات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

بوحنیفہ زاد اندر سال نیک ۔ سال رحلت ہست لعل بے بہا
۸۰ ۔ ۱۵۰ھ



۱؎ میرے اور ان کے درمیان ہمیشہ کینہ کی آگ شعلہ زن رہی تا آنکہ اکثر اسی سبب سے مرگئے۔ خادم

۲؎ تف ہو تم پر تم ایک دوسرے کو ملامت نہ کیا کرو وہ کام کرو جو تم سے پہلے لوگوں نے کئے۔ خادم

۳؎ میری امت میں ایک شخص ہوگا جسے ابوحنیفہ کہیں گے وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔ خادم

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ امام دار الہجرۃ

مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عامر بن عمرو بن الحارث بن عثمان بن خثیل بن عمرو بن الحارث بن حرث ذی اصبح - اصبحی المدنی۔

ابو عبداللہ کنیت۔ آپکا سلسلہ نسب یعرب بن قحطان سے جاملتا ہے اور اس قبیلہ کے بزرگ زیادہ تر یمن پر متسلط و قابض ہیں۔

حلیہ لانبا قد۔ سفید و سرخ۔ بزرگ سر۔ مقدم سر کے بال ندارد۔ نہائت قیمتی اور صاف لباس زیب تن فرمایا کرتے حلق شارب (مونچھو نکے منڈانے) کو ناپسند کرتے۔ سفید ریش کبھی رنگ نہیں لگایا۔

ولادت و وفات۔ سنہ ۹۰ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۷۹ھ میں وفات۔ اسی سال کی عمر پائی۔

اساتذہ۔ نافع مولی ابن عمر۔ محمد بن المنکدر۔ ابو الزبیر زہری۔ عبداللہ بن دینار۔ ابو حازم۔ ربیعۃ الرائی وغیرہم

تلامذہ (۱) امام شافعیؒ (۲) امام ابن عیینہؒ (۳) امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (۴) امام سفیان ثوریؒ (۵) اوزاعیؒ (۶) امام عبداللہ بن مبارکؒ (۷) امام لیث بن سعد امام مصر (۸) ابن علیہ (۹) ابن وہب (۱۰) ابراہیم بن ہیمان (۱۱) قعنبی (۱۲) عبداللہ بن یوسف (۱۳) عبداللہ بن نافع (۱۴) امام یحییٰ القطان (۱۵) معن بن عیسےٰ (۱۶) عبدالرحمٰن بن القاسم (۱۷) ابو عاصم نبیل (۱۸) روح بن عبادہ (۱۹) ولید بن مسلم (۲۰) ابو عامر عقدی (۲۱) یحییٰ بن یحییٰ (۲۲) یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر (۲۳) امام عبدالرحمٰن العاقل امام اندلس۔ اور خلائق کثیر کہ ہر ایک شاگرد بجائے خود اپنی اپنی جگہ امام شمار ہوتا تھا۔ (۲۴) امام زہری جو اُن کے فخر الاساتذہ میں سے ہیں۔ اور (۲۵) یحییٰ انصاری جو امام مالک کے مشہور استاذ ہیں ان دونوں نے بھی امام مالک سے روائت حدیث کی ہے

الغرض جملہ آئمہ دین اور علمائے حدیث کا امام مالک کی امامت وجلالت اور سیادت و تبجیل و توقیر پر اجماع ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور ابن المدینی اور ابن معین کا متفقہ قول ہے کہ اصحاب زہریؒ میں

سب سے زیادہ متبحر امام مالکؒ ہیں۔

وہب بن خالد کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان کوئی شخص امام مالکؒ سے بڑھ کر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مامون نہیں

صحیح ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے یُوْشِكُ اَنْ تَضْرِبَ النَّاسُ رِبَاطَ الْمَطِيِّ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَلَا يَجِدُوْنَ عَالِمًا اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِيْنَةِ (قال الترمذی حدیث حسن) امام سفیان بن عیینہؒ کا قول ہے کہ اس حدیث کا مصداق امام مالکؒ بن انس ہے

تعظیم حدیث۔ امام معن بن عیسےٰؒ کہتے ہیں کہ جب امام مالکؒ روایت حدیث کے لئے نشست فرمانے کا ارادہ کرتے تو غسل کرتے اور جسم و لباس کو عطر لگاتے۔ اور اگر ان کی مجلس میں کوئی شخص بول اٹھتا تو یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)

امام مالک فرمایا کرتے کہ حدیث نبویؐ کے وقت بولنا گویا خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چلانا ہے۔

رُواۃ حدیث کے متعلق احتیاط۔ حبیب وراق کہتے ہیں میں نے امام مالکؒ سے تین اشخاص کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ان سے کوئی روایت کیوں نہیں لی۔ امام صاحبؒ گردن جھکا کر بیٹھ گئے پھر سر اٹھایا تو فرمایا۔ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

حبیب! میں نے اس مسجد نبوی میں ستر شیوخ ایسے دیکھے ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ سے ملنے والے تھے۔ تابعین سے بھی روایت کرتے تھے۔ لیکن ہم حدیث کو اہل حدیث ہی سے لیا کرتے ہیں۔

عبداللہ بن یوسف نے خلف بن عمرو سے روایت کی ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ اتنے میں ابن کثیر قاری المدینہ آگئے اور انہوں نے امام کی خدمت میں ایک رقعہ پیش کیا۔ امام مالکؒ نے رقعہ پڑھا۔ اور جانماز کے نیچے رکھ دیا۔ لوگ روانہ ہو گئے تو میں نے بھی چلنے کا ارادہ کیا۔ فرمایا۔ خلف تم ذرا ٹھہرو۔ پھر وہ رقعہ مجھے نکال کر دیا۔ اس

ف ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ لوگ دور دراز سے سفر کر کے مدینہ طیبہ میں آئینگے اور یہیں سے دین سیکھیں گے کیونکہ مدینہ سے بڑھ کر زیادہ عالم اور کہیں نہ ہوگا۔ خادم

میں لکھا ہوا تھا۔

"مینے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا گویا مجھے بتایا گیا کہ آپ رسول اللہؐ میں حضور بیٹھے ہوئے ہیں اور حضور کے سامنے بہت ہجوم ہے۔ کوئی عرض کر رہا ہے یا رسول اللہ مجھے کچھ عنایت ہو جائے۔ کوئی کہہ رہا ہے حضور میرے لئے بھی کچھ حکم ہو جائے۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ مینے اپنے منبر کے تلے بہت بڑا خزانہ جمع کر دیا ہے اور مینے مالکؒ کو حکم دیدیا ہے کہ وہ تم کو تقسیم کر دے۔ اب تم مالکؒ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضور کے سامنے سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی کہہ رہا ہے۔ مالکؒ دیکھیں کیا کرے گا۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ جو حکم نبوی ہے اُسی کی تعمیل کر یگا"

امام مالکؒ رقعہ پڑھے جانے کے بعد رونے لگے۔ وہ روتے ہی رہے اور میں وہاں سے اُٹھ کر چلا آیا۔

قعنبی کہتے ہیں کہ میں حمادؒ بن زید امام بصرہؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ جب اُن کو امام مالکؒ کی خبر وفات ملی۔ وہ بولے۔ اللہ تعالیٰ مالکؒ پر رحم فرمائے وہ اپنی نظیر نہیں چھوڑ گئے

ابن وہب کہتے ہیں۔ امام مالکؒ کی ہمشیرہ سے دریافت کیا گیا کہ مالک کا شغل گھر میں کیا ہوتا ہے۔ کہا" تلاوت قرآن"۔

محمد بن رمح کہتے ہیں۔ مینے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور عرض کیا کہ بعض مسئلہ میں مالکؒ اور لیثؒ کا اختلاف ہوتا ہے۔ وہاں کیا کیا جائے۔ فرمایا مالک۔ مالک۔ مَالِكٌ وَرِثَ جَدِّي يَعْنِي اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ یعنی میرے دادا ابراہیم علیہ السلام کا ورثہ مالکؒ کو مالکؒ کو ملا ہے۔

بکر کہتے ہیں مینے خواب میں دیکھا۔ کہ میں بہشت میں داخل ہو گیا ہوں۔ مجھے وہاں اوزاعیؒ اور سفیانؒ ثوری ملے۔ مینے ان سے پوچھا کہ مالکؒ کہاں ہیں۔ دونوں بولے مالکؒ کہاں۔ مالکؒ تو بہت بلندی پر ہیں۔ مالکؒ کہاں۔ وہ تو بہت اونچے ہیں۔ مالکؒ کہاں ہیں۔ وہ تو اُٹھائے گئے ہیں۔ اوپر کو اشارہ کرتے کرتے اُنکی ٹوپیاں بھی گر گئیں۔

رودلقی نے اپنی کتاب سُبُل السنۃ المشرقۃ میں لکھا ہے کہ مالکؒ کے اساتذہ میں تین سو تابعی۔ اور چھ سو تبع تابعین ہیں۔ پھر انہوں نے روایت اُنہی لوگوں سے کی ہے جو دینداری میں زیادہ برگزیدہ اور شروط روایت کے زیادہ پابند اور فقہ والے تھے۔

ابتلاء و محن۔ طلاق مکرہ کے بارے میں امام مالکؒ کا فتویٰ حاکم مدینہ کی مرضی کے خلاف تھا۔ حاکم نے اُن کو گرفتار کیا۔ اور ستر کوڑے لگوائے۔ اور اونٹ پر بٹھلا کر اُن کی تشہیر کرائی۔ اور اُنکے دونوں بازوؤں کو اتنا کھنچوایا کہ دونوں ہاتھ مونڈھے سے اُتر گئے۔ اُس کے بعد وہ نماز میں ہاتھ نہ باندھ سکتے تھے۔ ابن جوزی نے اس واقعہ کو ۱۴۷ھ کا بتایا ہے اسوقت امامؒ کی عمر ۵۲ سال کی تھی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین سراج نے اُن کی وفات پر اشعار ذیل میں دردِ دل کا اظہار کیا ہے۔

سقی جدثا ضم البقیع لمالك — من المزن مرعاد السحائب مبراق
امام موطاه الذی طبقت به — اقالیم فی الدنیا فساح و آفاق
اقام به شرع النبی محمد — له حذر من ان یضام و اشفاق
له سند عال صحیح وهیبة — فللکل منه حین یرویه اطراق
و اصحاب صدق کلهم علم فسل — بهم انهم ان انت سائلت حذاق
ولو لم یکن الا ابن ادریس وحده — کفاه الا ان السعادة ارزاق

تاریخ ولادت و وفات امام مالک رحمہ اللہ

مالکؒ زبدۂ عباد امام (۹۵ھ) — از جہاں رفت و یافت مطلق نام (۱۷۹ھ)

دیگر

آنکہ الدین ہست میلادش (۹۵ھ) — مالک ست آن امام حق آئین (۱۷۹ھ)

امام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ نسب۔ محمد بن ادریس نام۔ اور ابوعبداللہ کنیت ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔
محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد بن یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبدمناف القرشی المطلبی الشافعی الحجازی المکی۔
ان کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبدمناف میں شامل ہوجاتا ہے اور صحیح بخاری میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ ارشاد نبوی موجود ہے اِنَّمَا بَنُو الْمُطَّلِبِ وَبَنُو هَاشِمٍ شَيْءٌ وَاحِدٌ مطلبی اور ہاشمی دونو ایک ہی چیز ہیں۔
آپ کی والدہ محترمہ قبیلہ ازد سے ہیں۔ ترمذی میں بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ ارشاد نبوی موجود ہے اَلْاَزْدُ اُسُدُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔ نیز ترمذی میں بروایت ابی ہریرہؓ یہ لفظ بھی ارشاد نبوی سے ہیں وَالْاِمَانَةُ فِي الْاَزْدِ ان روایات سے ثابت ہے کہ امام شافعی شرافت حسب ونسب میں درجہ اوّل پر ہیں۔

ولادت ووفات۔ ۱۵۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے اسی سال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تھا۔ لوگوں نے مبالغہ سے کہا ہے کہ ہردو آئمہ کا یوم ولادت ویوم وفات ایک ہی تھا۔ امام بیہقیؒ نے اسے باطل بتلایا ہے۔ ایام حمل میں ان کی والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ انکے شکم سے مشتری پیدا ہوا ہے۔
ارض مقدسہ کے شہر غزہ (یا عسقلان) میں پیدا ہوئے۔ اور دو سال کے تھے جب مکہ مکرمہ میں لائے گئے۔ ۵۴ سال کی عمر تھی جب مصر میں ۳۰ رجب ۲۰۴ھ کو بعد نماز مغرب شب جمعہ کو وفات پائی اور بروز جمعہ بعد عصر مدفون ہوئے۔ اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ دَرَجَتَهٗ وَاَدْخِلْهُ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ
امام ربیع کا قول ہے کہ میں نے اسی شب خواب میں دیکھا کہ آدم علیہ السلام کا انتقال ہوگیا۔ مجھے تعبیر یہ بتلائی گئی کہ دنیا کے سب سے بڑے عالم کا انتقال ہوگا۔ کچھ مدت کے بعد ہم کو خبر مل گئی کہ امام شافعیؒ فوت ہوگئے۔ معبر نے وجہ تعبیر اس آیت کریمہ کو بتلایا تھا۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔

تعلیم ادب ایام العرب و شعر۔ بچپن سے نکلتے ہی امام شافعی نے علم ادب اور ایام العرب اور شعر کیطرف میلان خاطر کا اظہار کیا۔ بعد ازاں مسلم بن خالد زنجی امام مکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل فقہ میں مصروف ہو گئے۔ بعد ازاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مدینہ منورہ پہنچے اس وقت انکی عمر ۱۳ سال کی تھی۔ اور کتاب موطا کو انہوں نے مکہ ہی میں حفظ کر لیا تھا امام مالکؒ ان کے علم و فہم و علو نسب کی وجہ سے ان کی خاص عزت فرمایا کرتے تھے۔ امام مالکؒ سے تکمیل کے بعد وہ یمن تشریف لے گئے۔ اور وہاں لوگ اُن کے علوم سے بہت مستفیض ہوئے۔ یمن سے وہ عراق میں پہنچے اور وہاں امام محمد بن حسن سے وہ مشہور مناظرات کئے جو کتب شافعیہ میں تفصیلاً موجود ہیں۔

عراق میں عبد الرحمٰن بن مہدیؒ امام الحدیث کی درخواست پر انہوں نے علم اصول پر ایک کتاب لکھی جس کا نام الرسالۃ ہے ائمہ اہل عصر اس کتاب کو پڑھ کر تے اور حیرت و مسرت سے معمور ہو جاتے۔

مزنی کہتے ہیں۔ میں نے اس کتاب کو پانسو بار پڑھا ہے اور ہر دفعہ فائدہ جدیدہ حاصل کیا ہے جن دنوں امام شافعیؒ عراق میں ٹھہرے ہوئے تھے انہی ایام میں اُن کی جلالت شان اور امامت فی العلم مسلّمہ ہو گئی۔ لوگ اپنے اپنے مذاہب کو چھوڑ چھوڑ کر اتباع شافعی کرنے لگے اور جملہ اساتذہ کو چھوڑ کر انہی کے حلقہ درس میں حاضر ہونے لگے۔

اُنہوں نے اپنی مشہور کتاب الحجۃ بھی عراق ہی میں تصنیف کی جسے احمد بن حنبلؒ اور ابو ثورؒ اور زعفرانیؒ اور کرابیسیؒ روایت کرتے ہیں ۱۹۹ھ میں امام شافعیؒ مصر جا پہنچے اور وہیں اُنہوں نے مذہب تحقیق جدید کی کتب کو قلم بند کیا۔ اصول الفقہ۔ کتاب القسامۃ کتاب الجزیہ۔ کتاب قتال اھل البغی بھی مصر ہی میں تصنیف فرمائیں۔

ان دنوں امام شافعیؒ کی شہرت بدر تاباں کیطرح عالم اسلام پر نور افگن تھی۔ شام و یمن اور عراق اور جملہ نواحی و امصار کے علماء انکی خدمت میں بمصر پہنچ رہے تھے۔

سلیمان بن ربیع کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے شمار کیا۔ کہ امام شافعیؒ کے دروازے پر ۹۰۰ سواریاں اہل علم کی موجود تھیں۔

مختصر احوال شافعیؒ۔ یہ آغوش مادر ہی میں سے تھے کہ یتیم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ابحار العلوم کا در یتیم بنایا۔

یہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اصول فقہ میں سب سے پیشتر کتاب لکھی

یہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے حذاق متقنین سے مناظرے کئے۔ اور ائمہ مبرزین کی تصانیف پر بغور دیکھا۔ مذاہب متقدمین کی تنقید کی۔ اور پھر ایک ایسا طریقہ جامعہ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کے متعلق ملخص کیا جو ان سے پیشتر نامعلوم تھا۔ استنباط کتاب و سنت میں ان کا درجہ بہت بلند ہے اور ناسخ و منسوخ حدیث میں ان کا علم کامل ہے۔ مجمل و مبین اور خاص و عام وغیر تقاسیم خطاب میں انہوں نے ایسے ایسے عوارف بیان کئے جسے پہلے بیان نہ کیا گیا تھا۔

لغت، نحو و ادب کی امامت۔ عبدالملک بن ہشام کا جو لغت و نحو میں امام عصر تسلیم کئے گئے ہیں۔ قول ہے کہ اَلشَّافِعِیُّ حُجَّۃٌ فِی اللُّغَۃِ۔

ابن ہشام مشکلات لغت کا حل امام شافعیؒ ہی سے کیا کرتے تھے۔

ابو عبید امام لغت کہتے ہیں شافعیؒ اُن بزرگوں میں سے ہیں جن سے لغت سیکھنا چاہیئے۔

ایوب بن سوید امام لغت کہا کرتے کہ لغت شافعیؒ سے سیکھو۔

ابو عثمان مازنی کہتے ہیں کہ شافعیؒ نحو میں حجت ہیں۔

اصمعی کہتے ہیں کہ شعرائے ہذلیین کے اشعار کی صحت میں نے محمد بن ادریسؒ (الشافعی) سے کی تھی۔ جب وہ مکہ میں بچہ ہی تھے۔

محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کہتے ہیں میں نے شافعیؒ سے سنا کہ اُن کو ۳۰۰ شعرائے قدیم کے اشعار یاد ہیں۔

زبیر بن بکار کہتے ہیں اشعار ہذیل اور اُن کے ایام و وقائع کا علم میں نے اپنے چچا مصعب سے سیکھا تھا اور کہتے تھے کہ یہ سب شافعیؒ سے سیکھے تھے اور یہ سب اُنکو زبانی یاد تھے

فقہ و حدیث میں امامت۔ محمد بن حسنؒ (تلمیذ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں اہل الحدیث اب شافعیؒ کی زبان سے بولنے لگے ہیں۔

حسن بن محمد زعفرانی کہتے ہیں اصحاب حدیث خواب میں تھے شافعیؒ نے اُنکو بیدار کیا۔

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جو کوئی شخص قلم و دوات ہاتھ میں لیتا ہے اُسکی گردن پر شافعیؒ کا بار منت ہے۔

امام شافعیؒ ۱۵ سال کے تھے جب اُن کے اُستاد امام و مفتی اہل مکہ مسلم بن خالدؒ نے کہہ دیا تھا کہ ابو عبداللہ اب تم فتویٰ دیا کرو۔ بخدا کہ تم فتویٰ دینے کے قابل ہو گئے ہو۔

اصحاب الحدیث (اہل الحدیث) کا لقب متبعین پر امام شافعیؒ ہی کے عہد میں اشاعت پذیر ہوا
عراق میں امام شافعیؒ کا لقب "ناصر الحدیث" مسلّم تھا۔
امام نوویؒ کہتے ہیں کہ حدیث شریف اِنَّ عَالِمَ قُرَیْشٍ یَمْلَأُ طِبَاقَ الْاَرْضِ عِلْمًا کا مصداق
متقدمین و متاخرین نے امام شافعیؒ ہی کو بتایا ہے
ابو نعیمؒ نے تفصیل کیساتھ حدیث بالا کو امام شافعیؒ پر منطبق کیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے
کہ امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب بھی اس حدیث کے متعلق یہی تھا۔
امام الائمہ ابن خزیمہؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا کوئی ایسی بھی سُنت صحیحہ ہے جس کا ذکر شافعیؒ نے
اپنی تصنیفات میں نہ کیا ہو انہوں نے جواب دیا "نہیں"
سخاوت شافعیؒ۔ حمیدیؒ کہتے ہیں شافعیؒ صنعاء سے مکہ میں آئے تو اُن کے پاس دس
ہزار دینار تھے۔ انہوں نے مکہ سے باہر اپنا خیمہ لگایا۔ ارباب حاجات جاتے تھے۔ اور جیسے
مراد لیکر آتے تھے۔ الغرض شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب کل رقم صرف ہو گئی
بوئطیؒ کہتے ہیں زبیدہ خاتون امام شافعیؒ کیلئے بڑی بڑی قیمت کے خلعت مصر میں بھیجا
کرتی تھی اور شافعیؒ اُن کو تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔
ربیعؒ کہتے ہیں امام شافعیؒ بازار میں سوار چلے جا رہے تھے ہاتھ سے چابک گر گیا۔ ایک شخص
نے اُٹھایا۔ گرد سے صاف کیا اور امام کو دیدیا۔ شافعیؒ نے نوکر سے فرمایا۔ جتنے روپیہ تیرے ساتھ ہیں
وہ اسے دیدے۔
ابو سعدؒ کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا۔ میں نے ایک لونڈی خریدی ہے جو کھانا عمدہ تیار کرتی ہے
شیرینی بناتی ہے۔ تمہارا جی جس چیز کے کھانے کو چاہے۔ فرمائش کر دیا کرو۔
مناقب شافعیؒ۔ امام ابو ثورؒ کہتے ہیں اگر کسی کا دعویٰ ہو کہ اس نے محمد بن ادریس جیسا علم
و فصاحت اور معرفت و ثبات و تمکین میں کوئی دوسرا شخص بھی دیکھا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔
ابو عبید قاسم بن سلامؒ کہتے ہیں کہ شافعیؒ سے بڑھکر میں نے کوئی مکمل شخص نہیں دیکھا۔
امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند عبداللہ کہتے ہیں میں نے والد بزرگوار سے پوچھا تھا۔ کہ شافعیؒ کیسا
شخص تھا جس کے لئے آپ ہر نماز میں دعا کرتے ہیں۔ فرمایا امام شافعیؒ کی مثال خورشید اور
صحت جیسی ہے کیا کوئی ان دونوں سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ یا ان دونوں کا کچھ بدل بھی ہے۔
تصانیف کتاب الام۔ پندرہ جلدوں میں ہے۔ (۲) جامع کبیر مزنی۔ (۳) جامع صغیر مزنی

(۴) مختصر ربیع (۵) مختصر بویطی (۶) کتاب الحرملہ (۷) کتاب الحجۃ (۸) الرسالۃ (۹) الامالی (۱۰) الاملا (۱۱) مسند شافعی وغیرہ۔ اور بہت سی کتابیں ہیں۔ قاضی الامام ابو محمد حسن بن محمد مروزی نے اُنکی تعداد ۱۱۳ بتلائی ہے۔ یہ کتابیں تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور تاریخ پر مشتمل ہیں۔

اقوال و اشارات۔ ۱۔ نماز نافلہ سے طلب علم بہتر ہے۔

۲۔ جو شخص طالب دنیا ہے اُسے بھی علم سیکھنا چاہیئے اور جو شخص خواہاں آخرت ہے اُسے بھی علم سیکھنا چاہیئے۔

۳۔ ادائے فرائض کے بعد قرب الٰہی کے حصول کا سب سے افضل طریقہ تحصیل علم ہے۔

۴۔ علم کا مزہ اُس کو آتا ہے جس نے تنگدستی میں علم سیکھا ہو۔ فرمایا۔ طالب علمی میں میری یہ حالت تھی کہ مجھے کاغذ بمشکل دستیاب ہوا کرتا۔

۵۔ طالب علم کو گہرے فکر و دقت فہم سے علم سیکھنا چاہیئے تاکہ علم کی باریک باریک معنوں سے محروم نہ رہے

۶۔ جو شخص محب علم نہیں اُسے دوست مت بناؤ۔

۷۔ علم کی زینت ورع اور حلم ہیں۔

۸۔ عالم کیلئے سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے جس شے سے زہد کا حکم دیا۔ وہ اُسکا راغب ہو۔ اور جس شے سے رغبت کا حکم دیا وہ اُسی میں زہد کرے۔

۹۔ علماء کا فقر اختیاری ہوتا ہے اور جہال کی تنگدستی اضطراری ہوتی ہے۔

۱۰۔ علم میں نمود و ریاء کا نتیجہ سنگدلی اور کینہ توزی ہے۔

۱۱۔ افسوس۔ لوگ اس سورہ قرآنیہ سے کسقدر بے خبر ہیں۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔

۱۲۔ کہا کرتے تھے میں نے غسل جمعہ کبھی ترک نہیں کیا سفر ہو یا حضر

۱۳۔ کہا کرتے میں نے اللہ کی قسم کبھی نہیں کھائی نہ سچی نہ جھوٹی۔

۱۴۔ کہا کرتے کہ ۱۶ سال سے میں نے کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ ایک روایت میں ۲۰ سال کا لفظ ہے

۱۵۔ فرمایا کرتے زائد از ضرورت دنیا کی تلاش ایک عذاب ہے جو اہل توحید پر دنیا میں مسلط کیا جاتا ہے

۱۶۔ جس پر محبت دنیا غالب ہے وہ اہل دنیا کا غلام ہے۔

۱۷۔ اُن سے پوچھا گیا کہ آپ ابھی مضبوط ہیں پھر ہر وقت عصا لیکر کیوں چلتے ہیں فرمایا اس لئے کہ یاد رہے کہ میں مسافر ہوں۔

۱۸۔ فرمایا دنیا و آخرت کی بہبودی ان پنجگانہ خصال میں ہے (۱) استغنائے نفس (۲) ایذا رسانی سے

نفرت (۳) کسب حلال (۴) لزوم تقویٰ (۵) جملہ حالات میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد۔

۱۹۔ فرمایا۔ ناداری و تنگدستی سے میں کبھی پریشان نہیں ہوا

۲۰۔ ربیع کو بطور نصیحت فرمایا۔ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو روشن فرمادے تو اُسے لازم ہے کہ (الف) غیر ضروری گفتگو سے بچا کرے (ب) معاصی سے دور رہے۔ (ج) کوئی ایسا عمل کیا کرے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو نہ ہو۔

۲۱۔ غیر ضروری کلام سے بچو۔ تکلم کے بعد تمہاری گفتگو تمہاری مالک بنجاتی ہے پہلے وہ تمہاری مملوکہ تھی۔

۲۲۔ تم اپنی مساعی سے سب کو خوش نہیں کر سکتے لہٰذا عمل میں صرف اخلاص کے خواہاں رہو۔

۲۳۔ انسان کی تادیب و تربیت وحوش کی تادیب و تربیت سے زیادہ کٹھن ہے۔

۲۴۔ عاقل وہ ہے جسکی عقل اُسے فعل مذموم سے روک لے۔

۲۵۔ اگر میں آجکل بھی شعر کہا کرتا تو مروّت کا مرثیہ لکھتا۔

۲۶۔ مروّت کے اربعہ عناصر یہ ہیں (۱) حسن الخلق (۲) سخاوت (۳) تواضع (۴) ایثار

۲۷۔ دنیا میں انسان صرف چار خصائل سے مکمّل ہو سکتا ہے دیانت۔ امانت۔ صیانت۔ رزانت۔

۲۸۔ چالیس سال سے میں شادی شدہ لوگوں سے تزویج پر اُنکی رائے دریافت کرتا رہا۔ سب کو شاکی ہی پایا۔

۲۹۔ صداقت محبّت یہ ہے کہ عذر قبول کیا کرو۔ بوقت حاجت اُس کی مدد کیا کرو۔ اور اسکی لغزشوں پر خاک ڈال دو۔

۳۰۔ محبّت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ پیارے کا پیارا بھی تمکو پیارا ہو۔

۳۱۔ احباب دلی کی مصاحبت کے برابر کوئی خوشی نہیں اور اُنکے فراق کے برابر کوئی الم نہیں

۳۲۔ وثوق محبّت کی بنیاد پر کسی دوست کا حق ادا کرنے میں تقصیر نہ کیا کرو۔

۳۳۔ احسان کرنیوالا تجھے قیدی بناتا ہے اور جفا کرنے والا تجھے آزاد چھوڑتا ہے۔

۳۴۔ جو کوئی تیرے پاس دوسرے کی غیبت کرتا ہے وہ تیری غیبت دوسرے کے پاس کریگا امامؒ کے اصل لفظ کتنے مختصر اور فصیح ہیں مَن نَمّ لَکَ نَمّ بِکَ۔
سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کا ترجمہ کیا ہے۔ ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمرد بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد۔

۳۶۔ تواضع سے محبت پیدا ہوتی ہے اور قناعت سے راحت ملتی ہے۔

۳۷۔ زاہد دنیا اور راغب آخرت بن کر رہو۔ تم بھی نجات یافتہ لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

۳۸۔ خندہ روئی سے بُرے لوگ بھی مصاحب بنجاتے ہیں اور ترش روئی سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔ لہذا درمیانی حالت بہتر ہے۔

۳۹۔ بیحیائی کی صحبت قیامت کے دن باعث ننگ و عار ہوگی۔

۴۰۔ تکمیل ایمان کا حصر تین امور پر ہے (۱) امر بالمعروف اور خود بھی اُس پر عمل کرنا (۲) نہی عن المنکر اور خود بھی بچے رہنا (۳) حدود الٰہی کی نگہداشت۔

۴۱۔ استحقاق سے بڑھ کر کسی کی عزت کرنا خود اپنے آپ کو اتنا ہی گرالینا ہے۔

۴۲۔ شرفاء سے میل جول رکھو۔ شریف سمجھے جاؤ گے کمینہ لوگوں سے مت ملو کمینہ سمجھے جاؤ گے

۴۳۔ کان لگا کر اچھی بات سننے والا حاکی بن جاتا ہے (یعنی دوہرانے کا اہل ہو جاتا ہے) اور دل لگا کر بات سننے والا داعی بن جاتا ہے (بات کو دلنشین کر لیتا ہے) سچی بات پر عمل کرنیوالا ہادی بن جاتا ہے۔

۴۴۔ بلند قدر وہ ہے جو آپ اپنے کو اونچا نہ کھینچے اور اہل فضل وہ ہے جو اپنی فضیلت پر نہ اترائے

۴۵۔ اخلاق جمیلہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسرے کے پاس کسی درماندہ کی سفارش کر دیا کرو۔

۴۶۔ کسی کی خطا پر مت ہنسو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کو خطا سے بچائیگا۔

۴۷۔ بڑی ذلت کسی شریف کا کمینہ کے سامنے ذلیل بننا ہے یا مرد کا عورت کے سامنے اس کا مال اُڑانے کیلئے گڑگڑانا ہے۔

۴۸۔ اگر قاضی فقیہہ نہیں تو وہ چور ہے۔

۴۹۔ مردانگی احرار کا زیور ہے۔

۵۰۔ بطلان کو اپنی زینت بنانیوالا جلد رسوا و خوار ہو جاتا ہے۔

۵۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو سچ سمجھنے والا ہی نجات پاتا ہے اور دین کی حفاظت کرنیوالا ہی یعنی بندہ سے بچ سکتا ہے۔

۵۲۔ عمل کثیر چاہیئے اور امل قصیر۔

۵۳۔ رزق الٰہی پر راضی رہو۔

۵۴۔ اپنے دل کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب لگائے رکھو۔

امام ہمام کے سنین عمر کے برابر ۵۴۔ اقوال لکھ کر اقتصار کرتا ہوں۔

نمونہ کلام شافعیؒ

ان الذی رزق الیسار ولم یصب ... حمداً ولا اجراً لغیر موفق

الجد یدنی کل امر شاسع ... والجد یفتح کل باب مغلق

واذا سمعت بان مجدوداً حوی ... عوداً فاثمر فی یدیہ فصدق

واذا سمعت بان محروماً اتی ... ماءً لیشربہ فغاض فحقق

لو کان بالحیل الغنی لوجدتنی ... بنجوم اقطار السماء تعلقی

لکن من رزق الحجا حرم الغنی ... ضدان مفترقان ای تفرق

ومن الدلیل علی القضاء وکونہ ... بؤس اللبیب وطیب عیش الاحمق

خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے۔ کہ ابوبکر محمد بن درید صاحب المقصورہ نے ان کی وفات پر قصیدہ لکھا تھا۔ چند اشعار یہ ہیں۔

الم تر آثار ابن ادریس بعدہ ... دلائلھا فی المشکلات لوامع

معالم یفنی الدھر وھی خوالد ... وتنخفض الاعلام وھی فوارع

مناھج فیھا للھدی متصرف ... سوار دفیھا للرشاد شرائع

وعول فی احکامہ وقضائہ ... علی ماقضی فی الوحی والحق ناصع

فمن یک علم الشافعی امامہ ... فمرتعہ فی ساحۃ العلم واسع

سلام علی قبر تضمن جسمہ ... وجادت علیہ المدجنات الھوامع

لئن فجعتنا الحادثات بشخصہ ... بھن لما حکمن فیہ فواجع

فاحکامہ فینا بدور زواھر ... وآثارہ فینا نجوم طوالع

امام شافعیؒ شہسواری نیزہ بازی قادر اندازی نشانہ بازی تیر افگنی۔ تیغ رانی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ حدیث صحیح کے اتنے شیدا کہ احمد بن حنبلؒ وغیرہ تلامذہ سے فرمایا کرتے کہ جب تم کو کوئی حدیث صحیح مل جایا کرے تو مجھے مطلع کر دیا کرو۔

امام شافعیؒ کی یہ دعا حاقہ ارباب دل میں بہت معتبر و مجرب ہے۔ اَللّٰھُمَّ یَا لَطِیْفُ اَسْئَلُکَ اللُّطْفَ فِیْ مَاجَرَتْ بِہِ الْمَقَادِیْرُ فقط۔

تاریخ ولادت و وفات

کوکب ایمان محمد شافعی ... از جہاں رفت و مقام پاک یافت

۱۵۰ ... ۲۰۴

امام احمد بن حنبلؒ الشیبانی المروزیؒ

سلسلہ نسب۔ احمد بن محمد بن حنبل نام۔ ابو عبداللہ کنیت۔ سلسلہ نسب اسطرح پر ہے ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عطایہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ھنب بن اقصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان الشیبانی المروزی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ شکم مادر میں تھے جب انکی والدہ مرو سے بغداد پہنچیں۔ بغداد ہی میں بماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ کو پیدا ہوئے۔ اور ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو جمعہ کے دن دوپہر کیوقت بغداد میں ہی انتقال فرمایا۔

ان کا شمار اصحاب اور خواص شافعیؒ میں ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ جب بغداد سے مصر کو روانہ ہونے لگے تو فرمایا کہ بغداد میں احمد بن حنبلؒ سے بڑھ کر تقویٰ اور فقہ میں کوئی نہیں علم دین کیلئے مکہ مدینہ، شام و یمن کوفہ و بصرہ اور جزیرہ کا سفر کیا۔ اور علم حدیث کا ذخیرہ کامل جمع فرمایا حتیٰ کہ ایک لاکھ حدیث نوک زبان تھی۔

مشہور اساتذہ۔ (۱) امام سفیان بن عیینہ (۲) ابراہیم بن سعد (۳) یحییٰ القطان (۴) ھشیم (۵) وکیع (۶) ابن مہدی (۷) ابن علیہ۔ (۸) عبدالرزاق بن ہمام۔

مشہور تلامذہ۔ (۱) عبدالرزاق بن ہمام جو اُستاد بھی ہیں۔ (۲) ابن مہدی یہ بھی اُستاد ہیں (۳) یحییٰ بن آدم (۴) ابو الولید (۵) یزید بن ہارون (۶) علی بن المدینی (۷) امام بخاری (۸) امام مسلم (۹) امام ابو داؤد (۱۰) امام ذہلی (۱۱) ابو زرعہ رازی (۱۲) ابو زرعہ دمشقی (۱۳) ابراہیم الحربی (۱۴) ابو بکر احمد بن محمد بن ھانی الطائی (۱۵) امام بغوی (۱۶) ابن ابی الدنیا (۱۷) محمد بن اسحٰق الصاغانی (۱۸) ابو حاتم الرازی (۱۹) احمد بن ابی الحواری (۲۰) موسیٰ بن ہارون (۲۱) حنبل بن اسحاق (۲۲) عثمان بن سعید الدارمی وغیرہ کہ ہر ایک ان میں امام اور علم ہے

فضائل و مناقب ابراہیم الحربی کا قول ہے کہ میں نے تین بزرگ ایسے دیکھے ہیں کہ انکی مثل کا دیکھنا دشوار ہے۔ (۱) ابو عبید القاسم میں سمجھتا تھا کہ وہ ذی روح پہاڑ ہیں (۲) بشر بن الحارث میں سمجھتا تھا کہ سر سے لیکر پاؤں تک وہ عقل ہی عقل ہیں (۳) امام احمد بن حنبلؒ۔ گویا اللہ تعالیٰ

17395

نے علم الاوّلین کو جملہ انواع کے اعتبار سے ان کے اندر جمع فرمایا ہے۔

ابو مسہر کا قول ہے مجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین الٰہی کو اس نوجوان مشرقی احمد بن حنبلؒ کے سوا اور کسی شخص کی ذات میں آج جمع کر دیا

علی بن المدینیؒ امام احمدؒ کا نام لیتے تو سیدی کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔

ھشیم بن جمیل کہتے ہیں مجھے منظور ہے کہ میری عمر گھٹا دی جائے اور اتنی ہی احمد بن حنبلؒ کی عمر بڑھا دی جائے۔

ابو زرعہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کے پاس حدیث کا تحریری ذخیرہ اتنا تھا کہ بارہ شخص اُن کتابوں کو اُٹھا سکتے تھے اور امام صاحب کو یہ سب حفظ یاد تھیں۔

ابو حاتم سے امام احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینیؒ کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا کہ حفظ میں تو دونوں برابر برابر تھے مگر احمدؒ تفقہ میں بڑھے ہوئے تھے۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ احمد بن حنبل اور سلیمان بن داؤد ہاشمی سے بڑھ کر ہم نے کوئی صاحب عقل و دانش نہیں دیکھا۔

صالح بن احمد بن حنبلؒ کا بیان ہے کہ میرے والد فرماتے تھے کہ میں نے پانچ حج کئے۔ ان میں سے تین پاپیادہ کئے تھے۔

میمونی کہتے ہیں کہ احمد بن حنبلؒ جیسی اچھی نماز پڑھنے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔

ابو حاتم کہتے ہیں کہ جسے امام احمد سے محبت ہے وہ ضرور اہل السنت والجماعت ہے۔

ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ زہد و تقویٰ اور علم و عمل میں امام احمد بن حنبلؒ کا کوئی مقابل نہ تھا۔

ابو داؤد سجستانی کا قول ہے کہ میں نے دو سو مشائخ حدیث کو دیکھا اور ان سب سے ملا۔ مگر امام احمد بن حنبلؒ کے مانند کسی کو نہ پایا۔

ابتلا و ثبات۔ خلق قرآن کا مسئلہ انہی کے عہد میں نکلا سلطنت بغداد اس مسئلہ کی ترویج و اشاعت کی حامی تھی۔ امام احمد بن حنبل نے اس کا سخت انکار کیا۔ اور اس انکار کی وجہ سے اُن کو سخت ترین مصائب برداشت کرنے پڑے۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں۔ اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں اور اسی حالت میں دو سو میل سے زیادہ پیادہ پا سفر کرایا گیا تازیانہ لگائے گئے۔ ذلت و رسوائی کے سب طریقے ختم کئے گئے۔ لیکن امام ہمام نے ایسے صبر و استقامت کے نمونے دکھلائے کہ ظالم ظلم کرتے کرتے تھک گئے۔ یہ واقعہ ماہ رمضان ۲۲۰ھ

کتا ہے۔ اس زمانہ میں بشر حافیؒ بڑے زاہد و عابد تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ امام احمدؒ کی سفارش میں لب کشائی کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا۔ کہ میں خود کو ان مصائب کا متحمل نہیں پاسکتا احمدؒ کا صبر تو انبیاء کا سا ہے۔

زہد و ورع آپ جہاں علوم فقہ و حدیث میں مستند او پیشوا تھے وہاں زہد و عبادت اور اتقا کے طریقہ اور اس کے طرز روش میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا آپ نے استغنا اور توکل میں ایسی ایسی ثابت قدمی دکھائی ہے کہ اسکی مثال بہت ہی کم ملیگی۔

محمد بن موسیٰ کہتے ہیں کہ حسن بن عبدالعزیز کو ترکہ میں ایک لاکھ دینار ملے جو مصر سے بغداد لائے گئے اور ان میں سے دہ ہزار ہزار روپیہ کی تیس تھیلیاں امام احمد بن حنبلؒ کے لئے لائے اور عرض کیا کہ حضرت یہ مجھکو وجہ حلال سے ترکہ میں ملی ہیں آپ اپنے اہل وعیال کے نان و نفقہ کیلئے قبول فرمایئے آپ نے فرمایا کہ مجھکو ان کی ضرورت نہیں میرا مالک مجھے رزق دے رہا ہے جاؤ تم انہیں اپنے کام میں لاؤ۔

یہ زہد و تقویٰ کی وہ مثال ہے جو شاذ ہی اور کہیں مل سکے آپ نے ستر برس کی عمر میں کبھی کسی سے سوال نہ کیا۔ بلکہ اگر کسی نے آپکی حالت کو دیکھکر خود بخود کچھ پیش کیا تو اسے بھی قبول نہ فرمایا اور صبر و توکل ہی میں اپنا سارا وقت بسر کر دیا۔

تصنیفات سب سے زیادہ مشہور تصنیف مسند احمدؒ ہے جو معرفت احادیث میں معیار تسلیم کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب الزہد۔ کتاب ناسخ منسوخ۔ منسک کبیر اور منسک صغیر کتاب الاشربہ۔ اور تاریخ فضائل صحابہ وغیرہ۔ کئی کتابیں ہیں جو آپ نے قلمبند فرمائیں ایک ایک کتاب کئی کئی جلدوں میں ہوتی چنانچہ جامع کبیر اکیلی ہی تیس بتیس جلدوں میں تھی۔

انتقال اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کو بھی کرامت عظمیٰ بنایا۔

ان کے جنازہ پر جو انوار و برکات دیکھی گئیں اُسے دیکھ دیکھ کر بیس ہزار عیسائی۔ یہودی مجوسی داخل اسلام ہوئے تھے

ابو زرعہ سے روایت ہے کہ خلیفہ متوکل کے حکم سے اس رقبہ اراضی کی پیمائش کیگئی جس پر مجتمع ہو کر امام کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی اور پھر اس رقبہ سے تعداد نفوس کا اندازہ کیا گیا۔ تو ۸ لاکھ ۶۰ ہزار کی تعداد نکلی۔ اس تعداد میں ۶۰ ہزار عورتیں تھیں۔

ابراھیم حربی کہتے ہیں۔ میں نے امام احمدؒ کی شب انتقال کو بشر حافیؒ خواب میں دیکھے

ان کی آستینوں میں کچھ بھرا ہوا تھا۔ مینے پوچھا یہ کیا ہے۔ فرمایا کہ امام احمدؒ کی لحد پر اللہ تعالٰی نے جواہرات نچھاور کئے تھے۔ یہ ان سے لوٹ کر لایا ہوں۔

ان کے فضائل کا حصر دشوار ہے اور خواہ کتنی ہی تفصیل سے کام لیا جائے حقیقتہً وہ بھی مختصر ہی رہیگا۔

صاحبزادے۔ آپکے دو صاحبزادے تھے جو بڑے عالم اور کامل تھے۔ ایک کا نام عبداللہ جنکی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ دوسرے کا نام صالح تھا جنکی ولادت سنہ ۲۰۳ھ میں ہوئی۔ یہ اصفہان کے قاضی تھے اور وہیں سنہ ۲۶۶ھ میں انتقال فرمایا۔ اور عبداللہ جنہوں نے اپنے باپ کی کتاب مسند کو مرتب کیا اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ بھی کیا، ۷۷ برس کی عمر پاکر ۹ جمادی الاول سنہ ۲۹۰ھ میں انتقال فرماگئے۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

تاریخ ولادت و وفات امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ

امام عہد احمد بن حنبلؒ ۱۶۴ھ ‏ بسال فوت گفتم قلزم دیں ۲۴۱ھ

تبصرہ بر حالات آئمہ اربعہ رحمہم اللہ

آئمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال مبارکہ جسقدر اب تک تحریر کئے جا چکے ہیں وہ امام نوویؒ کی کتاب الاسماء اور تاریخ ابن خلکان سے ماخوذ ہیں۔ اور انتخاب کے وقت بہت اور بھی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اب میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب حجۃ اللہ البالغہؒ ان آئمۃ العظام کے علوم و فقہ کے متعلق بھی کچھ اضافہ کر دوں۔ حکیم الامۃ کی تحقیقات عالی انشاء اللہ تعالیٰ طالبانِ حقیقت کیلئے بصر افروز و بصیرت افزا ہو گی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ قواعد کلیہ اور اصول محکمہ کے تبیین اور علل الاحکام اور اسرار شرائع کے اظہار میں وہ امام عالیمقام ہیں کہ اگر اُن کا ظہور عہد سابقین میں ہوتا تو یقیناً ان کا منصب ایک طرف غزالیؒ و رازیؒ سے برتر اور دوسری طرف طحاوی و بیہقی کے برابر برابر سمجھا جاتا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ امام مالکؒ اہل مدینہ کی مرویات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ معتمد۔ اور سند کے اعتبار سے نہایت اوثق اور فتاوی فاروقؓ اور اقوال عبداللہ بن عمرؓ و ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ اور فقہاء سبعہؒ کے علوم کے سب سے بڑھ کر عالم تھے علم روایت و فتوی انہی کے امثال سے قائم ہوا۔ اور حکومت شریعہ مالکؒ کو حاصل ہو گئی انہوں نے حدیث بیان کی۔ فتوی دیئے۔ فائدہ پہنچایا اور تمام تر مساعی کو دین الٰہی میں صرف کر دیا اور انہی پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد منطبق ہوا۔ "یُوْشِكُ اَنْ یَّضْرِبَ النَّاسُ اَكْبَادَ الْاِبِلِ یَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَا یَجِدُوْنَ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِیْنَةِ" امام ابن عیینہؒ اور امام عبدالرزاقؒ بن ہمام کا مختار اس حدیث کی تفسیر میں یہی ہے۔

اصحاب مالکؒ نے انکی روایات و مختارات کو جمع کیا۔ خلاصے تیار کئے۔ اور اُن کی شرح لکھیں اور اصول و دلائل پر بحثیں کیں۔ بعد ازاں یہ لوگ عربی ممالک اور نواحی الارض میں پھیل گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ خلق کثیر کو نفع عظیم پہنچایا۔ اس قول کی اگر حقیقت معلوم کرنا چاہو تو کتاب مؤطا کو غور سے دیکھو کہ اصلیت واضح ہو جائے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں ابراہیم نخعی اور اُن کے اقران کے مذہب پر لزوم

کرنے والے تھے۔ اس مذہب سے (الا ماشاء اللہ) وہ کبھی تجاوز نہیں کرتے اور اسی مذہب پہ تخریج مسائل میں عظیم الشان تھے۔ اور وجوہ تخریجات میں دقیق النظر، نیز فروعات پہ کامل توجہ رکھنے والے تھے۔ اگر تم اس قول کی حقیقت معلوم کرنا چاہو تو امام محمدؒ کی کتاب الآثار نیز جامع عبدالرزاق نیز تصنیف ابی بکر بن ابی شیبہ سے ابراہیمؒ اور اُن کے اقران کے اقوال کو چھانٹ لو۔ اور مذہب ابو حنیفہؒ کے ساتھ ملا کر دیکھو۔ تم پر قول بالا کی اصلیت واضح ہو جائیگی۔ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ چند مقامات کے سوا انہوں نے کبھی بھی اس طریق سے علیحدگی نہیں کی پھر اُن چند مقامات میں بھی یہ التزام موجود ہے کہ فقہائے کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے۔

امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں مشہور ترین قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ ہارون الرشید کے عہد میں قاضی بن گئے تھے اور اُن کا اس عہدہ پر مامور ہو جانا ہی اس مذہب کے ظہور نیز عراق وخراسان وماوراء النہر میں اسی کے مطابق فیصلجات صادر ہونے کا سبب بن گیا۔

بلحاظ تصنیف شاگردانِ امام میں محمد بن حسنؒ کا درجہ خاص ہے۔ انہوں نے اچھی اچھی کتابیں لکھیں اور ہمیشہ درس بھی دیا۔ انہوں نے فقہ امام ابو حنیفہؒ سے اور بعد ازاں ابو یوسفؒ سے حاصل کی تھی۔ بعد ازاں مدینہ منورہ پہنچے اور امام مالکؒ سے موطا پڑھا۔ اور بعد ازاں خود بھی غور وفکر کیا اور اپنے مذہب کے ایک ایک مسئلہ کو مؤطا سے مقابلہ میں جمع کیا۔ اگر دونوں میں مطابقت ہوگئی تب تو خیر، ورنہ یہ تلاش کرتے کہ کیا صحابہ وتابعین میں سے کوئی بھی اُن کے مذہب کے موافق ہے تو اُسے لے لیتے تھے۔ لیکن اگر وہ دیکھتے تھے کہ ایک طرف تو حدیث صحیح ہے اور دوسری طرف وہ قیاس ضعیف اور تخریج لین ہے جس پر فقہاء کوفہ کا تو عمل ہے مگر اکثر علماء کا عمل اُن کے خلاف ہے۔ تب وہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر مذہب سلف کو لے لیتے تھے۔

صاحبین کا رویہ عموماً یہ رہا ہے کہ وہ بھی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیطرح ابراہیم اور اُن کے اقران کے مذہب پر رہا کرتے ہیں۔ اور اپنے اُستاد کے خلاف یا تو اس جگہ کرتے ہیں جہاں اُستاد نے مذہب ابراہیمؒ سے کوئی مسئلہ تخریجاً نکالا ہو اور ان کو اس تخریج سے اتفاق نہ ہو۔ یا اس جگہ خلاف کرتے ہیں جہاں مسئلہ میں ابراہیم اور اُن کے اقران کے اقوال متعدد ہوں۔ اور صاحبین ایک قول کو دوسرے قول سے زیادہ ترجیح دیتے ہوں۔

امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی تصنیفات میں اقوال ابراہیمؒ وابو حنیفہؒ وابو یوسفؒ کو جمع کر دیا اور اس سے لوگوں کو بہت نفع پہنچا اُن کی تصانیف پر اصحاب ابو حنیفہؒ نے توجہ کی۔ اور

تخلیص و تقریب اور شرح و تخریج اور تاسیس و استدلال سے کام لیا۔ پھر خراسان۔ اور ماوراء النہر کیطرف پھیل گئے اور اس کا نام مذہب ابو حنیفہ رکھا گیا۔

امام شافعیؒ اسوقت اٹھے جب مالکیہ و حنفیہ کا ظہور اور اصول و فروع کی ترتیب ہو رہی تھی۔ انہوں نے ان لوگوں کے کام میں نظر ڈالی اور پھر ان کی راہ پر چلنے سے اپنی باگ روک لی۔ اس کا ذکر انہوں نے کتاب الام کے آغاز میں کیا ہے۔

از انجملہ انہوں نے دیکھا کہ ہر مذاہب والے مرسل و منقطع پر بھی عمل کرتے ہیں اور ایسا کرنے سے بہت سے نقائص پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جب کسی حدیث کے جملہ طرق کو جمع کر لیا جائے تو پتہ لگ جاتا ہے کہ بعض مرسل روایات وہ ہیں جو بالکل بے اصل ہیں اور بعض مرسل ایسی ہیں جو مسند کے خلاف ہیں۔ لہذا امام شافعیؒ نے تجویز کیا کہ مرسل پر عمل اسوقت کیا جائیگا جب اس میں چند شروط پائے جاتے ہوں۔ ان شروط کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب میں کر دیا ہے۔

از انجملہ کہ مختلفات کو جمع کرنے کے قواعد بھی ہر دو مذاہب والوں کے پاس موجود نہیں لہذا مجتہدات میں خلل کثیر واقع ہوتا ہے۔ اس کے اصول بھی امام شافعیؒ نے بنائے اور ان کو کتاب میں مدوّن کیا۔ اصول فقہ کے متعلق یہ اولین تدوین تھی اسکی مثال مندرجہ ذیل حکایت سے واضح ہوگی۔ کہ امام شافعیؒ امام محمد بن حسنؒ کی ملاقات کو گئے۔ وہ اسوقت کہہ رہے تھے کہ اہل مدینہ ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ کر دیتے ہیں اور ایسا کرنا قرآن سے آگے بڑھ جانا ہے۔

امام شافعیؒ نے پوچھا۔ تو یہ آپ کو ثابت ہو چکا ہے کہ خبر واحد کے ساتھ زیادۃ علی القرآن جائز نہیں۔

امام محمدؒ ہاں یہی بات ہے۔

امام شافعیؒ۔ تب آپ نے لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ[1] والی حدیث پر کیوں عمل کیا۔ قرآن میں تو ہے كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ[2]

اسکے بعد امام شافعیؒ نے اور بھی چند مسائل کا ذکر کیا حتیٰ کہ امام محمد کو چپ کرنا پڑا۔

از انجملہ۔ بعض صحیح حدیثیں فتویٰ دینے والے تابعین تک نہ پہنچیں۔ تب انہوں نے

---

[1] وارث کیلئے وصیت جائز نہیں۔ خادم

[2] ہر مرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین و اقربین کیلئے وصیت کر دے جبکہ وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو۔ خادم

اپنی اپنی رائے کے موافق اجتہاد کیا۔ یا عمومات کا اتباع کیا۔ یا کسی صحابیؓ کا اقتدا کیا۔ اور فتوی دیدیا مگر بعد ازاں طبقہ ثالثہ (تبع تابعین) کو وہ روایت تو ملی۔ مگر انہوں نے اس لئے اس پر عمل نہ کیا۔ کہ اُنکے شہر کا عمل اور طریق اس سے مخالف تھا۔ انہوں نے اسی امر کو حدیث بالا کیلئے علت قادحہ سمجھا۔

یا کوئی ایسی حدیث بھی ہوتی جو تبع تابعین کو تو نہیں ملی تھی مگر اُسوقت ملی جبکہ اہلحدیث نے حدیث کے جملہ طرق پر گہری نگاہ ڈالی اور تلاش حدیث کیلئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پہنچے اور ہر ایک عالم سے استفاضہ کیا۔ تب صحابی کی بیان کردہ ایسی حدیث مل گئی جسے صحابی سے ایک یا دو اشخاص ہی نے روائت کیا ہے اور علیٰ ہذا اُن سے بھی ایک یا دو ہی نے روائت کیا ہے لہذا اہل فقہ سے وہ حدیث مخفی رہی۔ اور اُن حفاظ حدیث کو مل گئی جو جملہ طرق حدیث کے جامع تھے۔

غور کرنے سے ایسی حدیثیں ملجاتی ہیں جس کے راوی سب اہل بصرہ ہیں۔ دیگر مقامات کے لوگوں کو اُن کا علم نہیں۔

ان جملہ حالات پر غور کرتے ہوئے امام شافعیؒ نے اول تو یہ بات بتلائی کہ علماء صحابہ و تابعین کی روش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ مسئلہ کے متعلق حدیث کی تلاش کرتے تھے اور جب حدیث نہ ملتی تب استدلال وغیرہ سے کام لیا کرتے تھے اور بعد ازاں جب کبھی حدیث مل جاتی تب اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر حدیث کی جانب رجوع کر لیتے تھے۔ اور جب ان بزرگان کی یہ روش اور طریقہ ثابت شدہ ہے تب اُن کا کسی حدیث سے تمسک نہ کرنا خود اس حدیث کیلئے علت قادحہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

مثال کے طور پر حدیث قلتین پر نگاہ کرو کہ یہ حدیث صحیح ہے اور طرق کثیرہ کے ساتھ مروی ہے اس کا ایک سلسلہ تو ابو الولید بن کثیر عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبید اللہ الخ ہے۔ دوسرا محمد بن عباد بن جعفر عن عبید اللہ بن عبد اللہ الخ اور پھر یہ دونوں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ہر دو بزرگوار ہر چند کہ ثقہ ہیں لیکن صاحبان فتوی میں سے نہیں جن کے پاس لوگوں کی آمد و رفت بکثرت ہو۔ لہذا یہ حدیث سعید بن مسیب کے عہد میں اور زہری کے زمانہ میں ظاہر نہ ہوئی اور مالکیہ و حنفیہ نے اس پر عمل نہ کیا۔ مگر امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔

حدیث خیار مجلس کی حالت بھی یہی ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور بطرق کثیرہ مروی ہوتی ہے اور صحابہ میں سے ابن عمرؓ و ابی ہریرہؓ نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ مگر فقہائے سبعہ اور ان کے معاصرین کو یہ حدیث نہ ملی۔ اور مالکؒ و ابو حنیفہؒ نے اسی امر کو حدیث کے لئے علت قادحہ سمجھا۔ مگر امام شافعیؒ نے اس پر عمل فرمایا۔

دوم امام شافعیؒ کے عہد میں اقوال صحابہ کو جمع کیا گیا تو وہ بہت مل گئے۔ ان میں باہمی اختلاف بھی تھا۔ اور ان میں سے کچھ اقوال ایسے بھی تھے جو حدیث صحیح کے مخالف تھے (اس لئے کہ ان کو حدیث صحیح نہیں ملی تھی) تب امام شافعیؒ نے اس بنیاد پر کہ ان بزرگوں کا اصول بھی رجوع الی الحدیث رہا ہے۔ حدیث پر عمل شروع کر دیا۔ اور ان اقوال کو چھوڑ دیا۔ اور صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔

ازانجملہ۔ امام شافعیؒ نے بعض فقہاء کو دیکھا کہ وہ رائے اور قیاس کے درمیان کچھ تفاوت نہیں کرتے۔ ہاں رائے تو وہ ہے جسے شرع میں کوئی دخل نہیں اور قیاس وہ ہے۔ جسے ثابت رکھا گیا ہے۔

رائے سے میری مراد یہ ہے کہ کسی حکم شرعی کی علت کسی خیالی حرج یا مصلحت کو قرار دیا جائے اور قیاس یہ ہے کہ کسی حکم منصوص سے علت کی تخریج کیجائے اور حکم کا مدار علیہ اُسی کو ٹھہرایا جائے۔

امام شافعیؒ نے ایسی ہی باتوں کا پورا پورا ابطال کیا۔ ابن الحاجب نے اُن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنی پسندیدگی کو شامل کرتا ہے وہ شارع بننا چاہتا ہے۔ مثلاً یتیم کا رشد کو پہنچ جانا ایک امر مخفی ہے اور فقہاء نے مظنہ رشد ۲۵ سالہ عمر کو قرار دیا ہے اور اس عمر کے بعد اسکے مال کو اُسے سپرد کر دینا بہتر سمجھا ہے۔ یہی پسندیدگی ہے۔ مگر قیاس یہ ہے کہ مال کی سپردگی اس مظنہ پر نہ کیجائے۔

الغرض امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب متقدمین کی ایسی ایسی باتوں کو دیکھا تب انہوں نے فقہ کی بنیاد از سر نو رکھی اصول کی بنیادیں مضبوط کیں اور فروع کی شاخیں نکالیں کتابیں تصنیف کیں۔ اور اپنی مساعی کا فائدہ پہنچایا۔ فقہاء نے اس پر اجتماع کر لیا اور اختصار و شرح یا استدلال و تخریج کی شکلوں میں اُسکا پورا اہتمام کیا۔ پھر مختلف شہروں میں لیکر پھیل گئے اور اسی کا نام مذہب شافعیؒ ہوا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ

اعلام تابعین میں سے تھے۔ رنگ کے سانولے تھے۔ علم حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے پڑھا تھا۔ ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حدیث بیان کرو۔ عرض کی آپ کی موجودگی میں؟ فرمایا۔ کیا ڈر ہے۔ میری موجودگی میں اگر ٹھیک بیان کریگا تب تو بہتر۔ ورنہ میں غلطی کو درست کردونگا۔ انہوں نے قراءت بھی حضرت ابن عباسؓ ہی سے سیکھی تھی۔ اور تفسیر بھی اُن سے ہی سنی تھی اور روایت بھی زیادہ تر انہیں سے کرتے ہیں۔ قراۃ کی روایت ان سے منہال بن عمر اور ابوعمرو بن علاء کرتے ہیں۔

وفا بن ریاس کہتے ہیں سعید نے رمضان میں مجھ سے کہا کہ تو میرا قرآن سن۔ پھر وہاں سے قرآنمجید ختم کر کے ہی اُٹھے۔

سعید کا قول ہے کہ میں نے حرم کے اندر ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا ہے۔

اسمعیل بن عبدالملک کہتے ہیں کہ سعید بن جبیرؒ ہمارے امام تھے۔ ایک رات تو قراءۃ ابن مسعودؓ پڑھتے۔ اگلی رات قراۃ زید بن ثابت۔ ایک رات کسی صحابی کی قراۃ پر اور ایک رات کسی صحابی کی قراۃ پر ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے

ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے کہا کہ میرے لئے قرآنمجید کی تفسیر لکھدیجئے۔ کہا کہ اگر میرے بدن کی ایک شق ماری جائے تو وہ مجھے گوارا ہے بجائے اس کے کہ تفسیر لکھوں۔

خصیف کا قول ہے کہ تابعین میں سے مسائل طلاق تو سعید بن مسیب خوب جانتے تھے اور حج کو عطاء اور حرام و حلال کو طاؤس۔ اور تفسیر کو مجاہد اور ان سب میں سے جامع تر ابن جبیرؒ تھے۔

محمد بن حبیب کہتے ہیں کہ ابن جبیر اصبہان میں آئے لوگ حدیث پوچھتے تھے۔ مگر یہ کچھ نہ سناتے تھے۔ پھر کوفہ میں آئے اور یہاں کوفہ میں حدیث بیان کی لوگوں نے پوچھا کہ اصبہان میں حدیث نہ سنانے کی کیا وجہ تھی۔ فرمایا جوہر شناس کے سامنے ہی جوہر دکھلانا چاہیئے۔

کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمن بن محمد نے عبدالملک بن مروان پر خروج کیا ہے تو ابن جبیر اسکے ساتھیوں میں تھے۔ جب عبدالرحمن قتل ہو گیا تو یہ بھاگ کر مکہ میں آگئے۔ یہاں خالد بن عبداللہ القسری والی مکہ تھا اُس نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیجدیا۔ حجاج نے

کہا تیرا کیا نام ہے۔ کہا سعید بن جبیر۔ کہا نہیں۔ شقی بن کسیر۔ فرمایا میری ماں میرے نام کو تیری نسبت بہتر جانتی تھی (مطلب یہ کہ ماں نے سعید ہی نام رکھا ہے)۔ حجاج بولا۔ تیری ماں اور تو دونوں شقی ہو۔ فرمایا۔ غیب کی عالم اور ہی ذات ہے۔ تو نہیں

حجاج۔ دیکھ دنیا سے نکال کر میں تجھے اب بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالتا ہوں۔

سعید۔ اگر میں یقیناً سمجھ لوں کہ تجھے اتنی قدرت ہے تو میں تجھے اپنا معبود ہی بنا لوں۔

حجاج۔ تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارہ میں کیا کہتا ہے۔

سعید۔ آپ نبی الرحمۃ اور امام الھدیٰ ہیں۔

حجاج۔ تو علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارہ میں کیا کہتا ہے وہ بہشت میں ہے یا دوزخ میں

سعید۔ مجھے بہشت یا دوزخ میں جانیکا اتفاق نہیں ہوا۔ کہ وہاں والوں کو پہچان لیتا۔

حجاج۔ تو خلفائے کے بارہ میں کیا کہتا ہے۔

ابن جبیر۔ میں اُن کا وکیل نہیں ہوں۔

حجاج۔ تجھے خلفاء میں سے کون زیادہ پسند ہے۔

ابن جبیر۔ جو مالک کی رضا کا زیادہ خواستگار تھا۔

حجاج۔ ایسا کون تھا؟

سعید۔ یہ تو وہ بتا سکتا ہے جس کو اُن کے باطن و ظاہر کا علم ہو۔

حجاج۔ تو میری تصدیق کو پسند کرتا ہے۔

سعید۔ اگر میں پسند کرتا تو تجھے نہ جھٹلاتا

حجاج۔ کمبخت! تو ہنستا کیوں نہیں؟

سعید۔ جو مٹی سے بنا ہے وہ کیونکر ہنس سکتا ہے۔ کیونکہ مٹی کو آگ نے کھا لینا ہے۔

پھر حجاج نے حکم دیا کہ یاقوت و زبرجد اور موتی اُس کے سامنے لا کر رکھیں۔

فرمایا۔ اگر ان کو اس لئے جمع کیا ہے کہ عذاب قیامت سے تجھے نجات دلائیں تب تو خوب ہے ورنہ یاد رکھ کہ قیامت کے دن ایک ہی چیخ ہو گی کہ دودھ پلانے والیاں اپنے شیر دادہ بچوں کو بھول جائینگی اور دنیا میں کسی چیز کے جمع کرنے میں بھی خیر نہیں بجز اس کے جو طیب و پاکیزہ ہو (یعنی عمل)۔

پھر حجاج نے بنسری اور ستار بجانیکا حکم دیا۔ ابن جبیر ان کی آواز سنکر رونے لگے

حجاج۔ روتا کیوں ہے۔ یہ تو فرحت کا سامان ہے۔
سعید۔ نہیں اندوہ کا ذریعہ ہے۔ بتسری کی آواز سنکر مجھے نفخ صور یاد آگیا۔ اور ستار وہ ہے جسکی لکڑی غیر حق میں صرف ہوتی ہے۔ رہی اسکی تاریں وہ قیامت کو تیرے ساتھ ہونگی
حجاج۔ سعید! تجھے ہلاکت نصیب ہو۔
سعید۔ جو دوزخ سے بچ گیا اس کو ہلاکت نہ آئیگی۔
حجاج۔ اچھا تو پسند کرلے کہ تجھے کس طریق سے قتل کروں۔
سعید۔ بخدا۔ جس طریق سے تو مجھے یہاں قتل کریگا اسیطرح پر آخرت میں خدا تجھکو قتل کریگا
حجاج۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے معاف کر دیا جائے
سعید۔ اگر عفو ہے تو اللہ کیطرف سے ہے مگر تیرے لئے برأت و عذر کچھ باقی نہیں
حجاج بولا۔ لیجاؤ! قتل کر ڈالو۔
جب یہ سامنے سے باہر نکلے تو ہنس پڑے۔ لوگوں نے حجاج کو اطلاع دی۔ کہا پھر لوٹا کر لاؤ۔ پوچھا ہنسا کیوں؟
سعید۔ مینے تعجب کیا کہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسا دلیر ہے اور تعجب کیا کہ اللہ تعالیٰ تیرے حق میں کیسا حلیم ہے۔
کہا اچھا چمڑے پر ڈالکر قتل کر دو۔
سعید نے قبلہ رخ ہو کر کہا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔
حجاج۔ اس کا رخ قبلہ کیطرف سے پھیر دو۔
سعید۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔
حجاج۔ اچھا اسکی پیشانی زمین پر رکھدو۔
سعید مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ (الی الآیۃ)
حجاج نے کہا اچھا اسے ذبح کردو۔ یعنی حلق کیطرف سے چھری پھیر دو۔
فرمایا میں تجھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کا گواہ بناتا ہوں۔ اس شہادت کو اپنے پاس رکھنا۔ قیامت کو تجھے ادا کرنی ہوگی اس کے بعد انہوں نے دعا کی کہ خداوندا میرے بعد تو حجاج کو یہ تسلط نہ دیجیو کہ کسیکو

قتل کرسکے۔

یہ بماہ شعبان ۹۵ھ کو ۴۹ برس کی عمر میں شہید کئے گئے۔ اور حجاج بماہ رمضان اسی سال مرگیا اور اُن کے بعد کسی کو قتل نہ کرسکا۔

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جب حجاج نے ابن جبیرؓ کو قتل کیا ہے اُسوقت روئے زمین پر کوئی ایسا نہ تھا جو اُن کے علم کا محتاج نہ تھا

جب حسن بصریؒ نے سنا کہ حجاج نے سعید بن جبیرؓ کو قتل کر دیا ہے تو دعا کی کہ بارالہا اس فاسق ثقیف کو سنبھال۔ پھر کہا بھلا! اگر مشرق و مغرب کے کل باشندے بھی ابن جبیرؓ کے قتل میں شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ سب کو ہی دوزخ میں گراتا۔

کہتے ہیں کہ ابن جبیرؓ کے جسم سے مرنے کے بعد خون بہت نکلا حجاج نے اطباء کو بلاکر اسکی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ اوروں کی روح تو قتل کا نام سنکر ہی خشک ہوجاتی تھی لیکن ابن جبیرؓ پر اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ اس لئے خون پورا نکلا جتنا نکلنا چاہیئے۔

کہتے ہیں کہ اُن کے قتل کے بعد ہی حجاج بیمار ہوگیا۔ بیماری میں غش آتا جب افاقہ ہوتا تو پکارتا کہ ابن جبیرؓ میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ جب آنکھ لگتی ہے تب ہی آموجود ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اے دشمن خدا تو نے کس جُرم میں مجھے قتل کیا؟ یہ دیکھتے ہی حجاج ڈر کر چیخ اُٹھتا۔

کہتے ہیں حجاج کو اُسکی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہوا۔ کہا جتنے لوگ میں نے قتل کئے تھے سب کے عوض میں ایک ایک دفعہ مجھے قتل کیا گیا۔ مگر ابن جبیرؓ کے عوض میں میں ستر دفعہ قتل کیا گیا ہوں۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؒ

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ امام موسیٰ "عبد صالح" کہکر پکارے جاتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور اول شب سجدہ میں جا کر عَظُمَ الذَّنبُ عِندِی فَلیَحسُنِ العَفوُ مِن عِندِکَ یَا اَھلَ التَّقوٰی وَیَا اَھلَ المَغفِرَۃِ بار بار اسی کو کہتے تھے حتی کہ صبح ہو گئی۔

سخی وجواد بہت ہی تھے۔ جب سن لیتے کہ فلاں شخص تنگدست ہے تو ایک تھیلی اس کے پاس بھیجدیتے۔ عموماً یہ عادت تھی کہ دو سو تین سو۔ چار سو اشرفیوں کی تھیلیاں بنا لیتے اور مدینہ منوّرہ کے غرباء کو تھیلیاں ہی تقسیم فرمایا کرتے۔ مدینہ منورہ میں قیام تھا۔ مہدی خلیفہ بغداد نے بلا کر حبس میں بھیجدیا۔ ایک رات کو امیر المومنین علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا مہدی کو فرماتے ہیں فَھَل عَسَیتُم اِن تَوَلَّیتُم اَن تُفسِدُوا فِی الاَرضِ وَتُقَطِّعُوا اَرحَامَکُم (ترجمہ) کیا تم اگر والی بن جاؤ تو قریب ہو اس امر کے کہ زمین میں فساد کرنے لگو۔ اور رشتوں کو قطع کر دو

ربیع (وزیر مہدی) کہتا ہے کہ رات کو ہی میرے پاس آدمی پہنچا کہ خلیفہ بلاتے ہیں۔ میں ڈر گیا وہاں پہنچا تو دیکھا مہدی یہی آیت پڑھ رہا تھا۔ چونکہ آواز کا اچھا تھا۔ اس لئے عجیب اثر معلوم ہوتا تھا۔ مجھے دیکھکر کہا کہ موسیٰ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) کو بلاؤ۔ میں ان کو مجلس میں لے آیا۔ مہدی نے معانقہ کیا اور ان کو اپنے برابر بٹھلایا اور بیان کیا کہ مینے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا ہے۔ کیا آپ مجھکو اطمینان دلا سکتے ہیں کہ آپ یا آپکی کوئی اولاد مجھپر خروج نکریگی۔ فرمایا۔ بخدا مینے پہلے کبھی اسکا ارادہ نہیں کیا اور نہ میری یہ شان کہ میں خروج کروں کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر وزیر سے کہا کہ ۳ ہزار اشرفی آپ کو دو۔ اور مدینہ میں جہاں آپکے اہل وعیال ہیں بھیجدو۔

ربیع کہتا ہے کہ میں نے صبح کو ان کے سفر کی تیاری کرنی چاہی معلوم ہوا وہ روانہ ہو چکے تھے۔ مدینہ منورہ میں ہارون رشید کے زمانہ تک باامن وامان رہے جب ہارون رشید سنہ ۱۷۹ھ میں عمرہ رمضان کر کے واپس بغداد کو آنے لگا تو آپ کو ساتھ لے آیا۔ اور یہاں آکر حبس میں بھیجدیا۔ اور حبس ہی میں آپنے انتقال فرمایا۔

خطیب کا ہی بیان ہے کہ ہارون رشید حج کے بعد روضۂ نبوی کی زیارت کو گیا

روضۂ مبارک پر اعیان قریش و سرداران قبیلہ اور حضرت موسیٰ کاظمؑ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہارون رشید نے حاضرین پر اپنا فخر جتلانے کے لئے کہا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا ابْنَ عَمِّ اے رسولخدا! اے چچا کے بیٹے! آپ پر سلام ہو جیو!!!

حضرت موسیٰ کاظمؑ بولے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَتِ! یا وا جان! آپ پر سلام ہو جیو!! ہارون رشید کے چہرہ کا رنگ اُڑ گیا۔ اور کہا بیشک! یہ فخر پورا پورا ہے۔

مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے کہ عبداللہ خزاعی ہارون رشید کا کوتوال تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ ہارون رشید کا آدمی رات کو ایسے وقت میرے پاس آیا کہ کبھی نہ آیا تھا۔ اور پھر مجھے کپڑے پہننے تک کی اُس نے مہلت نہ دی۔ اور ساتھ ہی لے لیا۔ مجھے نہایت خوف پیدا ہوا۔ جب میں محل کے قریب پہنچا تو ایک خادم نے دوڑ کر میرے آنیکی اطلاع کی جب اجازت ہو گئی تو میں اندر گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ ہارون بیٹھا ہوا ہے۔ مَیں نے سلام کیا۔ ایک گھڑی تک کچھ جواب نہ دیا۔ تب تو میرے ہوش جاتے رہے۔ اور بہت گھبراہٹ پیدا ہوئی کچھ عرصہ بعد خلیفہ بولا۔ عبداللہ! تو جانتا ہے کہ مَیں نے تجھے کیوں طلب کیا ہے۔ مَیں نے عرض کی نہیں یا امیر المومنین۔ کہا مَیں نے ابھی ایک حبشی کو خواب میں دیکھا جس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہے وہ کہہ رہا ہے یا تو اسی وقت موسیٰ کاظمؑ کو چھوڑ دے۔ ورنہ تجھے ابھی اس تلوار کے ساتھ قتل کرتا ہوں۔ بس تو جا اور موسیٰ کو قید سے چھوڑ دے۔ مَیں نے کہا کیا آپ یہ حکم دیتے ہیں۔ کہ موسیٰ ابن جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو چھوڑ دوں۔ کہا ہاں۔ مَیں نے تین دفعہ اسیطرح کہلا لیا۔ تیسری دفعہ ہارون رشید نے کہا۔ ہاں! اسیوقت جاکر چھوڑ دے اور ۳۰ ہزار درہم بھی اُن کو دیدے اور میری طرف سے یہ بھی کہدے کہ اگر آپ یہاں ٹھہرنا پسند کریں تو یہاں ٹھہریں آپ کے جملہ مصارف اور ضروریات کا مَیں ذمہ وار ہونگا۔ اور اگر آپ مدینہ جانا چاہیں تو وہاں تشریف لیجاویں۔

عبداللہ کوتوال کہتا ہے کہ جب میں محبس میں پہنچا تو امام موسےٰ مجھے دیکھکر کھڑے ہو گئے۔ شائد انہوں نے سمجھا کہ میں ان کی نسبت کوئی مکروہ حکم لے کر گیا ہوں۔

مَیں نے عرض کی کہ آپ خوف نہ کریں میں تو آپ کو چھوڑنے کیلئے آیا ہوں۔ پھر مَیں نے عرض کی کہ آپ کے معاملہ میں مَیں نہایت حیران ہوں۔

فرمایا میں یہاں سویا پڑا تھا کہ رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ فرمایا موسیٰ تو

مظلوم ہوکر زنداں میں پڑا ہے تو یہ کلمات پڑھ! پھر اسی رات یہاں سے رہائی پائیگا۔ کوتوال نے عرض کی کہ میرے پدر و مادر آپ پر قربان ہوں۔ وہ کلمات تو بتلا دیجئے۔

فرمایا۔ یَا سَامِعَ کُلِّ صَوْتٍ وَّ یَا سَابِقَ الْفَوْتِ وَ یَا کَاسِیَ الْعِظَامِ لَحْمًا وَّ مُنْشِرَهَا بَعْدَ الْمَوْتِ اَسْئَلُکَ بِاَسْمَائِکَ الْحُسْنٰی وَ بِاسْمِکَ الْاَعْظَمِ الْاَکْبَرِ الْمَخْزُوْنِ الْمَکْنُوْنِ الَّذِیْ لَمْ یَطَّلِعْ عَلَیْهِ اَحَدٌ مِّنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ یَا حَلِیْمًا ذَا اَنَاةٍ لَا یَقْوٰی عَلٰی اٰیَاتِهٖ یَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الَّذِیْ لَا یَنْقَطِعُ اَبَدًا وَّ لَا یُحْصٰی عَدَدُهٗ فَرِّجْ عَنِّیْ میں نے یہی پڑھا۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہے جو تو نے دیکھا۔ آپکی ولادت مدینہ میں یوم سہ شنبہ قبل طلوع ۱۲۹ھ (یا بقول خطیب ۱۲۸ھ) کو ہوئی۔ اور انتقال بغداد میں ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کو ہوا بعض کا بیان ہے کہ آنجناب کو زہر دیا گیا۔ آپکی کنیت ابوالحسن۔ لقب کاظمؑ ہے اور ائمہ اثنائے عشر میں آپ ساتویں امام ہیں۔

تاریخ ولادت و وفات امام موسیٰ کاظمؑ

جلالِ دین بود موسیٰ کاظم ۱۸۳ھ — نسیم پاک باشد سال رحلت ۱۲۸ھ

یعقوب بن داؤد سلمی

یعقوب کا باپ نصر بن سیّار کا (جو بنی امیہ کیطرف سے عامل خراسان تھا) دبیر تھا۔ اور خود یعقوب امام حسن مجتبیٰؑ کے پڑپوتے ابراہیم بن عبداللہ کا کاتب تھا۔ اہل ادب و فضل میں ممتاز اور صنوف علم کی مہارت سے بہرہ ور تھا۔ گداگروں میں اسکی سخاوت اور ہمنشینوں میں اسکی فضیلت مسلمہ تھی۔

جب سیّد ابراہیم بن عبداللہ کو خلیفہ منصور کیساتھ نبرد آزمائی میں شکست ملی اور وہ ۱۴۵ھ میں گرفتار ہوگئے۔ تو یعقوب بھی پکڑا گیا۔ جبتک منصور بقید حیات سے آزاد نہ ہوا۔ یہ بندِ زنداں میں رہا ہے۔ منصور کے بعد مہدی خلیفہ ہوا۔ اُس نے یعقوب کو نہ صرف قید سے ہی رہائی دی۔ بلکہ مصاحبین میں شامل کرلیا۔ روز بروز تقرب بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ معتمد علیہ بن گیا ستارہ اقبال اوج پر تھا۔ خلیفہ نے ایک فرمان جاری کیا کہ یعقوب بن داؤد ہمارا دینی بھائی

ہے۔ مسلم بن عمر المعروف خاسر نے اسی مضمون کا قطعہ لکھا ؎

قُل لِلامامِ الَّذِی جاءَت خلافتہ ٭ تَھدِی الیہِ بحقٍّ غیرِ مَردُودِ
نِعمَ القَرِینُ علی التقوی اُعِنتَ بِہِ ٭ اخوک فی اللّٰہِ یعقوبُ ابنُ داؤدِ

ترجمہ۔ اس امام کی خدمت میں جسے خلافت بوجہ اس کے نہ زائل ہونیوالے استحقاق کے حاصل ہوئی ہے یہ عرض کرو کہ آپکا دینی بھائی یعقوب بن داؤد جسے معاون بنایا گیا ہے۔ وہ عمدہ جلیس ومتقی ہمنشین ہے۔

اس فرمان کے بعد ۱۶۱ھ میں ایک اور فرمان جاری ہوا۔ کہ اضلاع میں جہاں خلیفہ کے عامل ہیں وہاں یعقوب کیطرف سے بھی ایک ایک امین مقرر کیا جائے۔ اسوقت یہ حال تھا کہ کوئی سرکاری یا غیر سرکاری کاغذ ایسا نہ ہوتا تھا۔ کہ خلیفہ کے حضور میں پیش ہوتا ہو۔ اور اُسکی نقل اُسی دن کی ڈاک میں یعقوب کے پاس نہ آجاتی ہو۔

ابھی تک خلیفہ کا وزیر ابو عبد اللہ معاویہ تھا۔ ربیع بن یونس مصاحب خاص کی اُس سے چلی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ وزیر کی برائیاں کرتا اور خلیفہ سے عرض کیا کرتا تھا کہ جب یعقوب جیسا معتمد و فاضل دربار میں موجود ہے تو ابو عبد اللہ کو وزیر اعظم بنائے رکھنے سے کیا مقصود ہے۔ روز کا کہنا سننا اثر کر گیا۔ اور خلیفہ نے ابو عبد اللہ کو دار الانشاء پر بدلکر یعقوب کو خلعت وزارت پہنا دیا۔ خلیفہ منصور نے اپنی وفات کے بعد خزانہ میں ۹ کروڑ ساٹھ لاکھ درم چھوڑے تھے جبتک ابو عبد اللہ وزیر رہا نوجوان مہدی کو فضول خرچیوں سے روکتا رہا۔ لیکن یعقوب نے وزیر ہوتے ہی خلیفہ کو رنگ افیون میں ڈال دیا۔ اور بھرپور خزانہ ناعاقبت اندیشوں کے ہاتھ سپرد کر دیا۔ مہدی رات دن لذات شرب وسماع میں مستغرق رہتا تھا اور سلطنت کے سیاہ وسفید کا مالک یعقوب ہی تھا۔

اس زمانہ کے شاعر محض بھاٹ ہی نہ ہوتے تھے۔ اور شعر کی بنیاد صرف پیچ در پیچ نازک خیالی پر ہی بلند نہ کیجاتی تھی۔ بلکہ شاعر ملک کی زبان سمجھا جایا کرتا۔ اور اس کا فرض ہوتا تھا کہ واقعات ملکی کو فصاحت وبلاغت کا لباس پہنا کر دربار میں سنائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بیسیوں شاعروں نے اپنی جان سے تو ہاتھ اُٹھا لیا۔ لیکن اس فرض کی ادائیگی سے ضرور سبکدوشی حاصل کی چنانچہ بشار بن برد نے یہ قطعہ لکھا۔ جو یعقوب کے بیحد اختیارات اور اس کے باپ کے وقت سے بنی امیہ کے ساتھ اسکے میل ملاپ اور خلیفہ کی بیہ مستی و بیحد غفلت کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔

بنی امیۃ ھبوا المال نومکموا ان الخلیفۃ یعقوب بن داؤد
ضاعت خلافتکم یا قوم فالتمسوا خلیفۃ اللہ بین الزق والعود

خلیفہ کے بیجا اسراف سے خزانہ بھی خالی ہوگیا۔ ابوحارثہ ہندی خزانچی تھا۔ اس نے ایک روز آکر مہدی کے سامنے کنجیاں پھینکدیں۔ کہا حضور جب خزانہ ہی نہ رہا تو کیا ضرور ہے کہ کنجیوں کا بوجھ بھی اٹھائے پھروں۔ اب خلیفہ کی آنکھیں کھلیں اور نشہ غفلت سے بیدار ہوا۔ بولا ابوحارثہ تم کنجیاں رہنے دو۔ خزانہ بہت آئیگا۔

اس واقعہ سے خلیفہ کے دلمیں یعقوب کے حسن انتظام پر شک ہونے لگا۔ یعقوب کا نجم سعادت نصف دائرہ صعود کو طے کر چکا تھا اب اسکی رفتار نصف دائرہ ہبوط کی جانب شروع ہوئی۔ اور ایسے واقعات ظہور میں آنے لگے کہ خلیفہ کے دلمیں یعقوب کی محبت واخوت جو کچھ تھی انکی جگہ نفرت وعداوت جڑ پکڑنے لگی۔

۱۔ خلیفہ ایک سفر میں تھا سبیل کے ایک پتھر پر ایک شعر لکھا ہوا نظر پڑا۔ پڑھا گیا تو یہ تھا

لِلّٰہِ دَرُّكَ یَا مَھْدِیُ مِنْ رَجُلٍ لَوْلَا اتِّخَاذُكَ یَعْقُوبَ بْنَ دَاؤدٍ

مطلب یہ کہ مہدی سب طرح سے تعریف کا مستحق ہے۔ نقص صرف اسقدر ہے کہ یعقوب کو اتنا بڑھا رکھا ہے۔ خلیفہ نے کہا اسکے نیچے لکھدو "تیری اور تیرے باپ کی ایسی تیسی" جب اس سفر سے واپس ہوا تو پھر اسی پتھر کے پاس آکر مہدی ٹھہر گیا اور دیر تک کچھ غور کرتا رہا۔ رمز شناس تاڑ گئے کہ شعر کا زہر اثر کر گیا۔

۲۔ پرانے اہلکار جن کو یعقوب کا بیجا اقتدار خار گذرتا تھا۔ موقع پاکر کہنے سننے لگے کہ حضور یعقوب تو سید ابراہیم کا معتقد ومعتمد خاص تھا۔ جو ہمیشہ حضور کے والد کیساتھ لڑتا اور سلطنت کے خلاف جنگ کرتا رہا۔ پس اعتماد کلی اسپر بھی کیا ہوسکتا ہے۔

۳۔ ایک دفعہ یعقوب خلیفہ کی جانب اشارہ کرکے کہہ رہا تھا کہ اس شخص نے جو لاکھوں روپیہ عمارت پر لگا دیئے ہیں اس کا خزانہ پر جو تمام رعیت کی مشترکہ اغراض کیلئے ہے اس قدر کیا حق تھا۔ مہدی نے اپنے کانوں سے یہ فقرہ سن لیا۔

ان سب باتوں سے مہدی کا دل سرد ہوتا گیا۔ اب اس نے یہ ارادہ کیا کہ یعقوب کا امتحان اخلاص بھی لے اور دیکھے کہ علویہ کی محبت اس کے دلمیں ہے یا نہیں۔

(اس زمانہ میں علویہ سے محبت رکھنا بغاوتِ سلطنت کی علامت سمجھا جایا کرتا تھا۔ کیونکہ

سلطنت بنی امیہ کی بیخ و بنیاد برکندہ کرنے میں عباسیہ اور علویہ دونو متفق و شریک تھے اور جب اُن کو اکھاڑ چکے تو عباسیہ نے تخت کے مالک ہوکر علویہ کو پامال کرنا شروع کیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر ہماری حکومت کو انقلاب ہو سکتا ہے۔ اور اگر ہمارے دعویٰ قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی شخص جواب دے سکتا ہے تو وہ علویہ ہی ہیں۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس وہمی خیال سے انہوں نے ہمیشہ اہل قرابت سے عداوت کی وہ سلطنت کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے لیکن تاتاری ترکوں نے آکر اس بڑی سلطنت کا خاتمہ کر دیا

۴۔ الغرض مہدی خلیفہ نے ایک روز یعقوب کو باغ میں طلب کیا۔ جس چمن میں خلیفہ بیٹھا ہوا تھا اس میں انواع و اقسام کا گلاب کھلا ہوا تھا۔ مجلس کا فرش بھی گلابی تھا۔ اور خلیفہ کا لباس بھی گلابی۔ پس پُشت ایک لونڈی استادہ تھی۔ جسکے گلابی رخسار دیکھکر پھولوں کو پسینہ آرہا تھا۔ وہ گلبدن بھی گلابی لباس پہنے ہوئے تھی۔

خلیفہ نے کہا۔ کہو یعقوب! ہماری مجلس کیسی معلوم ہوتی ہے۔ بولا۔ نہایت ہی بارونق۔ خداوند کریم حضور کو ایسی ہی عیش و راحت میں رکھے۔ کہا یہ سب سامان تجھکو عطا کیا۔ اور یہ کنیزک بھی بلکہ اسکے ساتھ ایک لاکھ روپیہ بھی۔

پھر کہا یعقوب! میرا تجھسے ایک کام ہے۔ مزاج شناس یعقوب کا ماتھا ٹھنکا۔ دل دھڑکا۔ کہا حضور کیا فرماتے ہیں۔ اس ناچیز سے حضور کا کیا کام ہو سکتا ہے۔ خدائے پاک مجھے حضور کے غضب سے بچائے۔

خلیفہ نے کہا کام تو ضروری ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو اس کے پورا کرنیکا کامل اقرار کرے عرض کی بسر و چشم کہا نہیں قسم کھاؤ۔ یعقوب نے تین دفعہ قسم کھائی۔ خلیفہ نے کہا میرے سر کو ہاتھ لگا کر قسم کھاؤ۔ یعقوب نے ایسا ہی کیا (الغرض اسکی پختگی کے بعد) مہدی نے کہا فلاں شخص علوی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اسکی طرف سے مطمئن کر دے۔

یعقوب انعام کا روپیہ مجلس کا سارا ساز و سامان اور گلرخسار کنیزک کو لیکر واپس آیا۔ لونڈی کو نشست کے برابر والے کمرہ میں بٹھلا دیا۔ اور علوی کو طلب کیا۔ دیکھا تو وہ نہایت دانا و فہیم تھا اس نے کہا یعقوب کیا تو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالٰے کے سامنے میرا قاتل ہوکر پیش ہو؟ حالانکہ میں فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہوں۔ یعقوب نے کہا کہ تو مجھے کیا بھلائی پہنچا سکتا ہے؟ بولا اگر جان بخشی کروگے تو دعا دونگا۔ اور شکر گذار ہونگا۔ یعقوب نے کہا اچھا

یہ مال بھی لے جاؤ۔ اور جدھر چاہو۔ چلے جاؤ۔ وہ بولا فلاں راستہ میرے لئے پُر امن معلوم ہوتا ہے۔ اُدھر ہی جاؤنگا۔ لونڈی یہ سب باتیں سُن رہی تھی اُس نے فوراً خفیہ بادشاہ کے پاس کہلا بھیجا کہ جس وزیر پر حضور اتنے مہربان ہیں کہ مجھے بھی اسی کو بخش دیا ہے اُسکا چلن یہ ہے (دیکھا تعجب ہے کہ خلیفہ نے رازداں کنیزک کو اسی غرض سے بھیجا ہو کہ اندرونی حالات کی اطلاع بھی ملتی رہے)

مہدی نے فوراً گرفتاری کا حکم دیا۔ اور بیچارہ علوی گرفتار ہو کر آگیا۔ پھر یعقوب کو بلایا۔ پوچھا علوی کا کیا حال ہے۔ کہا حضور کو اس سے کچھ کھٹکا نہیں رہا۔ پوچھا کیا مر گیا۔ بولا۔ ہاں۔ کہا قسم کھاؤ۔ یعقوب نے تین دفعہ قسم کھائی۔ کہا میرے سر کو ہاتھ لگا کر قسم کھاؤ۔ یعقوب نے ایسا ہی کیا۔ مہدی نے حکم دیا۔ کہ اس کمرہ میں جو شخص ہے اُسے پیش کرو۔ وہی علوی اور وہی مال پیش کئے گئے۔ یعقوب سپید ہو گیا۔ اُسکی زبان بند تھی اور آنکھیں کھلی بولنے کی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔ مہدی نے کہا تیرے واجب القتل ہونے میں تو کچھ شک نہیں رہا۔ لیکن میں تو قید ہی کرونگا لے جاؤ اور چاہ تاریک میں قید کرو۔

چاہ تاریک قبر سے بدتر ہوتا تھا۔ قیدی کو اس میں اُتار کر اُوپر سے سرپوش لگا دیتے تھے کسی جاندار کی صورت کا نظر آنا تو کیسا کسی کی آواز بھی کانوں تک نہ جا سکتی تھی۔ بلکہ ہوا اور روشنی کو بھی وہاں جانے کیلئے کوئی راہ نہ ہوتا تھا۔ پہرہ والے سپاہی قیدی کو اوقات نماز کی اطلاع دیدیا کرتے اور روٹی پانی ایک ڈول میں رکھ کر قیدی تک پہونچا دیا کرتے۔

یہ اللہ کا بندہ پندرہ سال تک اس میں قید رہا۔ اور ہارون رشید کے حکم سے اپنی سخت جانی سے زندہ رہ کر رہائی پائی۔

یعقوب کا اپنا بیان ہے کہ بارہ سال کی قید کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص یہ شعر پڑھ رہا ہے

حنا علی یوسف ربّہٗ فاخرجہ
من قعر جب و بیت حولہ الغمم

خدا یوسف پر مہربان ہوا اور اُسے مصیبت ناک جگہ اور کنوئیں کے قعر سے نکال لیا۔

میں نے صبح اُٹھ کر شکر کیا کہ اب ایام رہائی قریب آئے۔ لیکن ایک سال گذر گیا اور رہائی کی کچھ صورت نظر نہ آئی۔ دوسرے سال پھر خواب دیکھا کہ کوئی شخص یہ شعر پڑھ رہا ہے

عسی فرج یاتی بہ اللہ انہ
لہ کل یوم فی خلیقتہ امر

قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کشائش دے۔ کیونکہ ہر روز اپنی مخلوق میں وہ ایک حکم جاری کرتا ہے

اسیر بھی ایک سال گذر گیا۔ اور آزادی نہ ملی۔ اب پھر خواب دیکھا اور یہ اشعار سنے

عَسیٰ کُرْبُ الَّذِیْ اَمْسَیْتُ فِیْہِ   یَکُوْنُ وَرَآئَہٗ فَرَجٌ قَرِیْبٌ

فَیَاْمَنُ خَائِفٌ وَّیُفَکُّ عَانٍ   وَیَاْتِیْ اَہْلَہُ النَّائِیْ الْغَرِیْبُ

قریب ہے کہ جس مصیبت میں تو شام تک رہا ہے کشائش بھی اسکے ساتھ لگی ہوئی ہے جس سے خائف کو امن اور قیدی کو رہائی مل جائے اور بچھڑا ہوا شخص کنبہ میں پہنچ جائے۔

صبح ہوتے ہی کسی نے مجھے پکارا۔ میں سمجھا کہ پہرہ والا نماز کی خبر کرتا ہے۔ پھر پکارا۔ اور چاہ میں ایک رسی بھی لٹکتی نظر آئی۔ کہا رسی کو اپنی کمر سے خوب مضبوط باندھ لو۔ تمہارے لئے باہر نکالنے کا حکم ہو چکا ہے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب کنوئیں سے باہر نکلا تو پندرہ سال کے بعد نکلتے آفتاب کی شعاع آنکھوں پر پڑی۔ آنکھیں چکا چوند میں آگئیں اور نور بصارت جاتا رہا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر خلیفہ کے دربار میں لیگئے۔

میں نے کہا السلام علیک یا امیرالمومنین المھدی۔ تخت پر سے آواز آئی کہ "میں مہدی نہیں"

میں نے کہا السلام علیک یا امیرالمومنین الھادی۔ تخت پر سے آواز آئی کہ "میں ہادی نہیں"

میں نے کہا السلام علیک یا امیرالمومنین الرشید۔ تب رشید نے مجھ سے گفتگو شروع کی اور خارج از دنیا قیدی کو اسوقت معلوم ہوا کہ پندرہ سال کے اندر تخت کے تین مالک ہو چکے تھے۔

رشید نے کہا اے یعقوب میرے پاس کسی شخص نے تیری شفاعت نہیں کی۔ بلکہ رات میں نے ایک بچہ کو گود میں اُٹھایا اور اُسی وقت سے مجھے یاد آگیا کہ کبھی تو بھی مجھے گود میں اُٹھایا کرتا تھا۔ میں تجھے رہا کرتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ جہاں چاہے وہاں سکونت اختیار کر۔ یعقوب نے مکہ معظمہ کو اختیار کیا اور تا وفات وہاں ہی رہا۔

کہتے ہیں یعقوب نے کنوئیں سے نکل کر جب اپنے گھر سے دوستوں کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اکثر مر چکے تھے۔ اُسوقت یعقوب نے یہ قطعہ پڑھا۔

لِکُلِّ اُنَاسٍ مَقْبَرٌ بِفِنَائِہِمْ   فَہُمْ یَنْقُصُوْنَ وَالْقُبُوْرُ تَزِیْدُ

ہُمْ جِیْرَۃُ الْاَحْیَآءِ اَمَّا مَحَلُّہُمْ   فَدَانٍ وَاَمَّا الْمُلْتَقٰی فَبَعِیْدُ

سب لوگوں کیلئے قبر تیار ہے۔ قبریں بڑھتی جائیں گی۔ اور آدمی گھٹتے جائینگے۔ مردے اگرچہ زندوں کے ہمسایہ ہیں۔ اور اُنکی رہائش گاہ بھی ہم سب سے قریب ہے۔ لیکن اُن سے ملاقات کر سکنا نہایت بعید۔

یعقوب کا ۱۸۳ھ ہجری میں انتقال ہوا حضیر بن قیس بصری نے مرثیہ لکھا جو دیوان حماسہ میں موجود ہے۔

ناظرین یعقوب کے حال سے عبرت پکڑیں۔ اور زندگی کے کج و پر پیچ راہ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ثروت و اقتدار کے شیدا حکومت و اختیار کے والہ کیا پسند کریں گے کہ یعقوب کا سا عبرتناک انجام اُنکے لئے بھی ہو۔

خلافت عباسیہ کے اگرچہ علم و علماء کے سر پر احسانات کثیر ہیں لیکن تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلطنت کی وزارت ہمیشہ خطرناک انجام کے ساتھ ختم ہوتی تھی ابو مسلم خراسانی (جسے مامون رشید سکندر رومی اور اردشیر بابکان کے بعد تیسرا شخص بتایا کرتا تھا۔ جس نے عباسیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس سلطنت کا پہلا وزیر ہوا) خاندان برامکہ ابن الزیات۔ ابن مقلہ کاتب۔ ابن العمید وغیرہ کے حالات ایسے ہی دردناک واقعات سے بھرے ہوئے ہیں

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ آسائش کے بعد مصیبت سے خدا کی پناہ ترقی کے بعد تنزل خدا کی اماں

حضرت ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ

ابو یعقوب جو بویطی کے نام سے مشہور ہیں۔ صاحب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اصحاب شافعیؒ میں انکا وہی درجہ تھا جو دانہائے تسبیح میں امام کا ہوتا ہے۔ اُستاد کی زندگی ہی میں ممتاز تھے۔ اُن کی وفات کے بعد منبر درس و مسند فتویٰ انہیں سے مزین ہوئی۔ امام ترمذیؒ۔ وابراہیم بن اسحٰق حربی۔ قاسم بن مغیرہ جوہری۔ اور احمد بن منصور مادی وغیرہ نے اِن سے روایت کی ہے واثق باللہ کے عہد میں مسئلہ خلق قرآن کیلئے ان کو کہا گیا۔ انہوں نے انکار کیا۔ قید کر کے بغداد میں لائے گئے۔ اور قید ہی میں بند حیات سے آزاد ہوئے۔ نہایت عابد۔ متمسک۔ صالح اور زاہد تھے۔

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں۔ میں نے بویطی کو دیکھا۔ گردن میں طوق تھا۔ پاؤں میں بیڑی تھی بیڑی اور طوق کے درمیان بیس سیر پختہ کی ایک زنجیر آہنی پڑی ہوئی تھی۔ جو گردن کو جھکائے

رکھتی۔ خچر پر لئے ہوئے سپاہی لے جارہے تھے۔ اور وہ باآواز بلند کہتے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کُن کے ساتھ پیدا کیا۔ پس اگر کُن بھی جو کلام الٰہی ہے مخلوق ہے تو گویا کل مخلوقات ایک مخلوق کی مخلوق ہے۔ بخدا میں طوق و زنجیر ہی میں مرجاؤنگا۔ تاکہ لوگوں کو خبر ہوجائے کہ ایسے مسئلہ کیلئے طوق و زنجیر میں مرنا پسند کیا گیا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ اگر میں واثق باللہ کے سامنے پہنچا تو وہ میری بات کو ضرور مان لیگا۔

کہتے ہیں کہ اس ابتلاء و محنت میں اصحاب شافعیؒ میں سے صرف یہی گرفتار ہوئے تھے اور امام شافعیؒ نے ان کو پہلے خبر بھی دیدی تھی۔

ربیع کہتے ہیں کہ میں اور مزنی اور بویطی امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر تھے ہماری طرف دیکھکر فرمایا ربیع تو طلب حدیث میں فوت ہوگا۔ بویطیؒ زنجیر و قید میں وفات پائیگا۔ اور مزنی کے ساتھ اگر شیطان بھی مناظرہ کرنے آئے تو یہ اسے قطع کردے۔

ابو اسحٰق شیرازی طبقات الفقہاء میں لکھتے ہیں کہ بویطیؒ جب بندیخانہ میں اذان جمعہ سنتے تو غسل کرتے۔ کپڑے بدلتے۔ اور زنداں کے دروازہ تک جاتے۔ داروغہ پوچھتا۔ کہاں؟ کہتے داعی ربانی پکار رہا ہے۔ میں اُدھر حاضر ہوتا ہوں وہ کہتا۔ نہیں ہٹ کر بیٹھو۔ بویطیؒ یہ کہتے ہوئے لوٹ جاتے الٰہی تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے حکم کو مانا اور انہوں نے مجھے جانے سے روکا۔

ابو الولید کہتے ہیں میں بویطیؒ کا پہلو نشین تھا۔ رات کو جب میری آنکھ کھلی۔ اُن کو نماز پڑھتے ہی دیکھا۔ یا تلاوت قرآن مجید میں مصروف پایا۔

ربیع کہتے ہیں کہ بویطیؒ کا امام شافعیؒ کی مجلس میں ایک خاص درجہ تھا۔ جب کوئی سائل آتا تو فرما دیتے کہ بویطیؒ سے سوال کرو۔ اگر وہ کہتا کہ انہوں نے یوں بتلایا ہے تو فرما دیتے کہ صحیح ہے۔ بسا اوقات حاکم شہر فتویٰ دریافت کرتا تو آپ بویطی کیطرف اشارہ کرکے فرما دیتے کہ یہ میری زبان ہے

ربیع کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں سے دلائل پیش کرنے والا میں نے بویطی کا سا کوئی نہیں دیکھا۔ اُن کے ہونٹھ ذکر الٰہی سے ہمیشہ جنباں تھے۔

ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم کہتے ہیں۔ والد بزرگوار نے مجھے خواب میں فرمایا۔ بیٹا کتاب بویطی کو لازم پکڑلو۔ کیونکہ جملہ کتب میں سے اُسی میں خطا کم ہے۔ (اسوقت تک صحیحین کی تدوین نہ ہوئی تھی)

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ ایک روز میں جیلخانہ میں بویطیؒ کو دیکھنے گیا۔ اُن کی نصف ساق تک

لوہا ہی لوہا تھا۔ اور دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔

ایک دفعہ انہوں نے جیلخانہ سے میرے پاس لکھکر بھیجا کہ مجھ پر بعض وقت ایسے گزر جاتے ہیں جب طوق و زنجیر کا وزن ذرا بھی مجھکو معلوم نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ لوہے کو ہاتھ سے چھو کر دیکھا کرتا ہوں۔ ربیع جب تمکو یہ خط ملے اہل حلقہ کیساتھ خوش اخلاقی کی عادت پیدا کرو۔ اور غربا و مساکین کے ساتھ خصوصیت سے بھلائی کرو۔ کیونکہ میں نے امام شافعیؒ کو بارہا یہ شعر پڑھتے سنا ہے۔

اھین لھم نفسی لاکرمھم لھا ولن تکرم النفس التی لا تھینھا

اس امام کا انتقال ۲۳۱ھ کو قید و زندان بغداد میں ہوا۔ بویط مصر میں ایک گانوں کا نام ہے بویطی اُسکی جانب منسوب ہیں۔

اس بزرگوار نے استقلال اور صبر بر مصائب سے یہ ثابت کردیا کہ تعلیم محمدیہ نے کیسے علماء کو پیدا کیا تھا۔ اور دین محمدیہ کی اشاعت کو اہل علم نے کیسی محنتوں اور مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے دنیا میں پھیلایا ہے۔ خداوند کریم اسوقت کے علماء کو بھی اس صفت کا ادنےٰ حصہ نصیب کرے۔

حضرت یحییٰ بن یحییٰ اُندلسی رحمہ اللہ

بربر کے قبیلہ معمورہ میں سے ہیں قرطبہ میں سکونت اختیار کی علماء سے تحصیل علوم کرکے ۲۸ سال کی عمر میں مغرب کا سفر کیا۔ مصر میں لیث بن سعد اور عبدالرحمٰن بن وہب و عبدالرحمٰن بن قاسم سے مکہ میں سفیان بن عیینہ سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے مدینہ میں امام مالکؒ بن انس کیخدمت میں حاضر ہوئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو عاقل اہل اندلس کا خطاب دیا تھا۔

انکے متعلق ایک حکایت بیان کیجاتی ہے کہ امام مالکؒ کی خدمت میں لوگ بیٹھے ہوئے تھے کسی نے باہر سے آکر کہا ہاتھی آیا۔ ہاتھی آیا۔ چونکہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا۔ اس لئے سب آدمی ہاتھی دیکھنے کیواسطے باہر چلے گئے۔ یحییٰ بیٹھے رہے۔ امام مالکؒ نے پوچھا کہ ہاتھی تو اندلس میں بھی نہیں ہوتا۔ پھر کیوں تم باہر نہ گئے۔ کہاں جناب میں مغرب سے چل کر یہانتک اس لئے آیا ہوں کہ آپکے چہرہ مبارک کو دیکھا کروں۔ اور جناب کی عمدہ خصائل و عادات کو سیکھوں میں یہاں اس لئے نہیں آیا کہ ایسی علم خیز مجلس کو چھوڑ کر گلی کوچوں میں ہاتھی دیکھا کروں

امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو پسند کیا اور انہیں "عاقل اہل الاندلس" کا خطاب دیا۔
تعلیم پانے کے بعد جب اندلس کو لوٹ کر گئے تو وہاں رئیس العلماء تسلیم کئے گئے۔ امام مالکؒ کا مذہب اس ملک میں ان ہی کی وجہ سے پھیلا۔ اور خود ان سے بیحد وشمار خلقت نے استفادہ علمی اٹھایا۔ اور خلق کثیر نے روایت احادیث کی چنانچہ موطا کی جملہ روایتوں میں سے زیادہ مشہور اور زیادہ پسندیدہ یحییٰ بن یحییٰؒ کی ہی روایت ہے۔
یہ فاضل اپنی فضیلت وامامت کیساتھ امرائے وقت کی نگاہوں میں جلیل القدر تھا۔ حالانکہ انہوں نے اپنے زہد اور ترک دنیا اور اشتغال علوم کیوجہ سے کوئی منصب سلطنت میں منظور نہیں کیا تاہم ان کا اعزاز واکرام شاہی دربار۔ اور امراء کبار کے ہاں بڑے بڑے فاضلوں سے بڑھ کر تھا۔
ابن حزم اندلسی کا قول ہے کہ دو مذھبوں کی اشاعت حکومت کی امداد سے ہوئی ہے۔
(۱) مذہب حنفیہ جبکی اشاعت کیوجہ یہ ہوئی کہ قاضی ابو یوسفؒ ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضاۃ ہو گئے تھے۔ وہ حنفیہ مذہب کے مطابق فتویٰ دینے اور ماتحت قاضیوں کو بھی اسی کے مطابق فتویٰ دینے کیلئے پابند کرتے۔ اور اسی کو قاضی بناتے جو مذہب حنفیہ کے مطابق فتویٰ دینے کا عہد کرتا۔ تمام سلطنت میں تھوڑے عرصہ کے اندر ہی اندر اس مذہب کے فتاوے پھیل گئے۔
(۲) مذہب مالکیہ کیونکہ یحییٰ بن یحییٰ کا سلطان پر اثر تھا۔ اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی شخص قاضی نہ بنایا جاتا تھا۔ یہ ہمیشہ مالکیہ مذہب کے علماء کو پسند کیا کرتے۔ جب علماء نے دیکھا کہ عہدے تب ہی ملسکتے ہیں جب یحییٰ سفارش کریں تو سب کے سب مالکی مذہب پر چلنے لگے۔
احمد بن ابو الفیاض لکھتے ہیں کہ میں امیر عبد الرحمٰن اموی سلطان اندلس کیخدمت میں حاضر تھا سلطان نے فقہاء کو طلب کیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ کہا میں حالت روزہ میں اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستر ہو گیا ہوں۔ اسوقت غلبہ محبت میں نفس رک نہیں سکا۔ اب نادم ہوں صورت توبہ کیا ہے؟ یحییٰ بن یحییٰ نے کہا دو ماہ کے متواتر روزے رکھنے چاہئیں۔ یحییٰ کے بعد پھر کسی فقیہہ کی جرأت نہ پڑی جو آگے کچھ بولتا جب دربار سے باہر نکلے تو لوگوں نے کہا کہ آج آپنے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ کیوں نہ دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو کفارہ کی تینوں صورتیں برابر ہیں۔ خواہ کوئی روزہ رکھے۔ خواہ غلام آزاد کرے۔ خواہ مسکینوں کو کھانا کھلاوے کہا اگر ہم سلطان کیلئے بھی یہ دروازہ کھول دیں۔ تو اس کے لئے ایک معمولی بات ہو جاویگی کہ اسیطرح روزمرہ روزہ توڑ لیا کرے۔ اور غلام آزاد کر دیا کرے۔ یا کھانا کھلا دیا کرے۔ اسی لئے

میں نے اس کے لئے وہ صورت تجویز کی جو نہایت سخت ہے اور جس میں اُسکے نفس شہوانی کی اصلاح متصوّر ہے۔

کہتے ہیں کہ جب مدینہ سے تعلیم پاکر واپس وطن کو جاتے ہوئے مصر پہنچے تو وہاں عبدالرحمٰن بن قاسم کے پاس ایک تصنیف دیکھی جسکو اُنہوں نے امام مالک سے ہی حاصل کیا تھا۔ ان کو شوق ہوا کہ یہ حصہ بھی خاص اُستاد سے ہی حاصل کروں۔ وہاں سے پھر لوٹ کر مدینہ آئے۔ اُستاد کو مرض الموت میں بیمار پایا۔ بیماری میں خدمت کرتے رہے اور نماز جنازہ کے بعد واپس آئے۔

محمد بن عمر کا قول ہے کہ فقیہ اندلس تو عیسےٰ ابن دینار ہے۔ اور عالم اندلس عبدالملک بن حبیب اور عاقل اندلس یحیےٰ بن یحییٰ ہے۔

احمد بن خالد کا قول ہے کہ جب سے اندلس میں اسلام داخل ہوا ہے۔ اُسوقت سے لیکر آجتک جو عزت وعظمت یحیےٰ کو حاصل ہوئی ہے وہ اور کسی عالم کو حاصل نہیں ہوئی۔

ابن بشکوال نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ مستجاب الدعوۃ تھے۔ اور نشست وبرخاست عادات و اطوار میں انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے آپ کا نمونہ بنا رکھا تھا۔

یحییٰ خود بیان کرتے ہیں کہ میں لیث بن سعد کی رکاب تھام کر اُن کے ساتھ چلا اُنکے غلام نے مجھے ہٹانا چاہا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ مت ہٹاؤ۔ پھر فرمایا کہ یحیےٰ اہل علم اسی طرح تیری خدمت کرینگے۔ چنانچہ وہی دیکھ لیا۔

انہوں نے ۲۲ر رجب ۲۲۴؁ھ ہجری کو وفات پائی۔ قرطبہ کے باہر مدفون ہوئے انکی قبر پر دعاء استسقاء کی جایا کرتی تھی۔

ناظرین اس بزرگ امام کے حال کو دیکھو۔ کہ طلب علم میں کہاں سے کہاں تک سفر کیا اور پھر کسقدر اہل ملک کو تعلیم وتدریس سے فائدہ پہنچایا۔ باوجود اس کے پھر طالب دنیا نہوئے۔ بلکہ دنیا داروں کو ملے بھی تو صرف ترقی تعلیم اور اشاعت دین کے لئے جب تک ہماری قوم میں اس نمونہ کے علماء پیدا نہیں ہوتے۔ اُسوقت تک ترقی محال ہے۔

امام جبائی

نام محمد عبدالوہاب. کنیت ابو علی ہے۔ ان کا نسب حضرت عثمان غنیؓ کے غلام حمران سے جا ملتا ہے۔ معتزلہ کے بڑے اماموں میں سے ہیں۔ علم کلام کے امام تھے اور یہ علم انہوں نے ابو یوسف یعقوب بن عبداللہ الشحام البصری (جو بصرہ میں رئیس معتزلہ تھا) سے پڑھا تھا۔ مذہب اعتزال میں ان کے مقولے مشہور ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری جو اہلسنت کے علم کلام میں امام ہیں انہیں کے شاگرد تھے۔

کہتے ہیں ایک دن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے جبائی سے پوچھا کہ تین بھائیوں میں سے ایک تو مومن متقی نیکوکار ہے۔ ایک کافر فاسق شقی ہے۔ اور ایک صغر سنی ہی میں فوت ہو گیا ہے۔ ان تینوں کا آخرت میں کیا حال ہوگا۔ جبائی نے کہا زاہد کیلئے درجات ہیں کافر کیلئے درکات اور صغیر اہل سلامت میں سے ہے۔ اشعری نے کہا اگر صغیر یہ چاہے کہ میں مومن کے درجات تک پہنچ جاؤں اُسکے لئے ممکن ہوگا؟ جبائی نے کہا نہیں کیونکہ اُسے کہہ دیا جائیگا۔ کہ تیرا بھائی ان مدارج پر طاعات کثیرہ کیوجہ سے پہنچا ہے۔ چونکہ تیرے پاس یہ سرمایہ حاصل نہیں اس لئے تو اس درجہ کو نہیں پا سکتا۔

اشعری نے کہا کہ اگر وہ صغیر بچہ یہی کہے خداوندا اس میں میرا کیا قصور ہے تو نے مجھکو دنیا میں رہنے نہ دیا اور طاعت بجالانیکی قدرت ہی نہ بخشی۔ جبائی بولے اللہ تعالیٰ فرمادیگا کہ میں جانتا تھا کہ اگر تو دنیا میں رہتا اور عمر پاتا تو عصیان کرتا۔ اور مستحق عذاب الیم ہو جاتا۔ اس لئے تیرے حق میں یہی مصلحت تھی۔ اشعری نے کہا اچھا اگر اُس کا کافر بھائی عرض کرے کہ الٰہ العالمین! تو اُسکا حال بھی جانتا تھا اور میرا بھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تو نے اُسکی مصلحت کو مرعی رکھا اور میری بھلائی کو نظر انداز کر دیا۔ جبائی نے کہا تو تو دیوانہ ہے۔ اشعری نے کہا نہیں یہ کہو کہ شیخ کا گدھا اس گھاٹی پر چڑھ نہیں سکتا۔ جبائی چپ رہ گئے۔

اس مناظرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسکو چاہا اپنی رحمت سے مخصوص فرمایا اور جسکو چاہا عذاب کا مورد قرار دیا۔ افعال الٰہی کسی غرض کیساتھ معلل نہیں ہیں۔

فخر الدین رازیؒ تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس مناظرہ کے بعد اشعریؒ نے مجلس جبائی کو چھوڑ دیا اور اُن پر اعتراضات کرنے شروع کئے۔ حتیٰ کہ آپس میں وحشت عظیم ہو گئی۔

ایک دفعہ جبائی ایک جگہ وعظ کر رہے تھے۔ اشعری بھی چھپکر جا بیٹھے۔ ایک بڑھیا سے کہنے لگے میں تم کو ایک مسئلہ بتاتا ہوں وہ شیخ سے پوچھو۔ بڑھیا نے پوچھا شیخ نے جواب دیا۔ اشعری نے اسپر اعتراض سکھا کر بڑھیا سے کہلا دیا۔ جبائی چپ کر گئے۔ پھر اُنکی نظر اشعری پر پڑ گئی۔ سمجھ گئے کہ سوال اسی کا تھا۔

خورستان میں جبی ایک شہر کا نام تھا۔ جہاں کی کھجوریں مشہور تھیں۔ جبائی ۲۳۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۰۳ھ ہجری میں وفات پائی۔

امام غزالیؒ

ابوحامد کنیت۔ محمد بن محمد بن محمد الغزالی نام۔ حجۃ الاسلام زین الدین لقب ہے۔ غزالہ ضلع طوس میں ایک گاؤں ہے وہاں پیدا ہوئے۔ اور خاص شہر طوس میں احمد راذکانی سے تعلیم پاتے رہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر نیشاپور میں امام الحرمین ابوالمعالی کی خدمت میں جملہ علوم کی تکمیل کی۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی صاحب تصنیف اور فتویٰ ہو گئے تھے۔ اور بسا اوقات امام الحرمین اس فاضل شخص کے شاگرد ہونیکو اپنے لئے مایہ ناز بتاتے تھے۔

اُستاد کے انتقال کے بعد وزیر نظام الملک سے جا کر ملے۔ اُس نے حد درجہ تعظیم و اکرام کیا۔ دوران قیام میں وزیر کے سامنے متعدد فاضلوں کیساتھ مختلف علوم میں مناظرہ اور مباحثہ ہوتا رہا۔ ہر ایک جلسہ میں غلبہ انہی کو حاصل ہوتا تھا۔ انہی مباحثات کیوجہ سے ان کا ذکر تمام اسلامی ممالک میں پھیل گیا۔

جمادی الاول ۴۸۴ھ ہجری کو مدرسہ نظامیہ میں پروفیسر مقرر کئے گئے۔ جہاں ذیقعدہ ۴۸۸ھ تک درس دیتے رہے۔ ان کی طرز تعلیم اور قوت تقریر و کثرت معلومات و توضیح مشکلات کو دیکھ دیکھکر تمام عراق دنگ تھا۔ مدرسہ کے علماء کے علاوہ چار پانچ سو علماء ان کے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ۴۸۸ھ میں مدرسہ سے مستعفی ہو کر زہد و انقطاع الی اللہ اختیار کیا۔ اور حج کو تشریف لیگئے۔ وہاں سے واپس آکر دس سال تک جامع دمشق میں معتکف رہے۔ پھر وہاں سے بیت المقدس کو چلے گئے۔ جہاں نہایت ہی زہد کیساتھ حد درجہ کی عبادت میں مشغول رہے

وہاں سے یوسف بن تاشقین سلطان مراکو کی ملاقات کیلئے مصر وارد ہوئے۔ بلاد مغرب کا سفر بحری راستہ سے کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کہ سلطان مذکور کی وفات کی خبر مصر میں ہی مل گئی وہاں سے اپنے وطن کو لوٹ کر قیام پذیر ہوئے۔ ایک دفعہ پھر نیشا پور میں حسب الطلب گئے اور کچھ عرصہ تک نظامیہ میں پروفیسری کی لیکن پھر مستعفی ہو کر وطن ہی کو چلے آئے۔ نظامیہ میں ان کو چار سو اشرفی ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ وطن آکر اپنے گھر کو دو حصوں پر تقسیم کیا۔ ایک حصہ کو صوفیہ کیلئے خانقاہ بنایا۔ اور دوسرے حصہ کو مدرسہ۔ اپنے اوقات کی تقسیم اسطرح کر رکھی تھی (۱) تلاوت قرآن مجید (۲) مجالست اہل دل۔ (۳) تدریس و تصنیف۔

ان کی تصنیفات بہت ہیں اور سب کی سب ممتنع المثال مفید و فیض بخش ہیں وسیط بسیط وجیز۔ الخلاصہ فی الفقہ۔ المستصفی المنخول المتنخل۔ تہافتہ الفلاسفہ۔ محک النظر۔ معیار العلم المقاصد۔ المضنون بہ علی اہلہ۔ المقصد الاسنٰی فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ۔ مشکوٰۃ الانوار۔ المنقذ من الضلال۔ حقیقۃ القولین۔ کیمیائے سعادت۔ اربعین بہت زیادہ مشہور اور متداول ہیں۔ ان سب سے شہرت و نفاست خوبی و جمال میں بڑھ کر احیاء العلوم الدین ہے جسکی تیسری اور چوتھی جلدیں جن کا نام مہلکات و منجیات ہے جواہر کے تول بھی ارزاں سمجھے جانیکے قابل ہیں معقولات اور فلسفہ میں انکا درجہ بو نصر فارابی اور بو علی سینا کے برابر شمار کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض حکمائے متقدمین یونان سے بھی کم ہونا تسلیم نہیں کیا۔

امام غزالیؒ ان لوگوں میں سے ہے جنکی توفیق الٰہی نے دستگیری فرمائی۔ اور جنکو احکام و ظواہر شرع پر اطمینان قلب و انشراح صدر حاصل ہوا۔ ورنہ بہت سے لوگ جنہوں نے فلسفہ میں توغل اختیار کیا یا تو بالکل ہی دین سے آزاد ہو گئے ورنہ دین کو تابع عقل تو ضرور سمجھتے رہے۔

غزالیؒ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اسرار شریعت کو بیان کیا اور ظواہر کو قائم رکھا اور اسی کو درجہ کمال قرار دیا۔ نیز ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے فلسفہ سے بہت سی دینی خدمات لیں۔ اور لیبا اوقات فلسفیوں کو مغلوب کرنے کیلئے فلسفہ کو ہی اپنا قیمتی ہتھیار بنایا۔

مشکوٰۃ الانوار میں چند مثالوں کے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ "میرے اس کلام اور بیان مثال سے یہ نہ سمجھنا کہ میں ظواہر کے اٹھا دینے کی رخصت دیتا یا انکے ابطال کا اعتقاد رکھتا ہوں۔ حاشا اللہ۔ ابطال ظواہر تو باطنیہ کا اعتقاد ہے۔ جنہوں نے اپنی ایک چشمی سے ایک ہی عالم کو دیکھا۔ اور عالم ظاہر و معنی کے موازنہ کو نہ سمجھا۔ اور انکی وجوہات پر غور نہ کیا۔ علی ہذا ابطال

اسرار توحشویہ کا مذہب ہے۔ پس جو شخص صرف ظاہر کو لیتا ہے وہ حشوی ہے اور جو صرف باطن کو لیتا ہے وہ باطنی ہے۔ ہاں جو شخص دونوں کو جمع رکھتا ہے۔ کامل وہی ہے"

شیخ محی الدین ابن العربی اپنی کتاب العواصم والقواصم میں مذہب فلاسفہ اور اُنکی مخالفت اور اسلام کا ذکر لکھکر کہتے ہیں" خداوند کریم نے ایک ایسا طائفہ عاصمہ بھی نکالا جو تسخیر ربانی اور تائید الٰہی سے رد فلاسفہ میں مصروف ہو گیا۔ یہ لوگ طرز فلاسفہ یا مصطلحات فلاسفہ میں رد نہیں کیا کرتے تھے بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے گروہ مبتدعہ کے دلائل کو توڑتے تھے فلسفی جنکے عقول پر بطلان کے پردے پڑے ہوئے تھے اُس رد کو ہنسی اور قہقہہ میں اُڑاتے اور اُنکی دلائل پر جرح و قدح کیا کرتے تھے۔ اور اپنے رد لکھنے والوں کو جاہل بے تمیز قرار دیا کرتے تھے۔ جب اُنکا غرور و تکبر بڑھ نکلا تب اللہ تعالیٰ نے اُنہی کی لغت و اصطلاحات میں گفتگو کرنے اُنہی کے دلائل کو اُنپر لوٹا دینے۔ اُنہی کے سلاحات سے اُنکا سر اُڑا دینے کیواسطے ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کیا۔ جنھوں نے اُنہی کے قول سے اُن کو جھٹلایا اور اُنہی کی چھری کو اُنہی کی گردنوں پر چلایا۔ چنانچہ اس بارہ میں تہافتہ الفلاسفہ ایک عجیب کتاب ہے۔ قطاسی اُنکی دوسری کتاب ہے جس میں قرآن مجید سے اُسی ترتیب دلائل کا استخراج کیا ہے جو استخراج دلائل کیلئے فلسفیوں نے قوانین قرار دیئے تھے۔ معیار العلم اُنکی ایک اور کتاب ہے جس منطق کو امثلہ فقہیہ و کلامیہ کیساتھ ملایا ہے۔ اور فلسفہ کو زندہ کر دینے کے ساتھ ہی کوئی مثال یا مثل ایسا باقی نہیں چھوڑا جس کے متعلق کسی فلسفی کا شبہ باقی رہ گیا ہو۔ الغرض غزالی کا وجود سخت تاریکیوں میں ایک گوہر شب چراغ ہے۔

غزالیؒ کے اسقدر کمال و فضیلت پر بھی بعض اہل علم نے اُسکی زندگی میں اور نیز اُسکی وفات کے بعد سخت سخت اعتراضات کئے ہیں احیاء کے باب توکل میں اُنکا ایک فقرہ ہے لَیْسَ فِی الْاِمْکَانِ اَبْدَعُ مِمَّا کَانَ یعنی دنیا کا موجودہ صورت سے بڑھ چڑھ کر ہونا امکان سے باہر تھا۔ اس فقرہ پر بڑی بڑی بحثیں ہوئیں اور متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ اُنہی کے شاگرد امام ابوبکر بن العربی کا قول ہے کہ "ہمارے شیخ نے یہ بہت بڑی بات لکھدی جسے اہل عراق نہیں مانتے اور بیشک یہ لائق ماننے کے بھی نہیں۔ کیونکہ اس سے تو عجز ثابت ہوتا ہے جو قدرت کاملہ کے منافی ہے"

بعض علماء نے ایسے ایسے فقرات غزالیؒ کی نسبت افکار کیا ہے لیکن اکثر نے اُسکی تاویل کی یا الحاقی بیان کیا۔ ابن جوزی۔ ابن حجر مکی اور ابن سبکی وغیرہ کا یہی مذہب ہے کہ اس

قسم کی لغویات سے غزالیؒ کی شان اعلےٰ و برتر ہے۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ غزالی کی کتابوں میں الحادات پلٹے جاتے ہیں مگر وہ خود اس اعتقاد کے لوگوں کی تکفیر کرتا ہے (اس لئے اُن کتابوں میں الحادات کے ذکر کرنے سے غرض اُنکا رد کرنا اور لوگوں کو معلوم کرانا ہے)۔ ابن تیمیہؒ ہی لکھتا ہے کہ علم حدیث میں غزالیؒ کا سرمایہ بہت تھوڑا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسکی کتابوں میں موضوع و ضعیف حدیثیں بھی درج ہو گئی ہیں۔ انہی کا قول ہے کہ آخر عمر میں غزالیؒ نے اپنی پوری توجہ علم حدیث پر ہی منعطف کر دی تھی۔ چنانچہ نزع کیوقت بھی اُنکی چھاتی پر صحیح بخاری رکھی ہوئی تھی۔

شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی نے احیاء العلوم غزالیؒ اور حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ دہلوی پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ شاہ صاحب کا کلام بھی عالی اور سند بھی عالی۔ غزالیؒ کا کلام عالی ہے مگر سند (ہمیشہ) عالی نہیں ہوتی۔

المختصر اس نامور امام کے حال کو میں اس فقرہ پر ختم کرتا ہوں۔ جو ابن سبکی کا قول ہے۔ کہ "غزالیؒ سے بغض رکھنے والا یا تو حاسد ہوگا یا زندیق" بیشک اُنکا درجہ عالی اُنکے لقب حجۃ الاسلام سے بخوبی نمایاں ہے اور اُنکی تصنیفات اس لقب کی صداقت میں موجود ہیں۔ جن لوگوں کو آجکل فلسفہ پڑھنا پڑتا ہے یا جو فلسفی شبہات سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ اُنکو امام غزالیؒ کی تصنیفات کا زیر مطالعہ رکھنا بہت ضروری ہے۔ جن کے ہر ایک سادہ معرا از دلیل بیان پر بھی یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ کسی ملا کا قول نہیں۔ بلکہ اُس شخص کا ہے جس نے اوّل سے آخر تک فلسفہ کی سیر کی۔ اُس کو محک پر آزمایا اور کسوٹی پر کسکر اُسکا کھوٹ فلسفیوں کے منہ سے منوایا ہے۔

عام لوگوں میں یہ حکایت بہت مشہور ہے کہ امام غزالیؒ کی روح نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ شب معراج کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کچھ بحث کی تھی۔ اسکی اصلیت صرف اسقدر ہے کہ یہ واقعہ صرف شیخ شاذلیؒ کا خواب ہے اور اس سے زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خواب دیکھنے والیکے نزدیک امام غزالیؒ کی وقعت اسقدر تھی۔

خدا ان پر رحمت کرے اور اسلام میں ایسے علماء کرام کو ہمارے زمانہ میں بھی پیدا کرے۔ امام غزالیؒ کا انتقال ۵۰۵ھ ہجری کو ۵۵ سال کی عمر میں طوس کے قریب جو طابران میں ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

امام فخر الدین رازیؒ

یہ نہایت ہی مشہور و معروف امام علم کلام ہیں ۲۵ رمضان المبارک ۵۴۴ھ ہجری کو رے میں پیدا ہوئے ۔ فقیہہ شافعی المذہب تھے ۔ محمد نام ابو عبد اللہ کنیت اور ابن الخطیب کے نام سے مشہور ہیں ابتداء میں اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پاتے رہے ۔ جب انکا انتقال ہوگیا تو کچھ عرصہ کمال سمعانی سے استفادہ کیا ۔ پھر رے میں واپس آکر مجد جبلی سے تعلیم پاتے رہے اور جب مجد جبلی نے مراغہ کیجانب سفر کیا تو یہ بھی اُستاد کیساتھ ہی رہے ۔ حتیٰ کہ کلام و حکمت میں کمال حاصل کیا اور اسی عرصہ میں امام الحرمین کی کتاب الشامل کو جو علم کلام میں ہے حفظ کرلیا ۔ وہاں سے خوارزم میں آئے اور اعتقادات کے متعلق بہت بڑا مناظرہ کیا ۔ علی ہذا ماوراء النہر میں بھی ایسا ہی مباحثہ کرنا پڑا ۔ پھر رے میں واپس آگئے یہاں ایک مشہور طبیب تھا جو نہایت دولتمند تھا اُس نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح امام رازیؒ کے دو فرزندوں سے کردیا ۔ اور نکاح سے کچھ عرصہ کے بعد وہ مرگیا ۔ اُسکی بے انتہا دولت انہی کے قبضہ میں آگئی ۔ اور خداوند کریم نے ایسے شخص کو دنیا کیطرف سے مستغنی کر کے دین کی طرف لگا دیا اُنہوں نے اپنی کتاب طفیل الحق میں خود تحریر کیا ہے کہ میں علم کلام میں چھ واسطہ سے شیخ السنۃ ابو الحسن اشعری کا اور علم حدیث و فقہ میں نو واسطہ سے امام شافعیؒ کا شاگرد ہوں ۔

خداوند کریم نے ان کو تحریر بھی عطا فرمائی تھی اور تقریر بھی ۔ تقریر کا یہ حال تھا کہ اس سے مستفید ہونے کے لئے سینکڑوں کوس سے بڑے بڑے مسلم فاضل سفر کر کے آیا کرتے تھے ۔ اور بیسیوں کے عقائد ایک ایک درس میں درست ہوتے تھے ۔ ہزار ہا اشخاص نے ان کے ساتھ مباحثہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا لیکن آخر یہ ہوا کہ انہیں شاگرد ہی بننا پڑا ۔

اہل السنت والجماعت کے اصول و عقائد کو دلائل عقلیہ و براہین صادقہ سے ایسا صحیح و محکم ثابت کردیا ۔ کہ ہزاروں کرامیہ وغیرہ اپنے اپنے اعتقادات کو چھوڑ کر اہل السنت کے سواد اعظم میں شامل ہوگئے رہی تحریر اس کا بے بدل و بے نظیر ہونا آجتک مسلم ہے ۔ تحریر میں جو ترتیب دلائل اور طریق استدلال انہوں نے اختیار کیا ہے علماء کو اسکی بابت اقرار ہے کہ وہ خود انکی اختراع تھا بیشک وہ طریق ایسا زود فہم اور عمدہ ہے کہ آجتک اُس سے بہتر اور کوئی طریق یورپ یا ایشیا کی تصنیفات میں نہیں پایا جاتا ۔

علم کلام میں انکی تصنیفات یہ ہیں۔ المطالب العالیہ۔ تہافت العقول۔ کتاب الاربعین۔ المحصل کتاب البیان والبرہان علی اہل الزیغ والطغیان۔ کتاب المباحث العمادیہ فی المطالب المعادیہ۔ کتاب تہذیب الدلائل وعیون المسائل ارشاد النظار الی لطائف الاسرار۔ کتاب اجوبۃ المسائل النجاریہ تحصیل الحق وغیرہ۔ اصول فقہ میں یہ کتابیں المحصول والمعالم۔ حکمت میں الملخص شرح اشارات ابن سینا شرح عیون الحکمت وغیرہ۔ طلسمات میں سر مکتوم اور شرح اسماء الحسنیٰ۔ نحو میں شرح مفصل زمخشری فقہ میں شرح وجیز غزالی۔ طب میں شرح کلیات قانون۔

علیٰ ہذا بہت سے علوم میں آپکی تصنیفات ہیں اور ہر ایک کتاب لاجواب فائدہ رساں ہے خود انکی زندگی میں ہی ان کی تصنیفات کی قدر وعزت اسدرجہ کو پہنچ گئی تھی کہ متقدمین کی کتابوں کو چھوڑ کر ان کی کتابوں کو سلسلہ تعلیم میں داخل کر لیا گیا۔ غرض اپنے زمانہ کے فرید و وحید شخص تھے۔ اور علم کلام و معقولات میں کوئی شخص ان کی نظیر نہ تھا۔

معقولات کا لازمہ لبا اوقات بیدینی اور مذہب کی جانب سے بے اعتقادی ولاپرواہی ہوتی ہے لیکن اس فاضل نے ثابت کر دیا کہ شریعت محمدیہؐ کی صداقت کو کوئی فلسفہ رد نہیں کرسکتا انہوں نے واضح کر دیا کہ محمد عربی نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی ریتلی اور پتھریلی زمین کے رہنے والے وحشی بدؤں کو جس کتاب وحکمت کا سبق پڑھایا ہے اُسپر کسی معقولی علم کی کوئی قدیم یا جدید برہان غالب نہیں آسکتی بلکہ قرآن مجید میں روحانیت اور معقولات کے وہ دریائے ذخار ناپیدا کنار پہلو بہ پہلو جاری ہیں اور اس کا ایک ایک لفظ ایک ایک موج گہر ریز اور ابر گہر بار ہے۔ جو کچھ میں نے لکھا ہے انکی تصدیق ان کی تفسیر سے جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے بخوبی ہو سکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے برائے نام علماء اس کا پڑھنا تک پسند نہیں کرتے۔

امام فخر الدین رازی ان چند ائمہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسرار شریعت اور مصالح کتاب وسنت کے اظہار میں سرگرمی سے حصہ لیا ہے میرے خیال میں متقدمین میں امام غزالیؒ فخر الدین رازیؒ قفال مروزیؒ اور متاخرین میں شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی ان مساعی جمیلہ کیوجہ سے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

یہ لوگ تھے جنہوں نے تمدن اور تدین کے باہمی تعلقات پر نظر ڈالی اور ثابت کر دکھایا کہ اسلام کی تعلیم اعلےٰ ترین سلطنت کو اصول حکومت کے بتلانے اور بڑے سے بڑے زاہد کو انقطاع الی اللہ کا راہ دکھلانے میں پوری طاقت رکھتی ہے ہمارے اس زمانہ میں (جبکہ نئی روشنی یا فلسفہ جدید

بڑے زور سے ظہور پذیر ہے۔ اور ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ لوگ اصول دین اور اسرار شریعت سے ناواقفیت کیوجہ سے اس روشنی میں چندھیائے ہیں) ایسے علماء کی اشد ضرورت ہے خداوند کریم اسے پورا کرے۔

امام رازی کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے چنانچہ قطعہ ذیل انکی تصنیف ہے۔

نِهَايَةُ اِقْدَامِ الْعُقُولِ عِقَالٌ　　وَاَكْثَرُ سَعْيِ الْعَالَمِينَ ضَلَالٌ

ترجمہ۔ آخر کار عقل کو پابند ہونا پڑتا ہے۔ اور بڑی بڑی کوششیں تاریکی کے گڑھے میں چلی جاتی ہیں

وَاَرْوَاحُنَا فِي وَحْشَةٍ مِّنْ جُسُومِنَا　　وَحَاصِلُ دُنْيَانَا اَذًى وَّوَبَالٌ

ترجمہ۔ ہماری روح ہمارے جسم کے اندر وحشت میں ہے اور حاصل دنیا اذیت ہے یا وبال ہے

وَلَمْ نَسْتَفِدْ مِنْ بَحْثِنَا طُولَ عُمْرِنَا　　سِوَى اَنْ جَمَعْنَا فِيهِ قِيلَ وَقَالُوا

ترجمہ۔ عمر بھر کے بحث مباحثہ کے بعد اگر کچھ حاصل ہوا تو صرف یہ کہ قیل وقال جمع کر لیا۔

وَكَمْ قَدْ رَاَيْنَا مِنْ رِجَالٍ وَّدَوْلَةٍ　　فَبَادُوا جَمِيعًا مُسْرِعِينَ وَزَالُوا

ترجمہ۔ ہم نے بہت سے شخص اور بہت سی حکومتیں دیکھی ہیں۔ جو تیز رفتاری کیساتھ آگے بڑھتی اور زوال پذیر ہوتی رہیں۔

وَكَمْ مِّنْ جِبَالٍ قَدْ عَلَتْ شُرُفَاتِهَا　　رِجَالٌ فَزَالُوا وَالْجِبَالُ جِبَالٌ

ترجمہ۔ ہم نے بہت سے لوگوں کو پہاڑوں کی بدترین چوٹی پر چڑھتے اور زوال پذیر ہوتے دیکھا ہے مگر وہ پہاڑ جوں کے توں باقی ہیں۔

اس فاضل کو عربی اور فارسی میں کامل دستگاہ تھی اور دونوں زبانوں میں وعظ کیا کرتے تھے۔ وعظ میں خود بھی رویا کرتے اور حاضرین کو بھی رُلا دیتے۔ ان کا انتقال عید الفطر کے دن ۶۰۶ھ کو ہراۃ میں ہوا۔ اور دامن کوہ میں مدفون ہوئے۔

حسین واسطی کہتے ہیں کہ ایک دن امام فخر الدین رازی ہراۃ میں ممبر پر کھڑے یہ شعر پڑھ رہے تھے

اَلْمَرْءُ مَادَامَ حَيًّا يُسْتَهَانُ بِهِ　　وَيَعْظُمُ الرُّزْءُ فِيهِ حِينَ يُفْتَقَدُ

ترجمہ۔ جبتک آدمی زندہ رہتا ہے حقیر سمجھا جاتا ہے لیکن مرنے کے بعد اسکی موت کو عظیم مصیبت مانا جاتا ہے

شیخ سعدیؒ نے بھی ایسا ہی ایک شعر کہا ہے ؎

کس اندر زندگانی قیمت دوست　　ندانند کس چنیں قیمت بداند

امام محمدؒ صاحبِ قاموس

محمد بن یعقوب نام۔ مجد الدین لقب۔ دسویں پشت میں سلسلۂ نسب شیخ الاسلام ابو اسحٰق گاذرونی سے جا ملتا ہے۔ شافعی المذہب شیرازی الفیروز آبادی مسکن۔ قرشی التیمی البکری نسب ہے۔

بماہ ربیع الاول ۷۲۹ھ کو قصبہ گاذرون میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں پرورش پائی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں شیراز آئے۔ اور ادب و لغت اپنے والد اور شیخ عبداللہ بن محمود وغیرہ علمائے شیراز سے پڑھتے رہے خوشخطی سیکھی۔ اور تمام مصروفیت و توجہ کیساتھ لغت پر جھک پڑے۔ فقہ تو شیراز میں ہی پڑھ لی تھی۔ اور علم حدیث کی تلاش میں عراق و واسطہ و بغداد و دمشق کے سفر کئے۔ عبداللہ بن بکتاش قاضی بغداد مدرس نظامیہ اور حافظ ابن القیم الجوزیؒ سے سماعت و روایت کی۔ اور ایک مدت تک بغداد میں خود بھی درس دیتے رہے امام صفدی بہاء ابن عقیل جمال الاسنوی و ابن ہشام وغیرہ مشہور فاضلوں نے ان کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔

بغداد سے قاہرہ گئے اور تقی سبکی اور انکے فرزند تاج الدین و قاضی عزیز الدین وغیرہ سے استفادہ حاصل کیا۔ اور تحصیل علم کے خیال سے اکثر مشرقی اور شامی ممالک کی گشت و سیاحت بھی کی ہندوستان میں بھی آئے۔ قاموس میں دہلی اور قنوج کا بھی ذکر کیا ہے۔

ماہ رمضان ۷۹۶ھ کو زبید گئے ملک اشرف اسمٰعیل نے انکا حد درجہ تعظیم و اکرام کیا۔ اور ہزار اشرفی زاد راہ اور ہزار اشرفی بطور پیشکش دی۔ مجد الدین یہاں ٹھیر گئے اور علوم پھیلانے لگے ممالک محروسہ یمن کی قضاء ان کے سپرد کی گئی۔ ہر طرف سے طالبان علوم آتے اور مستفید ہوتے تھے سلطان بھی شاگرد ہو گیا۔ اور انکے علم و کمال کو دیکھکر اپنی دختر زاہد الجمال کا نکاح ان سے کر دیا اس تعلق سے انکی عزت و وقعت بہت بڑھ گئی۔ ملک اشرف اور اسکے فرزند ملک ناصر کے عہد حکومت میں بیس سال زبید میں پورے کئے۔ اور اسی اثناء میں بارہا مکہ معظمہ و مدینہ منورہ اور طائف میں آکر قیام کیا۔ اپنے آپ کو مکی کہلانے سے خوش ہوا کرتے اور اپنے قلم سے دستخط کے ساتھ الملتجی الی حرم اللہ تعالیٰ لکھا کرتے۔

اللہ تعالےٰ نے ان کو ایسی حرمت و عزت عطا فرمائی تھی کہ جہاں جاتے وہاں کا حاکم

بتعظیم و تکریم پیش آتا۔ یہ ملک منصور والیٔ تبریز اور سلطان بایزید خاں والیٔ روم۔ ابن ادریس شاہ بغداد اور پادشاہ مصر اور امیر تیمور گورگان سے ملے۔ اور سب نے قدرشناسی و عزت افزائی کی سلطان اور امیر نے ایک ایک ملاقات کا ایک ایک لاکھ روپیہ دیا۔

کتابوں کے جمع کرنیکا اتنا شوق تھا کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ مَیں نے پچاس ہزار مثقال زر کی کتابیں خرید کی ہیں سفر کو جاتے تو کتب خانہ اونٹوں پر ساتھ چلتا۔ جب منزل پر پہونچتے تو مطالعہ شروع کر دیتے۔ اتحاف البلاد میں انکی بیالیس مصنفہ کتابوں کے نام درج ہیں جن کے علاوہ اور بھی بہت سی ہیں سفر السعادت انہی کی تصنیف ہے۔ یہ نہایت مختصر اور نہایت صحیح کتاب ہے۔ جس میں عبادات و عادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم درج ہیں شیخ عبدالحق دہلوی نے اس کتاب کی مبسوط شرح لکھی ہے

تقی کرمانی کہتے ہیں مجدالدین اپنے زمانہ میں فارسی و عربی کی نظم و نثر میں عدیم النظیر تھے دس سال تک مکہ معظمہ میں رہے۔ قاموس کو چند اجلاد میں لکھا۔ اور پھر میرے والد کی فرمائش پر ایک جلد میں اس کا اختصار کیا اس مختصر میں بھی فوائد عظیمہ اور جوہری پر اکثر اعتراضات ہیں۔

سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ فی ترجمۃ اللغویین والنحاۃ۔ میں ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ بلاد روم میں ان سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس عبارت کے معنے دریافت کئے گئے۔ الصق القلک بالجبوب وخذ المسطر بشناطرك واجعل جحمتك الی قیھلی حتی لا انفی نغیة الا اودعتها بجماندك بجيلا تلك۔ انہوں نے فوراً کہا کہ اس کے معنے یہ ہیں الزق عصی تك بالصلة وخذ المن بر باشاجعك واجعل خذ ورتيك الی التعيانی حتی لا انبس بنبسة الا اوعيتها بنيا طك۔ حاضرین جلسہ اس جواب کو جو سوال سے بھی مشکل تر ہے سُنکر حیران رہ گئے۔

خزرجی تاریخ یمن میں لکھتے ہیں کہ صاحب قاموس کا جاہ و منصب ہمیشہ ترقی پذیر رہا۔ والیان ملک اور قاضیان امصار اُس کے دست نگر و شفاعت خواہ رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سلطان کو خط لکھا اور زبید سے مکہ معظمہ جانیکی درخواست کی۔ خط کا ترجمہ یہ ہے۔ "حضور پر غلام کی کمزوری و لاغری اور پیرانہ سالی بخوبی واضح ہے۔ ہڈیاں بوسیدہ اور سر سفید ہو چکا ہے۔ اور میری مثال ٹھیک اُس مسافر سے ہے جو سفر کیلئے جوتا پہن کر کھڑا ہو گیا ہے۔ بناء گر چلی ہے۔ اور جمعیت اعضاء نے پراگندگی اختیار کرلی ہے میں ایک مشت استخواں ہوں یا زمین پر بیٹھ جانیوالی بنیاں۔ اب تو وہ حالت ہو گئی ہے جو سرسبز زراعت کی کٹ کر بھوسہ بن جانے سے ہو جاتی ہے

حضور نے سیدنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو صحیح بخاری میں ہے سنا ہوگا کہ جب خدا نے کسیکو ساٹھ سال کی عمر دی تو اس کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رکھا۔ پس جو شخص ستر سے گذر کر اسی تک پہنچا ہو اسکا تو حال کیا ہے۔

میرے نزدیک کسی مومن کیلئے یہ شایاں نہیں کہ اسپر چار سال گذر جائیں اور بیت اللہ کا شوق اور زیارۃ سید المرسلین کا ذوق اسے بیتاب کئے نہ دیتا ہو۔ حالانکہ غلام کو چھ سال ہو چکے ہیں کہ اس مبارک راہ پر گام فرسا نہیں ہوا۔ اب تو شوق نے بیتاب کر دیا ہے اور بڑی سے بڑی آرزو یہ ہے کہ ایک دفعہ پھر ان مشاہد کو دیکھ لوں۔ اور وہاں کے معاہد سے عہد باندھ لوں میں اپنی درخواست کو حضور کے رحم پر چھوڑتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ اسی سال مجھے سفر حج کی اجازت دیجائے۔ آجکل موسم اچھا اور ہوا خنک ہے پھر گرمی زور پکڑ جائیگی۔ اور پیاس مسافروں کو ستائیگی۔ حضور کو معلوم ہوگا کہ ہمیشہ سے شاہان ممالک کا یہ دستور چلا آیا ہے کہ سال بسال عرض سلام کیلئے اپنا قاصد حضرت سید المرسلین صلعم کی بارگاہ میں بھیجا کرتے ہیں اس لئے یہ نہائت الطاف خسروانہ ہوگا کہ امسال مجھے حضور اپنی جانب سے ہی قاصد بنا کر بھیجدیں گے بخدا اس کے سوا نہ کوئی مطلب ہے نہ مدعا۔ پھر یہ قطعہ لکھا۔

شوقی الی الکعبۃ الغراقد ازدادا ۔۔۔ فاستحمل القلص الوفادۃ الزادا

واستاذن الملک المنعام زید علی ۔۔۔ واستودع اللہ اصحابا و اولادا

سلطان نے یہ پڑھکر اپنے قلم سے اسی کاغذ پر لکھدیا۔ اس بارہ میں زبان کو بولنے اور قلم کو لکھنے کا یارا نہیں ہیں اندھا تھا جو بینا ہو گیا اور اب کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ سابقہ حالت کو قبول کرے تم بھی جانتے ہو کہ خدا نے تمہارے ہاتھ پر کس کس علم مردہ کو زندہ کیا ہے۔ مجد الدین مجھے خدائے پاک کی قسم ہے کہ دنیا اور نعیم دنیا کی جدائی آسان ہے۔ اور تمہاری جدائی دشوار۔"

ناسی لکھتا ہے کہ مجد الدین کے شعر نہائت عمدہ اور نثر اعلٰے ہے۔ موقعہ بموقعہ شعر و حکایات بیشمار بیان کر سکتا تھا۔ خوش قلم تھا۔ اور بہت جلد لکھا کرتا قوی الحافظہ تھا مجد الدین کا اپنا قول ہے کہ ہر روز دو سو سطریں حفظ کر کے سویا کرتا ہوں اس سے پہلے نہیں سوتا۔

صاحب قاموس نے اپنے لئے ایک محل منیٰ میں ایک مدینہ منورہ میں۔ ایک باغ اور محل طائف میں اور ایک محل جبل صفا پر مکہ معظمہ میں بنا رکھا تھا۔ اہل و عیال مکہ میں رہتے محل کا ایک حصہ بطور مدرسہ استعمال ہوتا تھا جس میں چند مدرسین مقرر تھے۔ اور طلبہ کو مفت تعلیم دیجاتی تھی۔

مجدالدین اُن یک فنی وہر فنی علماء میں سے ایک ہیں جو معاصرین میں بھی یگانہ کہلایا۔ اور مستقبل کو اپنی نظیر سے بیگانہ رکھا۔

۲۰ شوال ۸۱۷ھ ہجری کو زبید (دار الحکومت یمن) میں وفات پائی۔ نوّے سال سے زیادہ عمر پائی اور آخر تک ہوش وحواس قائم اور جملہ اعضاء مضبوط وسالم رہے۔

ملا محمدؒ الفناریؒ

عہد بایزید یلدرم سلطان روم کے مشہور وسرآوردہ علماء میں سے ہیں۔ عالم باعمل اور صاحب فضائل وکمالات تھے ۷۵۱ھ میں پیدا ہوئے وطن میں جمال الدین محمد اقسرائی اور پھر علامہ علاء الدین اسود شارح مغنی ووقایہ سے کسب علوم کیا۔ اور پھر مصر میں شیخ اکمل الدین کی شاگردی اختیار کی پھر روم کو لوٹ گئے۔ یہاں ان کو قاضی بروسا بنایا گیا۔ والی کو ان سے کمال محبت تھی تیس سال تک قاضی رہے۔ انکی شہرت وفضیلت کل اسلامی ممالک میں مسلّمہ تھی فضیلت کیساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیوی جاہ ووجاہت بھی عطا فرمائی تھی چنانچہ وفات کے بعد ان کے خزانہ میں ڈیڑھ لاکھ اشرفی نقد پائی گئی تھی آخر عمر میں بارادہ حج قاہرہ پہنچے بڑے بڑے فضلاء ذکر وبحث علمی کیلئے آئے اور سب انکی فضیلت کا اقرار کرکے اُٹھے۔ پہلا حج کرکے پھر قاہرہ واپس گئے۔ اور وہاں سے بیت المقدس کی زیارت کرکے دوسرا حج کیا۔ پھر ایک تیسرا حج کیا۔ جو اس شکرانہ میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ آنکھیں بخشیں کیونکہ مرض رمد میں انکی بینائی جاتی رہی تھی۔

ان کی تصنیفات میں سے ایک کتاب فصول البدائع فی اصول الشرائع ہے جس میں مناو بزدوی محصول رازی اور مختصر ابن حاجب کو جمع کردیا ہے۔ ایک الحمد شریف کی تفسیر اور ایک رسالہ انموذج العلوم نام اس میں ایک سو فن کے مسائل درج کئے ہیں۔

ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مجھے سند حدیث ان سے حاصل ہے انموذج العلوم کی نسبت ان کا پوتا کہتا تھا کہ میرے والد کی تصنیف ہے۔ اس کے سوا یعنے ایک قطعہ منظومہ ملا فناریؒ کا خود قلمی دیکھا ہے جس میں اکثر فنون بیان کئے ہیں علم کا نام بطور چیستان لیا گیا ہے بڑے بڑے فاضل اسکے حل میں چکرا تے ہیں۔ اسکی شرح ان کے فرزند محمد شاہ نے کی ہے اور اپنی تصنیف کے اشعار بھی جو

ویسے ہی مشکل ہیں شمائل شرح کر دیتے ہیں اسی طرح اور بہت سے رسالے اور اکثر کتب کے حواشی انہوں نے لکھے تھے مگر درس و قضاء کے اشغال نے ان مسودات کو صاف کرنے کی بھی مہلت نہ دی۔ سید شریف کی شرح مواقف پر بھی تعلیقات لکھے اور اکثر جگہ شارح پر اعتراضات کئے تھے۔

قضائے بروسا کے علاوہ مملکت عثمانیہ کے مفتی بھی یہی ملا فناری تھے۔ لوگوں کو انکے ساتھ تعلق قلبی کا یہ حال تھا کہ جمعہ کے دن جامع مسجد سے لیکر انکے گھر تک آدمیوں کا ایک تختہ ہوتا تھا۔ جو زیارت کیلئے کھڑے ہوا کرتے تھے۔ جاہ وحشمت کا یہ حال تھا کہ سینکڑوں لونڈی غلام کے مالک تھے۔ اور ہر ایک غلام امیرانہ زندگی بسر کیا کرتا تھا چالیس لونڈیاں تو ایسی تھیں جو سونیکا تاج پہنا کرتیں اس حشمت وجاہ پر ملا صاحب کا اپنا لباس بالکل سادہ اور ادنےٰ قیمت کا ہوا کرتا تھا۔ لوگوں نے اسکی وجہ پوچھی کہا میں اپنی خوراک ولباس اپنے ہاتھ کی محنت سے مہیا کرتا ہوں۔

ایک مقدمہ میں سلطان بایزید خاں نے ان کے سامنے شہادت دی مگر انہوں نے اسکی شہادت کو اس لئے قبول نہ کیا کہ سلطان پابند جماعت نہیں اگرچہ ملا صاحب نے اس سے معیار شہادت کو تو سخت کر دیا۔ مگر سلطان کو ایسی غیرت آئی کہ پابند جماعت ہو گیا کسی بات پر سلطان اور ملا صاحب میں بدمزگی ہو گئی۔ یہ قرامان چلے گئے۔ وہاں حاکم نے ہزار درہم روزانہ ان کے اور پانچسو درہم روزانہ ان کے طلباء کے مقرر کر دیئے اسی جگہ ملا یعقوب اسود ویعقوب اصغر نے ان سے تلمذ اختیار کیا جسپر ہمیشہ ملا فناری فخر کرتے رہے۔ سلطان انکے چلے جانیکے بعد نادم ہوا اور انکو حاکم قرامان کی معرفت بلا بھیجا۔ فناری چلے گئے اور سلطان نے انکو سابقہ عہدہ پر بحال کر دیا۔

ملا فناری شیخ حاجی بہرام کے مرید تھے اور عموماً صالحین سے محبت رکھتے تھے۔ صاحب شقائق النعمانیہ نے ان کے دو اشعار اپنی تاریخ میں درج کئے ہیں جو انہوں نے شیخ عبد اللطیف قدسی خلیفہ شیخ زین الدین الخوافی کی مدح میں لکھے تھے اور جو جواب انہوں نے دیا تھا۔ میں نے ان اشعار کو چھوڑ دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ بعوض پاشا وزیر سلطان کو ان سے کچھ بغض تھا۔ جب ملا فناری کی بینائی جاتی رہی تو بعوض پاشا نے کہا۔ امید ہے کہ ایک روز اس اندھے بوڑھے کی نماز میں بھی پڑھونگا۔ فناری نے سنکر کہا۔ وہ جاہل ہے۔ نماز جنازہ پڑھنا نہیں جانتا مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے شفا دیگا۔ اور پاشا کو اندھا کر کے اسکی نماز پڑھنے کا بھی مجھے موقع عطا فرمائیگا۔ کچھ عرصہ کے بعد خدا نے ملا کو بصیر کر دیا۔ اور پاشا موصوف میل درچشم کئے جانیکی وجہ سے پہلے اندھا ہوا۔ اور پھر مر گیا

اور فناری نے اُسکی نماز پڑھائی۔

مؤرخ نے ان کے نابینا ہونیکی ایک روائت یہ بھی لکھی ہے کہ انہوں نے سُن رکھا تھا۔ کہ عالم باعمل کی چشم کو خاک نہیں کھاتی انہوں نے تحقیق روائت کیلئے اپنے اُستاد مولانا علاؤالدین انسود کی قبر کو جا کھولا۔ دیکھا تو اسیطرح چشم پڑا ہوا تھا۔ جب قبر کو بند کرنے لگے۔ تو ایک آواز آئی ہل صدقت اعمی اللہ بصرك یہ اندھے ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ ملا فناریؒ اور ملا احمدی ناظم تاریخ اسکندر۔ اور حاجی پاشا مصنف کتاب الشفاء ہمدرس تھے اور شیخ اکمل الدین کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ایک ولی اللہ کو ملنے گئے انہوں نے احمدی کی نسبت فرمایا کہ یہ تو شعر وسخن میں عمر ضائع کریگا۔ اور حاجی پاشا طب میں غلطاں و پیچاں رہیگا۔ فناری کو فرمایا کہ یہ دین و دنیا اور علم و تقویٰ کا جامع ہوگا۔

جلال الدین سیوطیؒ ان کے شاگرد ہیں۔ اور ابن حجر ان کو اکثر علوم کا عالم تسلیم کرتے ہیں۔ ماہ رجب ۸۳۴ھ میں وفات پائی۔

امام احمد بن اسمٰعیل کورانیؒ

سلطان مراد خاں والیئے روم کے عہد میں نہائت ممتاز فاضلوں میں سے تھے۔ شیخ عارف۔ عالم عامل۔ فاضل کامل ولی اللہ ہونا ان کا مسلّم تھا۔ اصول فقہ حنفیہ اپنے ہی وطن میں پڑھ کر قاہرہ گئے اور اسی جگہ فقہ کی تکمیل کر کے قرآن مجید کو بہ ۱۰ قرات حفظ و اتقان کیساتھ پڑھا۔ نیز حدیث و تفسیر میں کمال حاصل کر کے علماء عصر کی سندات حاصل کیں۔ تکمیل حدیث کی سند انہوں نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے لی تھی۔ تکمیل کے بعد قاہرہ میں درس جاری فرمایا۔ اور جو علماء انکے درس میں آئے انہوں نے ان کی فضیلت کا اقرار کیا۔ انہی ایام میں مولےٰ یکان حجاز کو جاتے ہوئے قاہرہ آئے اور ان کو بلاد روم تک ساتھ لیگئے۔ جب مولیٰ یکان سلطان مراد سے ملے تو سلطان نے پوچھا کہ آپ ہمارے لئے کیا ہدیہ لائے۔ فرمایا۔ ایک عالم جو مفسر و محدث ہے سلطان نے پوچھا کہاں ہے۔ فرمایا۔ ظاہر۔ اُسیوقت احمد بن سہیل طلب ہوئے۔ سلطان ایک گھنٹہ تک ان کے ساتھ بات چیت کرتا رہا جب انکا پایہ فضیلت معلوم ہوا تو ان کو شہر

بروسہ کے مدرسہ مراد غازی کا پرنسپل مقرر کیا۔ اور پھر سلطان بایزید خاں کے مدرسہ میں تبدیل کر دیا۔
سلطان کا فرزند محمد شہر مغنیہ کا حاکم تھا۔ اور مطلق نہ پڑھتا تھا۔ سلطان نے چند استاد پیاپے مقرر کئے
لیکن شہزادہ نے کسی سے ایک سبق تک نہ پڑھا تحصیل علم تو درکنار قرآن مجید مقرا سے بھی معرّا رہا۔
سلطان نے چاہا کہ کوئی بارعب فاضل ملے تو اسے شہزادہ کا استاد بنائے سلطان کے سامنے
احمد بن اسمٰعیل کا ذکر ہوا سلطان نے ان کو بلایا۔ اور اپنے ہاتھ سے چھڑی دیکر تعلیم شاہزادہ پر مامور
فرمایا۔ مولانا اس چھڑی کو ہاتھ میں لئے ہوئے شہزادہ کے پاس گئے۔ اسے کہا مجھے سلطان نے
تمہاری تعلیم کیلئے مقرر کیا ہے اور یہ چھڑی دی ہے کہ اگر تم میرے احکام کی تعمیل نہ کرو تو میں
تمکو سزا دوں۔ شہزادہ یہ سنکر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ ملا کورانی نے شہزادہ کو پکڑ کر چھڑی سے خوب ہی
اڑایا۔ شہزادہ کے دل میں ان کا رعب جم گیا اور تھوڑے عرصہ میں ہی قرآن مجید ختم کر لیا۔ سلطان
مراد نے ان کو انعامات سے مالا مال کر دیا۔

جب سلطان محمد خاں سریر آرائے سلطنت ہوئے تو انکو وزارت پیش کی گئی۔ مگر انہوں نے
انکار کر دیا۔ کہا حضور کے اتنے خادم ہیں جو درجہ بدرجہ ترقی کی آرزو رکھتے ہیں۔ اور سب کی آنکھ
وزارت پر لگی رہتی ہے اگر اس سلسلہ میں سے کوئی بھی نہ ہوا۔ اور ایک ایسا شخص ہو گیا جو ان میں سے
نہیں تو سب کی دلشکنی ہو جائیگی۔ سلطان نے اس جواب کو پسند کیا اور انکو قاضی عسکر کر دیا انہوں
نے قاضی ہوکر کاروبار قضا اپنے اقارب کے سپرد کر دیئے سلطان کو یہ حرکت پسند نہ آئی مگر ازراہ شرم و ادب
کچھ نہ کہا وزیر سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا آپ انکے سامنے اوقاف بروسا کی خرابی کا ذکر کیجئے
دیکھیں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ سلطان نے ایسا ہی کیا۔ کورانی بولے کہ اگر مجھے مامور کر دیا جائے
تو انتظام ہو سکتا ہے سلطان نے کہا بیشک وہاں مدت سے آپکی ضرورت ہے اسپر ان کو قاضی
بروسا کر دیا گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد ان کے پاس خادم سلطانی سلطان کا خط لیکر آیا۔ اس میں کئی خلاف شرع
باتیں تھیں۔ کورانی نے خط چاک کر ڈالا۔ اور خادم کو خوب مارا سلطان اس حرکت سے سخت
ناراض ہوا۔ اور ان کو معزول کر دیا۔ یہ بھی خفا ہو گئے اور مصر چلے گئے۔ وہاں ملک قائتبائی
حکمران تھا اس نے ان کا نہایت ادب کیا۔ اور بکمال عزت و عظمت کیساتھ اپنے پاس ٹھیرایا
کچھ عرصہ کے بعد سلطان محمد خاں اپنی حرکت سے پشیمان ہوا اور اس نے ملک قائتبائی
کے نام فرمان لکھا کہ مولی کورانی کو یہاں بھیجدو۔ شاہ نے یہ فرمان کورانی کو سنایا اور یہ بھی التماس

کی کہ آپ یہاں ہی تشریف رکھیں میں سلطان سے بڑھکر حضور کیخدمت کرونگا۔ انھوں کہا یہ سچ ہے۔ مگر اب مجھے جانا ہی چاہیئے۔ کیونکہ مجھے سلطان کیساتھ اور سلطان کو میرے ساتھ حد درجہ محبت ہے جو باپ بیٹے ہی میں پائی جاتی ہے۔ سلطان جانتا ہے کہ میرا قلبی رجحان اور طبعی میلان بجانب سلطان ہے۔ پس اگر میں نہ گیا تو سلطان خواہ مخواہ یہ سمجھیگا کہ تم نے مجھے روک لیا ہے۔ اس سے تمہارے تعلقات بگڑ جائیں گے۔ یہ چند روزہ بدمزگی جو طرفین میں ہوگئی تھی یہ صرف اتفاقی امر تھا۔ شاہ مصر نے اس تقریر کو پسند کیا اور نہایت تعظیم و تکریم کیساتھ رخصت کردیا۔ اور سلطان کیلئے بھی قیمتی تحف و ہدایا روانہ کئے۔

سلطان محمد خاں نے قسطنطنیہ میں انکی تشریف آوری کے بعد انکو پھر قاضی بروسا کردیا۔ اور پھر منصب فتوٰی پر ممتاز بنایا۔ اسوقت انکی تنخواہ بیس ہزار درہم ماہوار تھی۔ پچاس ہزار سالانہ متفرقات کو ملتے تھے۔ تحف و ہدایا مزید برآں رہے۔ آخر عمر تک نہایت عیش و آرام کے ساتھ زیر حمایت سلطانی بسر کرتے رہے۔

انہی ایام میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی جس کا نام غایۃ الامانی فی تفسیر سبع المثانی رکھا۔ اس تفسیر میں اکثر جگہ زمخشری و بیضاوی پر اعتراضات وارد کیے ہیں۔ انہی ایام میں صحیح بخاری کی شرح لکھی جس کا نام کوثر الجاری علی ریاض البخاری رکھا۔ اس میں اکثر جگہ کرمانی اور ابن حجر پر اعتراضات درج کئے۔ شرح مجھری پر نہایت لطیف حواشی لکھے۔ حدیث و تفسیر اور علوم قرآن کا درس جاری کیا اور سینکڑوں طلبہ سند فضیلت لیکر انکے مکتب سے نکلے۔

ان کے تمام اوقات منقسم تھے اور کوئی وقت ایسا نہ تھا جو درس یا فتوٰی یا تصنیف یا عبادت سے خالی ہو۔ ان کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ میں ایک شب انکے کمرہ میں سویا۔ عشاء پڑھکر انھوں نے اوّل سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ بیچ میں میری آنکھ کھلی دیکھا کہ پڑھ رہے ہیں میں پھر سوگیا پھر آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سورہ ملک پر پہنچ گئے ہیں۔ غرض پو پھٹنے سے پہلے قرآن مجید ختم کردیا۔ میں نے خادم سے پوچھا۔ وہ بولا کہ یہ تو حضرت کی عادت مستمرہ ہے۔

ملا کورانی دراز قامت مہیب شخص تھے۔ ڈاڑھی گھن کی اور لمبی تھی۔ جسے رنگ کیا کرتے تھے راست گوئی میں نہایت دلیر تھے۔ سلطان اور وزیر کو نام لیکر بلایا کرتے تھے۔ جب سلطان سے ملنے آتے تو صرف سلام مسنون اور مصافحہ کیا کرتے نہ جھکتے نہ ہاتھ چومتے اور نہ عید کے دن ملنے جاتے۔ ایک دن سلطان بایزید خاں کو ملنے گئے خادم نے آکر کہا سلطان سلام کہتے ہیں اور التماس

کرتے ہیں کہ کل تشریف لائیے۔ اگلے روز عید تھی۔ کہا میں نہیں آؤنگا۔ خادم نے پھر آکر کہا۔ کہ چلئے بلاتے ہیں کہا بارش کیوجہ سے کیچڑ ہو رہا ہے۔ پیدل گیا تو جرابیں خراب ہو نگی۔ خادم نے کہا سلطان نے حضور کو اجازت دی ہے کہ دیوان خانہ تک سواری پر چلیں۔ جہاں سلطان سواری سے اُترتے ہیں وہاں اُتریں۔

یہ ہمیشہ سلطان کو نصیحت کیا کرتے اور کہا کرتے کہ اگر تو اپنے فرائض کو ادا نہیں کرتا تو کھانا اور پہننا تیرا سب کچھ حرام ہے۔ ایک روز ان کو سلطان کیساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ سلطان نے کہا مولانا آج تو آپ نے بھی حرام ہی کھایا۔ کہا میری طرف کا کھانا حلال اور آپکی طرف کا حرام ہے سلطان نے قاب پھرا دیا۔ اب کو رانی ادہر سے کھانے لگے جدہر سے سلطان کھا رہا تھا۔ سلطان نے کہا کہ اب تو آپنے بھی جانب حرام سے کھا لیا۔ کہا نہیں۔ اب حرام ادہر سے اُدہر منتقل ہو گیا تھا اسی لئے تمکو برتن پھیر دینے کی سوجھی۔ سلطان خاموش ہو گیا۔

ایک دن لوگوں نے کہا کہ شیخ ابن الوفا ملا خسرو کو ملنے چلے جاتے ہیں۔ اور آپ کی ملاقات کو کبھی نہیں آتے۔ فرمایا خسرو عالم باعمل ہے اُسکی زیارت ضروری ہے میں اگرچہ عالم ہوں مگر میں سلاطین سے ملتا جلتا ہوں۔ اس لئے میرے پاس آنا ضروری نہیں۔

ان کی طبیعت کا عجیب خاصہ یہ تھا کہ حسد نہ کرتے اگر معاصرین میں سے کسی کو عہدہ و منصب میں ان پر فوقیت دیجاتی۔ اور کوئی شخص اس بارہ میں ان سے کہتا تو فرما دیتے کہ انسان اپنے عیوب کو خود نہیں دیکھتا۔ اگر اُسے مجھ پر فضیلت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اُسے یہ منصب نہ دیتا۔

ایک روز انہوں نے سلطان محمد خاں کے پاس شکایت کے ضمن میں یہ حکایت سنائی کہ امیر تیمور نے کسی نہایت ضروری کام پر ایک قاصد روانہ کیا اور اُسے اجازت دیگئی کہ جہاں گھوڑا بدلنا چاہے وہاں خواہ کسی کا گھوڑا ملجائے حکماً لیلے۔ خواہ وہ شہزادہ ہی کیوں نہ ہو۔ قاصد سفر کو روانہ ہوا اُسے راہ میں ملا سعد الدین تفتازانی کا کیمپ ملا۔ وہ خیمہ کے اندر اُترے ہوئے تھے اور اُن کی سواری کے متعدد گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ قاصد نے ایک گھوڑا وہاں سے لیا اور چلنے کو تھا کہ تفتازانی کو خبر ہوگئی۔ انہوں نے خدام سے کہدیا کہ اسے پکڑ لو۔ نوکروں نے حسب الحکم پکڑ کر خوب زدوکوب کیا۔ قاصد مار پیٹ کھا کر امیر تیمور کے پاس واپس چلا گیا۔ امیر کو سخت غصہ آیا مگر تھوڑی دیر کے بعد کہا۔ اگر میرا فرزند شاہ رخ مرزا بھی ایسی حرکت کرتا تو میں اسے قتل کرا دیتا لیکن ایسے شخص کو میں کیونکر قتل کر سکتا ہوں کہ جس شہر یا ملک کو میں نے تلوار سے فتح کیا۔ وہاں اسکی

تصنیف پہلے سے داخل و رائج تھی۔
یہ سنا کر کرمانی نے کہا کہ میری تصنیفات مکہ معظمہ تک پہنچ چکی ہیں حالانکہ سلطان کی ہیبت وہاں نہیں پہنچی۔ سلطان نے کہا سچ ہے۔ تفتازانی کی تصانیف کو لوگ خود لکھ کر لیجایا کرتے تھے۔ اور آپنے خود اپنی تصنیف کو لکھا اور مکہ معظمہ بھیجدیا۔ کورانی ہنس پڑے اور اس جواب کو خوب ہی پسند کیا ۸۹۳ھ ہجری کو قسطنطنیہ میں وفات پائی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔
وفات کا قصہ بھی عجیب ہے فصل بہار کی ابتدا میں انہوں نے قسطنطنیہ سے باہر اپنا خیمہ لگوالیا اور تمام فصل بہار اسی میں رہے۔ پھر ایک باغ خریدا اور خریف کا موسم وہیں پورا کیا۔ اور ارکین دربار اور وزراء ہر ہفتہ ان کی زیارت کو جایا کرتے۔ ایک روز صبح کی نماز پڑھ کر کہا کہ شہر کے فلاں محل میں چلو۔ اشراق کیوقت اس میں چلے گئے اور قبلہ رخ پہلوئے راست پر لیٹ گئے اور تمام قاریان شہر کو جمع کر لیا۔ کہا تم لوگوں پر میرے کچھ حقوق ہیں اور آج انکے ادا کا نیکا دن ہے میں چاہتا ہوں کہ نماز عصر تک مجھے قرآن مجید سناتے رہو۔ قاریوں نے قرآن مجید شروع کر دیا۔ شہر میں یہ خبر مشتہر ہوگئی۔ داؤد پاشا وزیر اعظم کو ان سے کمال محبت تھی۔ وہ یہ حالت دیکھکر رونے لگا۔ فرمایا داؤد کیوں روتا ہے۔ کہا حضرت بہت ہی کمزور اور ضعیف ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے بے اختیار رونا آتا ہے۔ فرمایا تجھے اپنی حالت پر رونا چاہیئے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بسلامت رکھا۔ اور انشاء اللہ اب بسلامت ہی اٹھائیگا۔ بایزید (سلطان بایزید خاں) کو میرا سلام کہہ دینا وہ خود میرے جنازے پر آئے اور تدفین سے پہلے میرا قرض ادا کرے۔
انہی باتوں میں وقت ظہر ہوگیا۔ نماز ظہر اشارہ سے پڑھی اور وقت عصر کا اضطرابی کے ساتھ سوال کرنے لگے مؤذن نے نماز عصر کی اذان کہنی شروع کی۔ اور انہوں نے پہلی دفعہ اللہ اکبر سنا تو کلمہ طیب پڑھا اور روح کلمہ کیساتھ ہی پرواز کر گئی۔
سلطان نے ان کا تمام قرض قرضخواہوں کو بلا دریافت تمسک و شہادت ادا کر دیا جو ایک لاکھ اسی ہزار ہوا۔ اور پھر خود نماز جنازہ کیلئے حاضر ہوا۔ انکے جنازہ پر جس کثرت کیساتھ زن و مرد واقف تھے اور جس شدت سے عام و خاص پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے وہ ایک خاص واقعہ تھا۔ ہر شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ آج پدر حقیقی سر پر سے اٹھ گیا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

مُلّا مصلح الدین بروسوی المعروف خواجہ زادہ

خواجہ زادہ کے والد یوسف بن صالح تاجر تھے اور تجارت کیوجہ سے نہایت مالدار ہو گئے خواجہ زادہ کے چند بھائی تھے وہ سب تجارت پیشہ تھے۔ خواجہ کا میلان طبع تحصیل علوم کیطرف تھا۔ باپ ہر چند اُنکو تجارت کیطرف توجہ دلاتا اور مُلّا بننے سے روکتا تھا۔ مگر ان کو تجارت کیطرف ذرا میلان نہ تھا۔ باپ نے خفا ہو کر ان کا ایک درہم روزانہ مقرر کر دیا تھا اور اُنکے مقابلہ میں اُنکے بھائی نہایت عیش و آرام اور خدم و حشم سے رہا کرتے۔ ایک دن اُنکا والد شیخ شمس الدین سے جو عارف باللہ تھے ملنے گیا۔ اولاد بھی ساتھ تھی۔ اُنہوں نے خواجہ زادہ کے بھائیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا میرے فرزند ہیں۔ پھر خواجہ زادہ کیطرف جو میلے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے تھے اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے۔ کہا یہ بھی فرزند ہے۔ پوچھا یہ اس حالت میں کیوں ہے کہا اس نے میرے طریق کو چھوڑ دیا ہے اس لئے میں نے نظر سے گرا رکھا ہے۔ شیخ نے تاجر کو سمجھایا مگر اُنکی نصیحت بھی کارگر نہ ہوئی۔ وہ اُٹھ کر چلا گیا تو شیخ نے خواجہ زادہ کو قریب بلایا۔ تسلی دی اور فرمایا کہ اصل راہ یہی ہے جسپر تو چل رہا ہے۔ اطمینان رکھ خدا تجھے اس رتبہ پر پہنچائیگا کہ تیرے بھائی تیری خدمت کرینگے۔

طالب علمی میں ان کی یہ حالت تھی کہ کتاب نہ خرید سکتے تھے۔ ردی کاغذوں پر اپنا سبق کسی ہم جماعت کی کتاب سے نقل کر کے لکھ لیتے اسی تنگی و ترشی کیساتھ اُنہوں نے معتدبہ علم حاصل کر لیا۔ پھر ابن قاضی ایاثلوغ کیخدمت میں اصول و معانی و بیان کی تکمیل کی۔ پھر مدرسہ سلطانیہ بروسا میں حضر بک سے استفادہ کیا اور اکثر علوم کو بہ تکمیل پہنچایا۔ اُستاد ان سے محبت کرنے لگا اور اُنکو نقل سلیم سے مخاطب کرنے لگا۔ ایک روز مُلّا حضر بک نے ان کی سلطان مراد کے پاس سفارش کی سلطان سفر کو تیار تھا سر دست ان کو قصبہ کستل کا قاضی مقرر کر دیا اور سفر سے واپس ہو کر مدرسہ اسدیہ کا انتظام انکے سپرد کیا گیا۔ اُسوقت ان کی تنخواہ بیس درہم روزانہ تھی۔ یہاں چھ برس رہے اور تنگدستی سے گذران کرتے تھے۔ اسی جگہ اُنہوں نے شرح مواقف کو حفظ کر لیا تھا جب سلطان محمد خاں تخت نشین ہوا۔ اور علماء نے دیکھا کہ تحصیل علم کیجانب سلطان کی توجہ ہے تو دور دور سے چل کر سلطان کے پاس پہنچے۔ خواجہ زادہ نے بھی قسطنطنیہ کا ارادہ کیا۔ مگر بوجہ تنگدستی سامان سفر

کا انتظام نہ کر سکے ان کے پاس ایک ترکی خادم تھا وہ کہیں سے آٹھ سو درہم قرض لے آیا۔ انہوں نے دو گھوڑے خریدے ایک اپنے لئے ایک خادم کیلئے۔ اور قسطنطنیہ پہنچے۔

محمود پاشا وزیر سے ملے اُس نے کہا تم خوب آئے میں سلطان سے تمہارا ذکر کر چکا ہوں۔ میں چلتا ہوں تم بھی آجاؤ۔ اس وقت سلطان کے سامنے بحث ہو رہی ہے یہ گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے سلطان نے وزیر سے دریافت کیا۔ یہ کون ہے۔ کہا خواجہ زادہ۔ سلطان باخلاق پیش آیا۔ خواجہ زادہ نے دیکھا کہ سید علی اور ملا زیرک بحث کر رہے ہیں۔ یہ سید علی کیجانب ہو گئے۔ سید علی تو اُٹھکر چلے گئے۔ پھر بحث انہی کے درمیان رہ گئی۔ حتیٰ کہ ملا زیرک کو انہوں نے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور سلطان نے بھی ان کو کہہ دیا کہ تمہاری گفتگو کچھ نہیں۔

زاں بعد سلطان نے ملا زیرک و سید علی کو تو انعامات عطا فرمائے اور ان کی نسبت کچھ حکم نہ دیا۔ یہ نہایت رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے۔ خادم لڑ پڑا۔ کہا میاں صاحب اگر آپکو علم ہوتا تو سلطان آپکی بھی عزت کرتا۔ نوکر نے اس روز کچھ کام نہ کیا۔ پڑ کر سو رہا۔ انہوں نے گھوڑے کی خبر بھی خود لی اور پھر مغموم و حزین ہو کر ایک درخت کے نیچے جا بیٹھے۔

اتنے میں افسر سلطانی خواجہ زادہ کا خیمہ دریافت کرتے ہوئے کیمپ میں نظر آئے ان افسروں کا خیال تھا کہ دیگر شاید کیطرح وہ بھی کسی خیمہ میں ہونگے۔ لیکن ایک شخص نے انہیں بتلایا کہ وہ شخص جو زیر سایہ درخت بیٹھا ہے خواجہ زادہ وہی ہے۔ وہ آئے ان کو سلام کیا۔ پوچھا خواجہ زادہ آپ ہی ہیں۔ کہا ہاں وہ بولے کیا سچ! بولے ہاں۔ کہا مدرسہ اسدیہ کے معلم آپ ہی ہیں۔ کہا ہاں پوچھا کیا ملا زیرک کو آپنے آج ساکت کیا ہے؟ کہا ہاں۔ پھر تو وہ آگے آئے اور اُن کے ہاتھ پر بوسہ دیکر کہا سلطان نے آپکو اپنا اُستاد مقرر فرمایا ہے۔

پہلے تو میں سمجھا کہ یہ تمسخر کرتے ہیں لیکن اُسیوقت میرے لئے خیمہ لگایا گیا۔ سواری کیلئے گھوڑے خدمت کیلئے خادم۔ لباس کیلئے قیمتی پوشاکیں موجود کی گئیں۔ سائیس گھوڑا تیار کر کے لایا۔ کہ حضور کو سلطان المعظم کی خدمت میں چلنا چاہیئے۔

خواجہ زادہ فرماتے ہیں کہ ترک غلام ابتک سو رہا تھا میں نے اُسے جا کر بلایا۔ کہا اُٹھ اور دیکھ کہ میری کیا شان ہے۔ خادم نے آنکھیں تو نہ کھولیں مگر جواب میں کہا مجھے سونے دیجئے۔ میں آپ کی شان دیکھ چکا ہوں میں نے اسے اُٹھنے پر مجبور کیا۔ وہ دیکھکر ہکا بکا ہو گیا۔ کہا کیا بات ہے۔ میں نے کہا کہ میں خاص معلم سلطانی ہو گیا۔ خادم نے اُن کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور تقصیر خدمت کی معافی کا خواستگار

ہوا۔ خواجہ زادہ کے پاس علاوہ دیگر سامان کے دس ہزار درہم نقد بھی خزانہ سلطانی سے آچکے تھے
اُنہوں نے سب سے پہلے خادم کا قرض اُتارا۔ پھر سلطان کی خدمت میں گئے۔ سلطان نے ان سے
زنجانی پڑھی۔ اور اُنہوں نے اُسکی ایک شرح بھی لکھی۔ اُن کے تقرب کا یہ حال ہوگیا کہ وزیر اعظم
بھی اس پر حسد کرنے لگا۔

ایک روز اس نے سلطان سے کہا کہ خواجہ زادہ قاضی عسکر ہونا چاہتے ہیں۔ سلطان نے کہا وہ
ہمارے پاس سے کیوں دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ وزیر اعظم نے کہا معلوم نہیں۔ مگر اُنکا منشا یہ ضرور
ہے۔ اِدھر اُن سے کہا کہ سلطان نے آپکو قاضی عسکر مقرر فرمایا ہے۔ اُنہوں نے کہا میں پسند نہیں کرتا
کہا سلطان حکم دے چکے ہیں۔ انکو کام سنبھالنا پڑا۔

اُسوقت اُنکے والد زندہ تھا۔ جب اُس نے سنا کہ خواجہ زادہ قاضی عسکر ہوگئے ہیں۔ اوّل تو اُسے اعتبار
نہ آیا۔ اور جب صحت خبر یقینی ہوگئی تو بروسا سے اور نہ اقبالمند فرزند کو دیکھنے کے لئے آیا۔ اُن کو
خبر ہوئی تو استقبال کیلئے نکلے۔ شہر کے جملہ عمائد اور علماء وافسر بھی ساتھ تھے۔ جب تاجر کی نظر
ان پر پڑی تو پوچھا کہ یہ سامنے کیسا انبوہ ہے۔ لوگوں نے بتلایا کہ آپکا فرزند آپکے استقبال کو
آیا ہے۔ کہا وہ اس منصب تک پہنچ گیا۔ بولے ہاں۔ غرض جب وہ قریب پہنچے تو خواجہ زادہ گھوڑے
سے اُترے اور اُدھر اُن کے والد بھی دونوں بغلگیر ہوئے۔ باپ نے عذر و تاسف کیا۔ کہ میں نے تمہاری
کچھ تربیت نہ کی۔ وہ بولے نہیں اگر آپ مجھے زر و مال عطا فرماتے رہتے تو میں اس منصب تک نہ
پہنچتا۔ اُنہوں نے اپنے والد کو سلطان کے سامنے پیش کیا۔ اور سلطان نے اُسے شرف دست
بوسی عطا فرمایا۔ پھر خواجہ زادہ نے ایک بڑی دعوت دی جس میں جملہ اکابر و علما کو مدعو کیا۔ اس
دعوت میں اسقدر اکابر آئے کہ اُنکے بھائیوں کو کمرہ میں نشست کیلئے جگہ نہ ملی وہ خدام کی جگہ کھڑے
ہوگئے۔ خواجہ زادہ نے یہ دیکھکر کہا کہ عارف باللہ شیخ شمس الدین کی دعا پوری ہوگئی۔

بعد ازیں سلطان نے ان کو مدرسہ سلطانیہ بروسہ کا اہتمام سپرد کیا۔ انکو نہ اُستادِ سلطان
ہونیکا ناز تھا۔ نہ قاضی عسکر ہونیکا غرور۔ مگر اس مدرسہ کے مہتمم ہونیکا ضرور فخر کیا کرتے تھے (اس سے
اُس مدرسہ کی وقعت کا اندازہ کرنا چاہیئے) اُسوقت ان کو ۵۰ روپیہ روزانہ ملتے تھے اور عمر صرف
۳۳ سال کی تھی۔ یہ قاضی اور نہ پھر قاضی قسطنطنیہ کئے گئے۔

ملا عذاری کا قول ہے کہ انکا منصب قضا پر مامور ہوتے رہنا مصیبت پر مصیبت تھی
اگر وہ ان جھگڑوں میں نہ پڑتے تو اُن کے علم وفضل کے نتائج (تصنیفات) کو دیکھ کر بڑے

بڑے علماء دنگ رہجاتے

قسطنطنیہ میں محمد پاشا وزیر ہو چکا تھا جو سید علی کا شاگرد تھا۔ اور اسی لئے خواجہ زادہ سے خوش نہ تھا اس نے سلطان سے کہدیا کہ خواجہ زادہ یہاں کی آب و ہوا کو پسند نہیں کرتے آب و ہوائے ازنیق کی تعریف کرتے ہیں۔ سلطان نے کہا بہتر وہاں کی قضاء اور مدرسہ کا اہتمام ان کے سپرد کیا جائے۔ یہ بتعمیل حکم ازنیق آگئے۔ چند روز کے بعد پھر مستعفی ہو گئے۔ اور عذر کیا کہ اشغال علمیہ میں بہت حرج واقع ہوتا ہے۔

مستعفی ہو کر ایک روز محمد پاشا وزیر اعظم کو ملنے گئے۔ شہر میں جسقدر علماء اور سلطانی مدارس کے مہتمم تھے سب پا پیادہ ساتھ تھے اور یہ خچر پر سوار۔ وزیر یہ ٹھاٹھ دیکھکر حیران ہو گیا۔ مسند چھوڑ کر سامنے بیٹھ گیا۔ یہ صدر میں بیٹھے۔ جملہ علماء ازراہ ادب کھڑے رہے کیونکہ سب انکے شاگرد تھے۔ جب یہ واپس چلے گئے تو وزیر نے کہا کہ میں انکی عزت کیا کم کر سکتا ہوں جو منصب کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے علم سے تعلق رکھتی ہے۔

سلطان بایزید خاں نے اِن کو ملکر سلطانیہ بروسا کا مہتمم مقرر کر دیا تھا۔ اُسوقت ان کو سو روپیہ روزانہ ملتے تھے۔ یہاں انکے دست راست کو کچھ آسیب ہو گیا۔ اس لئے دست چپ سے لکھا کرتے پھر مفتی بروسا مقرر کئے گئے۔ عادت یہ تھی کہ جبتک کتابیں نہ دیکھ لیتے۔ فتوٰی نہ لکھتے۔ اگر ایک مسئلہ میں دو دفعہ بھی لکھنا پڑتا تو دونوں دفعہ کتابیں دیکھتے۔ کہا کرتے اگر میں سستی کرنے لگوں تو عادت تحقیق نہ رہے۔ کہا کرتے جب جواب مسئلہ مجھے کتب میں نہیں ملتا تو رائے سے جواب لکھ دیتا ہوں۔ یا اگر مسئلہ کی چند صورتیں ہوتی ہیں تو اُن میں سے ایک کو ترجیح دیدیتا ہوں۔ اور پھر کبھی نہ کبھی مجھے لکھا ہوا ملجاتا ہے کہ یہی اصح ہے یا اسی پر فتوٰی ہے۔ کہا کرتے کہ اس فہم سلیم کیوجہ سے مجھے اپنے معاصرین پر امتیاز رہا ہے۔

ملا جلال الدین دورنی نے ان کی کتاب التہافہ کو دیکھکر کہا تھا کہ میں بھی اس بارہ میں کچھ لکھنا چاہتا تھا لیکن اس کے مقابلہ میں ضرور مجھے ہنسی میں اُڑایا جاتا۔

غرائب الاتفاق میں سے یہ ہے کہ انھوں نے حکم سلطانی سے شرح المواقف پر حاشیہ لکھنا شروع کیا۔ مباحث الوجود کے اثناء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ملا بہاء الدین ان کے شاگرد اُس مسودہ کو صاف کرنے لگے اُنکا بھی اختتام مسودہ کے بعد انتقال ہو گیا۔ جس لفظ پر ناتمام مسودہ ختم ہوتا تھا وہ لاینتہ المطلوب تھا۔

خواجہ زادہ کہا کرتے تھے کہ مباحث علمیہ میں میرے جیسا ڈرپوک اور کوئی نہیں پوچھا گیا یہ کسطرح۔ کہا جبتک مطالعہ نہ کیا ہو تو میرے جیسا کوئی ڈرپوک نہیں۔ اور جب مطالعہ کرلوں۔ تو میرے جیسا کوئی نڈر نہیں۔

سنہ ۸۹۳ ہجری میں وفات پائی۔ روضہ میں دفن ہوئے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ ایک تکمیل علم کے بعد قاضی کستل ہو گئے تھے۔ یہ ملازمت چھوڑ کر راغب تصوّف ہو گئے۔ دوسرا عنفوانِ شباب میں ہی اپنی بہت سی قابلیتوں کو لئے ہوئے خاک میں جا چھپا۔

ان کے حال سے ناظرین کو یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ تجارت منافی علم ہے نہ کہ علم منافی تجارت۔ گزشتہ زمانہ کی بحث چھوڑ کر حال ہی کو دیکھئے کہ بغیر علم کے تجارت ہو ہی نہیں سکتی۔ آجکل تجارت میں جسقدر عزّت و اقتدار ہے وہ محض علم ہی کی بدولت ہے کیونکہ بڑی سے بڑی سلطنت کی عزّت و اقتدار کا اندازہ اُسکی رعایا کی تجارت کی وسعت پر کیا جاتا ہے اور جسقدر زیادہ کسی ملک کی تجارت ہے اُسی قدر وہ تہذیب و شائستگی تمدّن و تموّل میں بالاتر ہے۔

مشائخ و اصفیا

حضرت ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائیؒ

پہلے علم پڑھا درس فقہ کیا پھر عزلت و انفراد اور خلوت و عبادت پر لزوم کر لیا۔ ابتداء میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا جایا کرتے تھے حتیٰ کہ علم کلام میں کامل ہو گئے۔

ایک دن کسی شخص کیطرف کنکری اُٹھا کر ماری۔ کہا ابو سلیمان! پہلے تو تم زبان درازی کیا کرتے تھے اب دست درازی بھی کرنے لگے۔ اس سے ایک سال بعد امام جام کی خدمت میں آتے جاتے رہے۔ مگر نہ کسی سے کچھ پوچھتے اور نہ کسیکو جواب دیتے۔ جب سمجھ لیا کہ تکمیل علم ہو چکی اُسوقت اپنی تمام کتابیں دریائے فرات میں غرق کر دیں اور خود عبادت کیلئے مستعد ہو گئے ان کے پاس تین سو درہم تھے اُن ہی پر ۲۰ سال تک گذران کرتے رہے۔

کہتے ہیں ماں کے ورثہ میں ایک گھر ملا تھا اُس کا جب ایک کمرہ گر جاتا دوسرے میں جا رہتے مگر تعمیر اسے کبھی بھی نہ کرایا۔

محمد بن قحطبہ کوفہ میں آیا کہا مجھے ایک اتالیق کیضرورت ہے جو میرے بیٹوں کو ادب سکھلائے قرآن پڑھلائے اور سنت نبوی بتلائے اور فقہ و نحو و ادب میں واقف بنائے۔ لوگوں نے کہا یہ سب اوصاف داؤد طائی میں جمع ہیں اُس نے دس ہزار درہم داؤدؒ کے پاس بھیجے کہ یہ قبول فرماویں اور ان سے اپنی حالت درست بناویں۔ اُنہوں نے سب واپس کر دیئے اس کے بعد دو تھیلیاں دو غلاموں کو دیکر اُن سے کہدیا کہ اگر داؤدؒ نے انہیں رکھ لیا تو تم آزاد ہو۔ داؤد نے پھر بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ غلاموں نے عرض کی کہ ہم آپکی مہربانی سے آزاد ہو جاوینگے قبول فرما لیجئے۔ کہا انکار کر دینے سے میں خود دوزخ سے آزاد ہو جاؤنگا۔ اور جا کر کہدو کہ مجھے انکا نہ لینا ہی میرے حق میں بہتر تھا۔

کہتے ہیں انہوں نے چالیس برس تک برابر روزہ رکھا اور گھر والوں کو بھی خبر نہ ہوئی۔ کارخانہ کو جاتے ہوئے دوپہر کا کھانا ساتھ لیجاتے اور راہ میں کسی کو دیجاتے۔ شام کو گھر روٹی کھالیتے گھر والوں کو خبر نہ ہوتی کہ یہ روزہ سے تھے۔

ایک دن کسی نے کہا آپ داڑھی میں کنگھی نہیں کرتے فرمایا فرصت نہیں

ابو ربیع اعرج کہتے ہیں میں ایکدن انکو ملنے گیا۔ مجھے سخت پیاس لگی۔ مٹکے میں دیکھا تو گرم پانی تھا میں نے کہا کاش! آپ پانی پیتے اور مٹکا جدا رکھ چھوڑتے۔ فرمایا جب یہ عادت ہوجائے کہ پانی ٹھنڈا ہی پینا ہے اور کھانا عمدہ ہی کھانا ہے اور لباس نرم ہی پہننا ہے تب آخرت کیلئے تم نے کیا باقی چھوڑا۔؟ میں نے کہا۔ مجھے کچھ وصیت فرمائیے فرمایا دنیا سے روزہ رکھلے۔ جسے موت ہی کھولے اور عام لوگوں سے اسطرح بھاگ جسطرح درندہ سے بھاگا جاتا ہے۔ اور اہل تقویٰ کی مصاحبت اختیار کر۔ تو انکو دیکھ لیگا کہ وہ کتنے کم خرچ ہوتے ہیں اور بھائی کی کیسی اچھی مدد کیا کرتے ہیں۔ نیز جماعت کو کبھی ترک نہ کر بس عمل کیلئے یہی کافی ہے۔

ایک دفعہ ہارون رشید کوفہ میں آیا سب قاریوں کی ایک فہرست تیار کرالی۔ اور ہر ایک کو دو ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ داؤد طائی کا نام بھی فہرست میں تھا جب نام پکارے گئے تو داؤد موجود نہ تھے۔ کہا گیا کہ انکو خبر نہیں ہوتی۔ ہارون رشید نے کہا کہ گھر پہنچادو۔

حماد بن ابی حنیفہ اور ابن سماک بولے ہم لیجاتے ہیں راستہ میں آکر ابن سماک نے کہا مناسب یہ ہے کہ ہم اس روپیہ کو جاکر انکے پاس ڈھیر لگادیں کیونکہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ روپیہ دیکھکر اسکی آنکھیں کھلجاتی ہیں جب دونوں انکے پاس پہنچے تو روپیہ سامنے رکھدیا گیا۔ داؤد طائی بولے کہ یہ کھیل تو بچوں کیا نہ کیا کرتے ہیں پھر لینے سے انکار کردیا۔

ان کے پاس ایک لونڈی تھی جو خدمت کیا کرتی۔ ایک دن بولی۔ اگر آپ فرمائیں تو تھوڑا سا گوشت پکادوں فرمایا ہاں۔ میرا دل بھی چاہتا ہے اس نے گوشت خوب سنوار کر پکایا۔ جب سامنے لاکر رکھا تو پوچھا فلاں یتیموں کا کیا حال ہے۔ کہا بدستور بولے لیجاؤ! یہ گوشت بھی انہیں کھلاؤ لونڈی نے کہا اتنا عرصہ ہوگیا آپ نے سالن نہیں کھایا۔ آپ کھالیں۔ فرمایا یتیموں کا کھایا ہوا عرش پر پہنچیگا۔ اور میرا کھایا ہوا خاک ہوجائیگا۔

ایک دفعہ لونڈی نے روٹی آگے لارکھی نہ کھائی۔ کہا کیا بھوک نہیں فرمایا روٹی کھانے پانی پینے میں پچاس آیتوں کا وقت صرف ہوتا ہے۔

محارب بن دثار کہتے ہیں کہ اگر داؤد طائی امم گذشتہ میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اُن کا قصہ ہم کو ضرور سنواتا۔ ان کا انتقال ۱۶۵ھ یا ۱۶۶ھ میں ہوا۔

ان کے حالات سے یہ اخذ کرنا چاہیئے کہ پچھلے زمانہ میں جو صوفیائے کرام گذرے ہیں وہ اپنے لئے ذریعہ معاش خود حاصل کیا کرتے تھے اور باوجود ایسی تنگ گذران کے بھی یتیموں۔ رانڈوں کی اعانت کرنا فرض سمجھتے تھے۔ نہ یہ کہ صوفی بنکر اپنا بوجھ قوم کے سر پر ڈالدیتے اور نکھٹو بن جاتے تھے۔ وہ کسب کو فرض سمجھتے اور عبادت کو نفل

حضرت بشر حافیؒ

ان کی کنیت ابو نصر اور نام بشر بن حرث ہے چھٹی پشت میں عبد اللہ عبور سے جا ملتے ہیں یہ عبد اللہ عبور امیر المومنین حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔

بشر حافی کبار صالحین اور اعیان متورعین میں سے ہیں۔ ترسام ضلع مرو میں پیدا ہوئے اور بغداد میں آکر رہے۔ خاندانی امیر تھے۔ اور چند پشت سے انکے آباد اجداد دیوان وزیر چلے آتے تھے۔ خود بھی ابتدائی حالت میں امیرانہ طرز زندگی بسر کرتے اور عیش طرب میں رہتے تھے۔

ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ ایکدن انکو راہ میں کاغذ کا پرزہ ملا جسپر آنے جانیوالوں کے قدم پڑ رہے تھے۔ اُنہوں نے اُٹھا کر دیکھا تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا اسم پاک لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے کاغذ کو صاف کیا بازار سے عطر خرید کر اُسے معطر بنایا۔ پھر دیوار کی روزن میں احتیاط سے رکھدیا۔ رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے بشر! تو نے ہمارے نام کو معطر کیا ہے ہم دنیا و آخرت میں تیرے نام کو معطر کرینگے جب آنکھ کھلی تو گذشتہ اعمال کی ندامت و نفرت دلمیں جوش زن تھی۔ فوراً تائب ہوگئے۔

حافی (برہنہ پا) لقب کیوجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک جوتی کی نعل گر گئی یہ لوہار کے پاس گئے۔ وہ گھبرایا ہوا بیٹھا تھا۔ بولا دیکھو یہ لوگ ہمیں کسقدر تکلیف دیتے ہیں بشر نے سنتے ہی جوتا پھینکدیا۔ اور عہد کیا اب کبھی نہ پہنونگا کیونکہ مخلوق الٰہی میں سے ایک کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔

کہتے ہیں یہ ایک روز معافی بن عمران کو ملنے گئے دستک دی۔ پوچھا کون۔ کہا بشر حافی اندر سے ایک بھولی لڑکی بولی کاش! اگر پانچ چھ آنہ میں جوتا خرید لیتے تو حافی تو نہ کہلاتے۔ کسی نے بشر سے پوچھا

پوچھا کہ روٹی کیساتھ کیا سالن کھایا کرتے ہو۔ فرمایا صحت وعافیت کو یاد کرتا ہوں۔ اور اُسی کو سالن سمجھ لیتا ہوں۔

بشرؒ بسا اوقات یہ دعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنْ شَھَّرْتَنِیْ لِتَفْضَحَنِیْ فِی الْاٰخِرَۃِ فَاسْلُبْہُ عَنِّیْ الٰہی اگر دنیوی شہرت میرے لئے فضیحت آخرت کا سبب ہو تو میری شہرت کو معدوم فرما دے

اُن کا مقولہ ہے "دنیا میں عالم کیلئے عقوبت یہ ہے کہ اُسکی بصیرت کور ہو جائے"

فرمایا کرتے تھے "جو دنیا طلب کرتا ہے اُسے ذلت وخواری کیلئے آمادہ ہو جانا چاہیئے"

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ بشرؒ نے اصحاب حدیث کو کہا کہ اس علم کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہو۔ پوچھا زکوٰۃ کیا۔ فرمایا دو سو حدیثوں میں سے پانچ پر عمل کر لینا جیسے دو سو درم سے پانچ درم کا خیرات کرنا ہے

ان سے بڑے بڑے صالحین سری سقطیؒ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ امام غزالیؒ نے اپنی اکثر کتابوں خصوصاً احیاء علوم الدین میں انکے بہت سے اقوال درج کئے اور اُن سے سند پکڑی ہے

سنہ ۱۵۰ھ کو پیدا ہوئے اور چہار شنبہ ۱۰ محرم ۲۲۷ھ کو بغداد میں انتقال فرمایا۔

انکی تین ہمشیر تھیں مضغہ۔ مخہ۔ زبدہ۔ تینوں عابدہ۔ زاہدہ۔ متورعہ تھیں۔ مضغہ جو سب سے بڑی تھی۔ بشرؒ کی زندگی میں فوت ہو گئی تھی۔ ان کو بہن کی وفات سے نہائت صدمہ پہنچا۔ اور نہائت سخت آہ وبکا کرتے رہے۔ لوگوں نے اسکا سبب پوچھا۔ فرمایا مینے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ جب بندہ اپنے پروردگار کی خدمت میں قصور کرتا ہے تو اُسکے انیس وجلیس کو اُس سے جدا کر لیا جاتا ہے۔ دنیا میں میری انیس میری یہی بہن تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند ارجمند عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک بڑھیا والد بزرگوار کے پاس آئی۔ کہا جناب میں رات کو کبھی تو چراغ کی روشنی میں اور کبھی چاند کی چاندنی میں کاتا کرتی ہوں۔ کیا فروخت کیوقت مجھکو بتلا دینا چاہیئے کہ چاندنی میں کاتا ہوا کونسا ہے اور چراغ کی روشنی میں کونسا۔ فرمایا اگر تو دونوں میں کچھ تفاوت خیال کرتی ہے تو بتلا دیا کر۔ بڑھیا نے پھر یہ دریافت کیا کہ کیا بیمار کا کراہنا بھی شکائت میں داخل ہے۔ فرمایا نہیں شکائت نہیں۔ بلکہ اللہ سے اشتکاء ہے۔ وہ چلی گئی تو والد بزرگوار نے فرمایا کہ ایسے سوال کرتے ہوئے مینے کسی کو نہیں دیکھا۔ عبد اللہ تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور خبر لاؤ کہ یہ کون ہے۔ میں اسکے پیچھے پیچھے چلا وہ بشرؒ کے گھر میں داخل ہو گئی۔ مینے سمجھا انکی بہن ہے واپس آکر والد بزرگوار سے ذکر کیا۔ فرمایا بخدا محال ہے کہ بشرؒ کی بہن کے سوا یہ اور کوئی ہو۔

عبد اللہ سے روائت ہے کہ مخہ بشر حافیؒ کی دوسری بہن والد بزرگوار کے پاس آئی۔ کہا

ابو عبداللہ میرا سرمایہ کل دو درہم ہیں۔ اُنکی روئی خرید لیتی ہوں اور سوت کات کر نصف درہم نفع پر بیچ دیتی ہوں اور ہفتہ میں ایک درہم پر گذران کرتی ہوں میں رات کو کات رہی تھی کچھ لوگ مشعل لئے ہوئے میرے پاس سے گذرے میں نے اُسکی روشنی میں دو آٹی سوت کات لیا۔ لیکن یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اسبارہ میں مجھپر مواخذہ فرمائیگا کہ کیوں بلا اجازت دوسرے کی روشنی سے فائدہ اُٹھایا اب برائے خدا مجھے صورت نجات بتلائیے۔ خدا تعالیٰ تمکو بھی نجات نصیب کرے۔

امامؒ نے فرمایا اپنے کل سرمایہ کو خیرات کردے اور بالکل بے سرمایہ ہو جا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اُس سے بہتر تجھے عطا فرمائے وہ چلی گئی تو میں نے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ کاش آپ فرما دیتے کہ وہ اسی قدر سوت نکالدیتی۔ فرمایا لڑکے! جس درجے کا یہ سوال ہے اُسکی کوئی تاویل نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن تم یہ بتلاؤ کہ یہ کون تھی میں نے کہا مخہ بشر حافیؒ کی بہن۔ فرمایا تب ہی ایسے سوال کرتی ہے۔

بشر حافیؒ کہا کرتے تھے کہ میں نے ورع اپنی بہن سے سیکھا ہے جس کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی تھی کہ جو کھانا وہ کھائے اُس میں کسی مخلوق کا احسان نہ ہو۔

ان بزرگان دین کے حالات پر غور کرنے سے واضح ہوگا کہ اُنکی بزرگی و عظمت سلوک و معرفت کے بزرگ ترین تین اسباب تھے (۱) شعائر اللہ کی عظمت کرنا۔ (۲) اپنی کمائی سے روٹی کھانا۔ (۳) خلق خدا کو ضرر اور نقصان نہ پہنچانا۔ جب تک ان اوصاف کے حاصل کرنے کی ہمارے زمانہ کے مقدس صوفی اور بزرگوار علماء کوشش نہ فرماوینگے اور جبتک وہ ہمیشہ ایسی روٹی کی طلب میں نہیں رہینگے جس میں اُنکی محنت و خدمت کا حصہ شامل نہ ہو اسوقت تک وہ مسلم بزرگان دین کی راہ پر چلنے والے ثابت نہ ہونگے کاش افراد و اعیان قوم کو ورع کے صحیح معنے معلوم ہو جائیں اور اپنا لہو پسینہ ایک کرکے شکم پوری کرنا سیکھیں۔

حضرت ابو عبداللہ حرث بن اسد محاسبیؒ

مردان حقیقت میں سے ایک ہی نامی بزرگ ہیں۔ خدا نے ان کو علوم ظاہری اور علوم باطنی کا جامع بنایا تھا۔

ورع کا یہ حال تھا کہ باپ ستر ہزار روپیہ چھوڑ کر مرا تو انہوں نے اس روپیہ کو لینے سے اس بنیاد پر انکار کر دیا کہ وہ قدریہ تھا۔ یعنی قدریہ کو مجوس امت جانتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ صحیح روایت

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوچکا ہے کہ مخالف مذہب کیحالت میں ورثہ نہیں ملسکتا جسوقت اُنہوں نے اتنی بڑی رقم کثیر سے انکار کیا ہے اُسوقت یہ کوڑی کوڑی کو محتاج تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب اُنکے سامنے شبہ آمیز طعام رکھا جاتا اور یہ اُسے کھانا چاہتے تو انگلیوں کو پسینہ آجایا کرتا تھا۔

ایک دفعہ ان سے عقل کے معنے دریافت کئے گئے۔ فرمایا عقل ایک نور خالص ہے جو تجارب سے زیادہ ہوتا اور علم وحلم سے قوت پاتا ہے۔

کہا کرتے تھے کہ تین باتیں گویا ہم لوگوں میں سے جاتی رہی ہیں اوّل کشادہ روئی جس کیساتھ احتیاط بھی شامل ہو (۲) خوش گفتاری جس کیساتھ صفت امانت بھی لگی ہوئی ہو (۳) برادرانہ برتاؤ جس کے ساتھ وفاداری بھی ہو۔

یہی پہلے شخص تھے جنہوں نے صوفی اور محدث ہوکر علم کلام میں مستقل تصنیف کی بناء ڈالی امام احمد بن حنبلؒ تو انکی اس حرکت سے اس قدر ناراض ہوئے کہ میل ملاپ ہی چھوڑ دیا۔ امام رح کا گمان تھا کہ جب فرقہ مبتدع کا رد کیا جاتا ہے تو مصنف کو پہلے اُنکے دلائل واعتراضات و شبہات کا بیان کردینا اور پھر جواب لکھنا ہوتا ہے ممکن ہے کہ جس عمدہ عبارت میں یہ مصنف مخالف کے شبہات واعتراضات کو لکھ سکتا ہے ایسی عبارت میں مخالف نہ لکھ سکتا نہ بیان کرسکتا۔ اور ممکن ہے کہ کسی شخص کے دل میں وہ شبہ یا اعتراض پڑھتے ہی جانشین ہوجائے مگر اُسکا جواب دلنشین نہ آئے تو ان صورتوں میں رد کرنا کیا گویا خود اُسکو رواج دیا۔

کہا۔ امام رحمۃ اللہ علیہ کی یہ باریک بینی بھی بجائے خود صحیح ہے۔ لیکن جواب لکھنا۔ اور رد کرنا اسی وقت تک ہی مفید ہوتا ہے جب معترض جاہل ہو۔ اور فتنہ کے پھیلانے کا ڈر نہ ہو۔ لیکن جب عام لوگ گمراہ ہوچلیں اور علماء خاموش ہورہیں تو اُسوقت۔ اگر بینم کہ نابینا وچاہ است ؛ وگر خاموش بنشینم گناہ است۔ کا مصداق صحیح ثابت ہوگا۔

اس بزرگوار نے جسطرح علم کلام میں تصنیفات لکھیں۔ اسیطرح علم سلوک کے متعلق بھی کچھ مفید کتابیں تحریر فرمائیں اور اس علم میں ایک روح تازہ ڈالدی۔

شرح بیان یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ایک ایسا گروہ قائم ہوگیا تھا جنہوں نے تعمق و تشدد میں پڑکر احتیاط اور کسر نفس کے وہ معنی قرار دے لئے تھے جو شرع کے مقصود سے بالاتر تھے۔ یہ لوگ گویا حکیم کی دوا کا استعمال تو کرتے تھے مگر وزن دوا اور موسم کی رعایت

وغیرہ کو فضول سمجھتے تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ انسان کیلئے نفس اور عادت اور رسم بڑے موانع ہیں اس لئے انکا قلع قمع کر دینا چاہیئے۔ یہ قرار دیکر طعام لذیذ۔ لباس نرم اور جماع وغیرہ کو یکلخت چھوڑ دیا۔ اور صرف اس قدر طعام پر کفائت کر لی جس سے سانس باقی رہے۔ حبّ جاہ ومال کے فراموش کر دینے کیلئے سنسان جنگلوں اور غیر آباد پہاڑوں کی سیاحت و سکونت اختیار کر لی جسکا نتیجہ ہمیشہ خوفناک اموات ہوتا تھا۔ غرض ایسی طبیعت بنالی کہ نہ انکا دنیا کیساتھ لگاؤ رہا اور نہ دنیا کو ان سے کچھ رسم وراہ باقی رہی۔ قوت اور اکہ کو ریاضت کر کے ایسا بنا لیا کہ حدیث نفس کا دلمیں گذر ہی نہ ہو سکے۔ اور معانی اذکار کے سوا کوئی وہم تک نہ آسکے عبادات ومعاملات میں فقہاء کے اختلاف وشبہات کو نذر انداز کر کے اپنے اوقات کو ایسا معمور کر لیا تھا جس سے بڑھکر تصوّر میں نہیں آسکتا۔ غرض یہ ایک عامیانہ تصوّف تھا جس میں ریاضت کا کوئی اندازہ مقرر نہ تھا۔ اور اوّل وآخر راہ کی کچھ تمیز نہ تھی۔

حرث محاسبیؒ نے سب سے پہلے اس طریقہ پر نگاہ ڈالی۔ اور اُسکی درستی کے متعلق چند قاعدے مترتب کئے۔ تاہم ایک مخلوط جیسی کیفیت رہی انکے بعد جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس طریقہ کو اور بھی درست بنایا۔ اور سلوک کی بناء لطائف خمسہ نفس۔ قلب عقل روح۔ سرپر ڈالی گئی۔

جسم انسان کے اندر ہر ایک لطیفہ کیلئے مقام اور اُسکی خاصیت اور طریقہ تہذیب مقرر کیا چنانچہ نفس وقلب وعقل کی تہذیب کا نام اصطلاحًا طریقت رکھا۔ اور روح وسر کی تہذیب کا نام معرفت قرار دیا۔

قوت القلوب کے مصنفؒ جنکو صوفیہ میں وہی درجہ ہے۔ جو فقہاء میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو انہوں نے بھی حضرت جنیدؒ کے طریقہ کو ہی پسند کیا۔ اور انہیں وجوہ سے حضرت جنیدؒ کا لقب سید الطائفہ ہوگیا۔

خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ نے آٹھ اصطلاحیں اور قائم کر کے طریقہ کی بنیاد کو اپر قائم کیا۔ جو یہ ہیں (۱) ہوش دردم (۲) نظر برقدم (۳) سفر در وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) باز گشت (۷) نگہداشت (۸) یادداشت۔

خواجہ نقشبند احرار رحمۃ اللہ علیہ نے تین اصطلاحیں اور زیادہ فرمائیں۔ وقوف زمانی۔ وقوف قلبی۔ وقوف عددی۔ اب انکی مختصر طور پر تعریف سنو۔

ہوش در دم کے معنی ہر دم کی ہوشیاری ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر سانس پر یہ تجسس رکھنا کہ غافل ہوں یا ذاکر۔

نظر بر قدم سے یہ مراد ہے کہ چلتے پھرتے ادھر اُدھر نہ دیکھے بلکہ نظر کو پریشانی سے بچانے کیلئے قدم پر ہی جمائے رکھے۔

سفر در وطن سے مراد یہ ہے کہ بشری صفات خسیسہ سے ملکوتی صفات فاضلہ کیطرف نقل کرتا رہے۔

خلوت در انجمن سے یہ مراد ہے کہ جمیع حالات بشری میں رہکر بھی اللہ تعالیٰ سے مشغول رہے۔

یاد کرد سے مطلب یہ ہے کہ جس ذکر کی تعلیم مرشد نے دی ہو۔ اُسکا تکرار کرتا رہے۔

باز گشت سے مطلب یہ ہے کہ ذکر کے اندر مناجات کرے اور مناجات کے بعد ذکر۔ اسیطرح مکرر سہ کرر

نگاہ داشت۔ خطرات نفس اور احادیث خاطر کے دور کر دینے سے مراد ہے۔

یاد داشت۔ اُس توجہ سے مراد ہے جو واجب الوجود کی حقیقت پر الفاظ اور تخیلات سے خالی ہو کر کی جاوے۔

وقوف زمانی۔ ہوش در دم کے قریب قریب ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہوش در دم مبتدی کیلئے مناسب تر ہے اور وقوف زمانی متوسط کیلئے۔

وقوف عددی کا تعلق یاد کرد سے ہو سکتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ شمار ذکر طاق پر رکھے نہ جفت پر

وقوف قلبی سے مراد توجہ کو اُس دل کیطرف جو سینہ میں جانب چپ ہے منعطف رکھنا ہے۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے لطائف کو چھ قرار دیکر ہر ایک کے مقام اور رنگ کا تعین فرمایا۔ اور انتساب وارتباط کی نسبت کو قوی کر دیا۔ لطائف کی بحث وغیرہ کا بیان طویل ہے۔ اور اس جگہ ہمارے مقصود سے بھی بعید ہے اسقدر ذکر سے صرف یہ دکھلانا تھا کہ طریقہ سلوک جسپر صوفیہ چل رہے اور کتابیں لکھی جاتی ہیں اسکی بنیاد حرث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی تھی، زہد وسلوک میں اُنکی متعدد کتابیں ہیں اور شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کیساتھ اکثر جو انکی گفتگو ہوتی رہی وہ بعض کتب میں مفصل درج ہے۔

انہوں نے ۲۴۳ھ ہجری میں انتقال فرمایا۔ آخر میں ایسی عزلت گزینی اختیار کر رکھی تھی کہ جنازہ کی نماز پر بھی صرف چار شخص ہی پہنچے۔

محاسبی لقب کی وجہ یہ ہے کہ اپنے نفس کا خود حساب کر لیا کرتے اور اپنے اعمال پر روزانہ نظر ڈال لیتے تھے

امام الاولیا سیدّ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

عبد القادر نام۔ ابو صالح کنیت ہے۔ آپکا سلسلہ نسب بجانب والد بزرگوار امام حسن علیہ السّلام تک۔ اور منجانب والدہ مکرمہ امام حسین علیہ السّلام تک منتہی ہوتا ہے نسب عالی اس طرح ہے۔

شیخ عبد القادر بن سید موسیٰ بن سید عبد اللہ بن یحیی الزاہد بن سید محمد بن سید داؤد بن سید موسی بن سید عبد اللہ بن سید موسی الجون بن سید عبد اللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن سبط الرسول علیہ السّلام

امام حسن علیہ السّلام۔ ولادت نصف رمضان ۳ھ انتقال ربیع الاول ۵۹ھ ہجری

امام حسن مثنیٰ۔ (شوہر فاطمہ دختر امام حسین علیہ السّلام) وفات ۹۷ھ

عبد اللہ محض پہلے بزرگ ہیں جو جانبین (پدر و مادر) سے فاطمی ہیں اور شیخ بنو ہاشم کے لقب سے ملقب۔

موسی الجون۔ سانولے رنگ کیوجہ سے جون کہلائے تاریخ میں بہانت نام آور ہیں الغرض حضور کا سلسلہ نسب سلسلۃ الذہب ہے۔ بعض حساد نے حضور کے حسنی ہونے کا انکار اس لئے کیا۔ کہ حضور شیخ کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کو معلوم نہیں کہ زبانِ عرب میں شیخ کسی ذات یا قبیلہ کیلئے مستعمل نہیں۔ بلکہ اسم شیخ تو فضائل ذاتی اور کمالِ اصلی حکومت ظاہری۔ یا باطنی کے اظہار کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

آپکی ولادت گیلان میں ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ کو ہوئی۔ آخری سنہ زیادہ صحیح ہے ۹۱ سال کی عمر پائی اور ۵۶۲ھ کو ارتحال فرمایا۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

سنین کامل و عاشق تولد ۔۔۔ وفا تش واں کہ معشوق الٰہی

گیلان سے آپ تحصیل علم کیلئے بغداد میں آئے۔ اس سفر کیلئے والدہ مکرمہ نے چند اشرفیاں ان کی صدری میں سی دیں۔ آخری وصیت انکی یہ تھی۔ کہ بیٹا کبھی جھوٹ نہ بولنا جس قافلہ کیساتھ آپ سفر کر رہے تھے اس پر رہزن پڑے ایک ڈاکو نے ان سے پوچھا

ؔ لواقع الانوار شعرانی۔ ۱۲ منہ

کہ لڑکے تیرے پاس بھی کچھ ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ آتنی اشرفیاں ہیں وہ بولا کہاں۔ فرمایا یہ میری اندر کی صدری میں ہیں اُس نے تلاشی لی۔ اور اشرفیاں نکل آئیں۔ ڈاکو حیران رہ گیا۔ پوچھا۔ تو نے کیوں بتلایا۔ فرمایا میری والدہ نے کہا تھا کہ جھوٹ نہ بولنا۔ وہ آپ کو اپنے سردار کے پاس لے گیا۔ سردار پر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا۔ کہ اس نے قافلہ کا کل مال مغصوبہ واپس کر دیا۔ اور خود تائب ہو گیا۔ اور یہ واقعہ آپکی کرامات میں شمار ہوا۔

آپ نے نظامیہ میں تکمیل علوم حاصل کی اور ۱۳ علوم میں آپکو دستگاہ کامل حاصل تھی پھر خود اپنا درس جاری فرمایا۔ صبح و شام تفسیر اور حدیث اور مذہب و خلافیات اور اصول و نحو کا درس دیا کرتے تھے۔ ابتداء شافعی المذہب تھے۔ بعد ازاں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اصول پر جملہ مسائل کا استنباط قرآن مجید اور حدیث پاک سے فرمایا کرتے اور بس۔

درس کے بعد ریاضیات و مجاہدات کا شوق غالب ہوا اور برسوں تک بابل کے کھنڈرات میں گمنامی کے ساتھ مصروف عبادت و ریاضیات رہے۔ اس درجہ کی تکمیل کے بعد پھر بغداد میں تشریف لائے۔

درس علوم کیساتھ درس توحید کو بھی شامل فرمایا۔ دنیائے اسلام میں آپکی شہرت و عظمت کا آوازہ پھیل گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ مرجع الخلائق ہو گئے۔

علمائے عراق مسائل مشکلہ میں آپ سے ہدایت حاصل کیا کرتے تھے۔ ایک فتویٰ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے طلاق بائن کی قسم کھالی۔ اگر وہ زمین پر تنہا ایسی عبادت نہ کرے جسے اور نہ کر رہے ہوں۔ کسی عالم کی سمجھ میں اس کا جواب نہ آیا۔ پیران پیر نے فرمایا۔ وہ مکہ معظمہ جائے اور مطاف کو خالی کرا کر طواف کرلے قسم پوری ہو جائیگی۔ سب نے اس جواب کو پسند کیا اور سُبْحَانَ مَنْ اَنْعَمَ عَلَیْہِ زبان سے ادا کیا۔ (پاک ہے وہ ذات جس نے اس بندہ پر یہ انعام فرمایا)

فرمایا کرتے کہ بعض اوقات مجھ پر ایسے ایسے باطنی بار گراں آ کر پڑے ہیں کہ اگر پہاڑ پر آ گرتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ میں اُسوقت اپنا پہلو خاک پر رکھ دیتا ہوں۔ اور یہ آیت مبارکہ پڑھا کرتا ہوں۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا وَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اُس بوجھ کو دور فرما دیتا ہے۔

فرمایا۔ ایام ریاضیات کا ذکر ہے۔ کہ ایک روز میں سر و پا برہنہ سر بسجر اگشت لگا رہا تھا۔

کانٹے پاؤں چوم رہے تھے۔ آفتاب کی تمازت سر کی چتر بنی ہوئی تھی۔ میں اپنی حالت میں محو تھا۔ چلتے چلتے بیہوش ہو کر گر پڑا۔ کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھے مردہ سمجھا آبادی میں لائے۔ دفن کفن کی تیاری کر لی گئی۔ جب مجھے غسل کیلئے تختہ پر ڈالا گیا۔ تو پانی پڑتے ہی مجھے ہوش آ گیا۔ اور اٹھ بیٹھا۔ اور سمجھا کہ لطف ربانی سے حیات تازہ عطا ہوئی ہے

آپکے عہد میں ایک زاہد صاحب نے دعویٰ کیا۔ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو بچشم سر دیکھا ہے اُسے حضور کے سامنے لایا گیا۔ حضور نے اُسے جھڑکا۔ اور توبہ کیلئے ارشاد فرمایا۔ وہ تائب ہو گیا لوگوں نے پوچھا۔ کیا یہ کاذب ہے۔ فرمایا نہیں اسکی بصیرت پر تجلی ربانی ہوئی۔ اور بصیرت کا انعکاس بصر پر ہوا۔ اور اس نے سمجھا کہ یہ واقعہ رویت بصری ہے۔ حالانکہ بصیرت اور شے ہے اور بصر اور شے۔ بعد ازاں یہ آیت پڑھی مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ اہل علم محظوظ ہوئے اور اہل دل نے حظ عظیم حاصل کیا۔

فرمایا ایک بار میرے سامنے نور عظیم جلوہ ریز ہوا۔ وہ سارے آفاق پر چھایا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ نور مجھ سے قریب تر ہوتا گیا۔ اور پھر آواز دی اے عبد القادر میں تیرا رب ہوں۔ اور میں جملہ محرمات تجھ پر حلال کرتا ہوں۔ میں نے کہا دور ہو۔ دور لعین۔ یہ کہتے ہی وہ نور تاریکی سے بدل گیا۔ اور بڑی بو نکلی۔ پھر آواز آئی کہ عبد القادرؒ تو اپنے علم کیوجہ سے میرے داؤ پیچ سے بچ نکلا۔ ورنہ میں ستر نامور شخصوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا۔ میں کون۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ لوگوں نے پوچھا حضور کیونکر سمجھے کہ وہ شیطان ہے۔ فرمایا۔ اس کے یہ کہنے سے کہ محرمات کو تجھ پر حلال کرتا ہوں۔

فرمایا کرتے۔ کہ فقیر صابر غنی شاکر سے بہتر ہے اور فقیر شاکر دونوں سے بہتر۔ اور فقیر صابر وشاکر سب سے افضل ہے۔

لوگوں نے پوچھا حسن خلق کسے کہتے ہیں۔ فرمایا مطالعہ حق۔ اور استصغار نفس کے بعد تجھے خلق خدا کے جور وجفا کا احساس نہ ہو اُسے حسن خلق کہتے ہیں۔

پوچھا گیا۔ لقا کسے کہتے ہیں۔ فرمایا لقا کا تعلق لقا سے ہے اور لقا کی حالت کلمح البصر اَوْ اَقْرَبُ ہوتی ہے۔

فرمایا کرتے۔ ذاکر محب ہے اور ذکر الٰہی پر دل لگانے والا محبوب۔ دنیا تیرے لئے حجاب ہے۔ اور تیرا نفس اللہ کیلئے حجاب ہے۔

شیخ علی بن ہیتی کا قول ہے کہ شیخ عبدالقادر کا طریق تجرید توحید اور تفرید توحید کا ہے وہ موقف عبودیت میں قائم الاحوال ہیں۔ اور یہ وقوف نہ کسی شے کیلئے ہے اور نہ کسیکی معاونت سے ہے۔

شیخ بقا بن بطور کا قول ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ اتحاد قول و فعل کا طریقہ ہے اس طریقہ میں اخلاص و تسلیم کا معانقہ ضروری ہے۔ یہ وہ طریق ہے کہ ہر ایک خطرہ اور واردات قلبی اور مشاہدات میں موافقت کتاب و سنت لازمی ہے۔

اکثر اولیاء کا قول ہے کہ حضور کا طریقہ توحید وصفاء اور حکمت و حال کا طریقہ ہے شریعت کی پابندی ظاہراً و باطناً ضروری ہے قلب فارغ۔ نفس غائب اور رب حاضر کیساتھ معاملات کی ترقی ہوتی ہے۔

ابوالفتح ہروی کہتے ہیں مجھے ایک شب حضور کیساتھ حجرہ خاص میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ اول شب ہلکے سے نفل پڑھے۔ پھر ذکر میں مشغول ہوگئے اور ثلث شب تک ذکر کرتے رہے پھر نوافل کیلئے کھڑے ہوگئے اور تلاوت شروع کردی۔ ثلث دوم اسیطرح پوری کردی۔ اس نماز میں سجدات بہت ہی لمبے لمبے ہوتے تھے۔ بعدازاں قبلہ رخ بیٹھ گئے۔ اور دعا مانگنے لگے۔ دعا تذلل و زاری اور التہاب و بیقراری کا نمونہ تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ حضور پر نور اتر رہا ہے جس سے میری نگاہ چکا چوند رہجاتی۔

خاصان بارگاہ کو بایں الفاظ نصیحت فرمایا کرتے۔

اِتَّبِعُوْا وَلَا تَبْتَدِعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَلَا تَخْرُقُوْا وَتَطَهَّرُوْا مِنَ الذُّنُوْبِ وَلَا تَلَطَّخُوْا

اتباع کرنا سیکھو۔ بدعت کے کام مت نکالو۔ اطاعت کیا کرو۔ الگ راہ اختیار نہ کرو۔ گناہوں سے طہارت حاصل کرو۔

وَعَنْ بَابِ مَوْلَاكُمْ لَا تَبْرَحُوْا وَاصْبِرُوْا وَلَا تَجْزَعُوْا وَاثْبُتُوْا

ان میں آلودہ نہ ہوا کرو۔ اپنے مالک کے آستانہ پر ڈٹے رہو۔ صبر رکھو۔ بے صبری سے بچو ثابت قدم رہو۔

وَلَا تَتَفَرَّقُوْا وَلَا تَيْاَسُوْا وَاجْتَمِعُوْا عَلَى الذِّكْرِ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا

تفرقہ سے بچو۔ رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو۔ ذکر الٰہی کیلئے اکٹھے ہوجایا کرو۔ اور فرقہ فرقہ نہ بنو۔

آپکی تعلیم تھی۔ اپنی نفسانیت سے علیحدہ ہوجاؤ اور دعوئ ملکیت سے دست بردار

رہو۔ اور سب اشیاء کو مالک کے سپرد کرو۔ اور اپنے دل کے دروازہ پر دربان بنکر بیٹھ جاؤ جسے اندر جانے کی اجازت ہے اُسے اندر جانے دو۔ اور جسکے لئے اجازت نہیں اُسے روکو۔ اور یاد رکھو کہ ہوا و خواہش کو قلب کے اندر نہ جانے دو۔ یہ تجھے ہلاک کر دیگا۔

فرمایا کرتے اپنے احوال کی شکایت کسی دوسرے سے مت کرو۔ نہ دوست سے نہ قرابتی سے ایسا کرنا تو اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا ہے۔ ہاں کسی مخلوق پر اعتماد اور بھروسہ نہ رکھ اور کسی سے کچھ سوال بھی مت کر۔ اور کسیکو دکھی حالت بھی مت بتا۔ یاد رکھو کہ رب کے سوا کوئی فاعل نہیں اُسی کے قبضہ میں ہر شے کی مقدار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھے ضرر کیلئے گرفت کرے۔ تو اس کے سوا اور کوئی اس حال کا دور کرنے والا بھی نہیں۔

فرمایا کرتے۔ شاہان دنیا کے دربار میں لوگ جب جاسکتے ہیں کہ صاف و پاکیزہ ہوں۔ پھر شاہنشاہ حقیقی کے دربار میں عصیان کی نجاستوں اور شرک کی آلودگیوں کے ساتھ کیونکر داخل ہو سکتا ہے۔

فرمایا کرتے۔ اگر تیرے دل میں کسی شخص کی محبت یا بغض ہو تو اُسکے اعمال کو کتاب و سنت کے سامنے لاؤ۔ اگر اس کسوٹی پر اسکے اعمال پسندیدہ ہوں تو اس سے محبت کیا کرو۔ اور اگر مکروہ ثابت ہوں تو خود بھی اُس سے کراہت رکھو۔ اگر ایسا نہ کروگے تب تمہاری محبت یا بغض کی بنیاد ہوائے نفسانی ہوگی اور اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے۔ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہوائے (خواہش نفس) کی پیروی نہ کرو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دے گی۔

فرمایا کرتے۔ ابتلاء کا بطور عقوبت و عذاب ہونا اسطرح ثابت ہوجاتا ہے کہ صبر جاتا رہے اور خلقت کے سامنے وہ شخص آہ و زاری کیا کرے۔ اور ابتلاء کا بطور کفارہ گناہ ہونا اسطرح ثابت ہوتا ہے کہ صبر جمیل کے ساتھ اسکی برداشت ہو۔ نہ شکوہ ہو نہ شکایت نہ گریہ ہو نہ زاری

طریق معاشرت آپ کا طریق ماند و بود ظاہراً امیرانہ ہوا کرتا تھا۔ نہایت متکلف لباس زیب تن فرماتے جو پارچات خلیفہ وقت کیلئے تیار ہوکر آتے۔ انہی کا استعمال خود بھی فرمایا کرتے۔

آپکی عظمت آپکے عہد سے لیکر آجتک جقدر اہل کمال اہل علم و فضل گزرے ہیں۔ وہ سب کے سب آپکی جلالت شان اور رفعت دستگاہ کے معترف رہے ہیں۔ اہل حدیث

اہل فقہ۔ اہل کلام۔ اہل تصوف سب نے آپکا امام ہونا تسلیم کیا ہے۔ حتیٰ کہ پیران پیر کا لقب علی آپ ہی کیلئے علَم و معرف بن گیا ہے۔

شیخ سعدی شیرازی (المولود ۵۷۱ھ) نے بھی نظامیہ بغداد ہی میں تعلیم پائی تھی۔ جہاں حضرت پیران پیر بھی متعلم و معلّم رہے تھے۔ سعدیؒ کی ولادت آپکی وفات سے ۱۳۔۱۴ سال بعد کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس قریب ترین زمانہ میں بھی لوگوں میں حضرتؒ کے اقوال و افعال مشہور و معروف تھے۔ گلستاں میں ہے "عبدالقادر جیلانی را دیدند کہ سر بر سنگ ریزہائے کعبہ نہادہ میگفت کہ اے بار خدائے اگر من لائق بخشائش نیستم مرا در روز قیامت نابینا بردار تا در روئے نیکاں شرمسار نہ باشم"

جو لوگ زیارت کعبہ (زادہا اللہ شرفا و تعظیما) سے مشرف ہو چکے ہیں انہوں نے دیکھا ہوگا کہ صحن کعبہ میں پتھر کی کنکریاں بچھی ہوتی ہیں۔ مسجد نبویؐ میں کنکریوں کے بچھانے کا دستور گل ولائی سے بچنے کیلئے نکلا تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے اس فعل کا استحسان فرمایا تھا۔ عمر فاروقؓ کے عہد میں حرمین کی ہر دو مساجد عالیہ کے صحن میں بھی کنکریاں بچھائی گئیں۔ یہ جلد ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور دھوپ کا اثر ان سے جلد زائل ہو جاتا ہے۔

لوگ ان کنکریوں پر جانماز۔ مصلّی وغیرہ کا فرش کر کے نماز پڑھا کرتے ہیں۔ حضرت پیران پیر کے اظہار افتقار و عبودیت پر نگاہ کرو۔ کہ ان کنکریوں پر کوئی کپڑا نہیں بچھایا۔ اب غور کرو الفاظ پر۔ اُن سے کسقدر تذلل اور احتقار نفس۔ اور کبریائی مسجود کا اظہار ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سعدی رحمۃ اللہ کے نزدیک حضرت کی صدہا کرامات میں سے سب سے بڑی کرامت یہی تھی جسے انہوں نے اپنی بے نظیر تصنیف گلستاں کیلئے انتخاب فرمایا۔ کہ حضرت کے مقام عبودیت کو کھلی روشنی میں دکھلا دیا جائے۔ درحقیقت ہر ایک بزرگ کی بزرگی۔ اور ہر ایک رفیع الذکر کی رفعت و منزلگاہ مقام عبودیت ہی پر منحصر ہے اللھم ارزقنا منہ نصیبا وافرا۔

حضرت کی تصانیف میں سے زیادہ مشہور غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ہیں جس شخص نے فتوح الغیب کو غور و تدبر سے نہیں پڑھا۔ وہ حضرت سے بالکل ناآشنا ہے۔

اس کتاب میں علم و حکمت اور اسرار و معرفت کے لطائف عالیہ درج ہیں اسی کتاب سے انسان تصوف اسلامیہ کا فرق تصوف یونانیہ و ایرانیہ و ہندیہ سے معلوم کر سکتا ہے۔

فتوح الغیب سے واضح ہے کہ حضرت نے اہل مجاہدہ و محاسبہ کو مندرجہ ذیل دس نصیحتیں فرمائی تھیں اور فرمایا کہ ان خصال کی پابندی سے منازل عالیہ تک رسائی ہو جاتی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی سوگند نہ کھاؤ۔ احتیاط رکھو کہ سہواً بھی تمہاری زبان سے حلف یا اللہ کا لفظ نہ نکلے۔ اس خصلت کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار کا ایک دروازہ اس کے قلب پر کھول دیا جاتا ہے۔ رفعت پایہ حاصل ہوتی ہے اور عزم و ارادہ میں قوت و استحکام آجاتا ہے۔

۲۔ جھوٹ سے بچو ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ کا استعمال نہ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرح صدر فرمائیگا۔ اور علم صافی عطا کریگا۔

۳۔ ایفائے وعدہ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سخا و حیا کے مراتب تم پر آشکارا ہو جائینگے

۴۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کیلئے لعنت کا لفظ استعمال نہ کرو۔ ابرار و صادقین کے اخلاق کا یہی نمونہ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسکی بھی حفظ آبرو فرماتا ہے۔ اور گزند خلق سے اسے مامون کر دیتا ہے۔

۵۔ کسی کے لئے بد دعا نہ کرو۔ جور و ستم کی برداشت صبر کیساتھ کیا کرو۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ محبت عامہ اور قبولیت عامہ کا منصب اسے مخلوق میں مل جاتا ہے۔

۶۔ اہل قبلہ میں سے کسی کے مشرک یا کافر یا منافق ہونیکی قطعی شہادت نہ دو۔ اسی میں اتباع سنت نبوی ہے۔ اور اسی بات سے علم الٰہی میں مداخلت کرنے سے انسان بچ سکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رحمت عامہ کے فیضان سے اُسے بھی حصہ کثیر مل جاتا ہے۔

۷۔ معاصی سے ظاہری ہوں یا باطنی۔ بالکل قطع نظر کرلے اور اپنے جوارح کو بھی بچائے نتیجہ یہ ہے کہ قلب و جوارح کو اس کا اثر تام جلد جلد معلوم ہو جائیگا۔

۸۔ اپنی معیشت و روزی کا بوجھ کسی مخلوق پر نہ ڈالے۔ اسی عادت مبارکہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت بخوش اسلوبی ادا ہو سکتی ہے۔ اور اسی میں کمال عزت ہے۔ اسی سے یقین اور اعتماد علی اللہ کی صفات کی تکمیل ہوتی ہے۔

۹۔ ابن آدم سے ذرا بھی طمع نہ رکھے۔ عزت بزرگ غنا خالص۔ یقین صافی۔ توکل شافی اسی خصلت میں ہے۔ زہد و ورع کا حصول اسی بات پر منحصر ہے۔

۱۰۔ تواضع اور مدارات کو اپنی عادت بنائے۔ اسی خصلت میں جملہ طاعات شامل ہو جاتی ہیں اسی میں علو منزلت ہے۔ یہی کمال تقویٰ ہے اور منازل صالحین تک رسائی اسی خصلت سے ممکن ہے۔

مرض الموت کا حال۔ مرض الموت میں فرزند اکبر سیف الدین عبد الوہاب کو فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں وصیت کر جاؤں کہ میرے بعد تمہارا عمل کیا ہونا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ لازم پکڑو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بیم و رجا نہ رکھو۔ جملہ حاجات اللہ تعالیٰ کو سپرد کر دو۔ اور اسی سے جملہ حاجات کا سوال بھی کرو۔ بغیر اللہ پر اعتبار نہ کرو۔

پھر فرمایا۔ التوحید۔ التوحید اس مسئلہ پر تو سب کا اجماع کلی ہے

حضرت کے فرزند عبد العزیز نے پوچھا۔ کہ حضور کو کیا تکلیف ہے۔

فرمایا یہ سوال ہی نہ کرو۔ علم آلٰہی کے اندر جو کچھ میرے لئے ہے اُسی کا ظہور مجھ پر ہو رہا ہے

انہوں نے پھر پوچھا حضور کو مرض کیا ہے۔

فرمایا۔ میرے مرض کو کوئی فرشتہ یا جن و انسان نہیں جان سکتا۔ میرا مرض میرے مالک کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم اللہ کے حکم کا ناقض نہیں۔ حکم میں تغیر ہوتا ہے مگر علم میں نہیں۔

حضرت کے فرزند عبد الجبار نے پوچھا۔ کچھ حضور کا دکھتا ہے۔ فرمایا ہاں سارا جسم۔ ایک قلب نہیں۔ کہ وہ صحیح و سالم ہے۔

حالت نزع طاری ہوئی۔ میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی مدد چاہتا ہوں۔ وہی مالک زندہ و توانا ہے۔ جسے موت نہیں چھو سکتی۔ وہی ہے جس کی قدرت غالب ہے اور وہی ہے جو بندوں کو موت سے محکوم کرتا ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

بعد ازاں ایک بلند چیخ ماری اور تین بار اللہ۔ اللہ۔ اللہ کہا۔ پھر زبان تالو سے لگ گئی اور جسم مبارک سے روح انور پرواز کر گئی[۱]

اَللّٰھُمَّ اخْتِمْ لَنَا بِالْخَیْرِ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ

اٰمِیْن۔ اٰمِیْن۔ اٰمِیْن

---

[۱] ملخص از لواقح الانوار۔ واخبار الاخیار۔ وفتوح الغیب۔ وغیرہا۔ ۱۲ منہ۔

آقا شمس الدینؒ

واصل الی اللہ شمس الملتہ والدین محمد بن حمزہ مشہور بہ آقا شمس الدین حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد سے ہیں۔

دمشق میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ کے ساتھ چھوٹی عمر میں ہی بلاد روم میں آئے۔ یہاں آکر علوم درسیہ کی تکمیل کی اور مدرسہ عثمانجق کے مدرس ہو گئے ان کا میلان طبع تصوف کیطرف تھا ایک صالح مرد جوان کے دوست تھے۔ وہ انکو ہمیشہ حاجی بیرام سے بیعت کرنیکی ترغیب دیا کرتے تھے لیکن یہ انکار ہی رکھتے۔ کیونکہ حاجی بیرام کا قاعدہ تھا کہ قرضداروں کے قرض اُتارنے یا مساکین وغیرہا کی حاجات ادا کردینے کی غرض سے سوال کیا کرتے۔ اور زرچندہ وصول کرنیکی غرض سے بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔ حاجی صاحب تو اسکو کسر نفس اور ہمدردی خلق کا ذریعہ سمجھتے تھے لیکن آقا شمس الدین کو انکی یہ حرکت اچھی نہ معلوم دیتی تھی۔ انہی دنوں میں اُنہوں نے شیخ زین الدین فانی کا آوازہ سنا۔ تدریس چھوڑکر اُدھر چلدیئے۔ جب حلب پہنچے تو وہاں خواب دیکھا کہ انکی گردن میں ایک زنجیر پڑی ہوئی ہے اور اسکا دوسرا سرا حاجی بیرام صاحب کے ہاتھ میں ہے یہ وہاں سے واپس ہوئے۔ پہلے عثمانجق آئے۔ پھر حاجی صاحب کی خدمت میں روانہ ہوئے جسوقت یہ پہنچے ہیں اُسوقت حاجی صاحب اپنے مریدوں کے ساتھ کھیتی کاٹ رہے تھے۔ آقا شمس الدین بھی کھیتی کاٹنے لگے۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو کھانا آیا۔ جو فقراء کے سامنے رکھا گیا۔ اور اُس میں سے ایک حصہ کتوں کیلئے جدا کر دیا گیا۔ حاجی صاحب اور درویش کھانے لگے اُنہوں نے آقا شمس الدین کیطرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ اور نہ کھانے کیلئے بلایا آقا شمس الدین اُٹھے اور کتوں کیساتھ بیٹھکر کھانے لگ گئے (شاید آپنے خواب کی تعبیر کو پورا کرنا ضروری سمجھا) حاجی بیرام پکار اُٹھے۔ لڑکے یہاں آؤ۔ میرے پاس بیٹھو۔ تم نے تو میرے دلکو چھین لیا۔ غرض مرشد کے پاس حصول طریقہ میں مشغول ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں مقامات سنیہ اور کرامات علیہ کو پہنچ گئے۔ آپکے اوصاف میں سے یہ بھی ہے۔ کہ طبیب ارواح بھی تھے اور طبیب ابدان بھی۔ طب میں چند تصنیفات بھی ہیں ایک دفعہ خلیل پاشا وزیر کا بیٹا سلیمان چلبی جو قاضی افواج تھا۔ سخت بیمار ہو گیا۔ وزیر نے آقا شمس الدین کو علاج کیلئے

بلایا۔ جسوقت یہ پہنچے ہیں اطبائے شاہی بیمار کے گرداگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ آقا نے پوچھا آپنے کیا مرض تشخیص کیا انہوں نے نام بتلایا۔ فرمایا نہیں برسام کا علاج کرنا چاہیئے سب نے انکار کیا۔ اور مریض کے پاس سے ہٹ کر چلے گئے۔ شیخ نے نہ تو مریض کا حال پوچھا نہ علامات دریافت کیں۔ قلم اٹھا کر نسخہ لکھدیا۔ پلاتے ہی نفع کے آثار معلوم ہونے لگے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو ایک مرید سے کہا اگر میں وہاں خاموش ہو جاتا۔ تو یہ طبیب اسے مار ڈالتے۔

اُن کی کرامات کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ جب سلطان محمد خاں نے (جو محمد فاتح کے نام سے مشتہر ہوا) فتح قسطنطنیہ کا ارادہ کیا۔ تو آقا شمس الدین کو اور آقا بیق کو جہاد اور دعا و توجہ کیلئے طلب کیا اور احمد پاشا کو دونوں کے پاس بھیجا۔ آقا بیق تو مجذوب تھے۔ اُن سے کچھ حاصل ہوا۔ مگر آقا شمس الدین نے فرمایا کہ ہاں انشاء اللہ مسلمان ضرور قسطنطنیہ کو فتح کرلینگے۔ اور فوج فلاں تاریخ قلعہ کی فلاں جگہ سے ٹھیک دو پہر کیوقت اندر داخل ہوگی۔ اور تم (احمد شاہ) اُس وقت سلطان کے برابر برابر ہوگے۔ آقا شمس الدین کے ایک فرزند کا بیان ہے کہ جب تاریخ مقررہ کا وہی وقت قریب آپہنچا۔ اور قلعہ پر فتح کے کوئی آثار نہ تھے۔ تو ہمکو سلطان کیطرف سے نہایت خوف پیدا ہوا۔ میں اُنکے خیمہ کیطرف گیا دروازہ پر ایک خادم کھڑا تھا۔ اُس نے کہا اندر جانیکی اجازت نہیں۔ مینے دوسری طرف سے ہو کر قنات کو ذرا سرکا کر دیکھا۔ تو والد بزرگوار ننگے سر زمین پر سجدے میں گرے ہوئے پڑے ہیں روتے جاتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھایا۔ اور جھٹ کھڑے ہوگئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمکو قلعہ پر فتح دی۔ مینے قلعہ کیطرف جب نظر اُٹھا کر دیکھا تو فوج اندر داخل ہو چکی تھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اُنکی برکت سے ہی قلعہ کو فتح کیا۔ اور انکی دعا میں وہ اثر تھا کہ ساتوں فلک کے اوپر پہنچتی تھی اور زمین کو اپنی برکات سے پُر کر دیتی تھی۔

جب سلطان قلعہ میں داخل ہوا۔ تو اُس نے اپنے پہلو کیطرف دیکھا تو احمد پاشا برابر موجود تھا سلطان نے کہا کہ مجھے فتح قسطنطنیہ کی اسقدر خوشی نہیں۔ جسقدر ایسے بزرگوار کے اپنے زمانہ میں ہونیکی خوشی ہے۔

فتح سے ایک دن بعد سلطان آقا کو خیمہ میں ملنے کیلئے آیا۔ آقا لیٹے ہوئے تھے اُسی طرح پڑے رہے۔ سلطان نے آکر اُنکا ہاتھ چوما اور عرض کی کہ میں ایک حاجت کیلئے حاضر ہوا ہوں فرمایا کہو۔ کہا۔ مجھے چندروز اپنی توجہ میں بٹھایا کیجیئے۔ آقا نے انکار کر دیا۔ سلطان نے اصرار کیا۔

آقا پھر بھی انکار ہی کرتے رہے۔ سلطان کو غصّہ آگیا۔ کہا۔ ایک معمولی ترک سپاہی آتا ہے اُسکے عرض کرنے پر اُسے جھٹ حلقہ میں بٹھالیا جاتا ہے۔ اور میرے واسطے برابر انکار ہی انکار ہے شیخ نے کہا بات یہ ہے کہ جب آپ خلوت نشین ہونگے تو اُس وقت لذّت سلطنت فراموش ہوجاویگی۔ اور امور سلطنت معطل ہوجاوینگے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناخوشنودی مجھ پر اور آپ پر ظاہر ہوگی۔ اے سلطان خلوت سے غرض تحصیل عدالت ہے۔ اس لئے تم اپنی سلطنت میں عدالت کرو۔ اپنے فرائض کو انجام دو۔ اس سے بڑھ کر تمہارے واسطے اور کوئی وظیفہ نہیں۔

اسکے بعد سلطان کیطرف سے دو ہزار اشرفی پیش کیگئی۔ مگر آقا نے اُن کو قبول نہ کیا۔ سلطان اُنکے پاس سے اجازت لیکر اُٹھا شیخ پھر بھی اُسی طرح لیٹے رہے۔ باہر آکر سلطان نے احمد پاشا سے ذکر کیا۔ کہ شیخ ہمکو دیکھکر اُٹھکر نہ بیٹھے۔ اُس نے عرض کی کہ حضور کو جو یہ اتنی بڑی فتح حاصل ہوئی ہے جو بڑے بڑے سلاطین کو نصیب نہیں ہوئی۔ اسوجہ سے شیخ نے دیکھا کہ فی الجملہ حضور میں غرور پیدا ہوگیا ہے چونکہ وہ مربی ظاہر و باطن ہیں اس لئے انہوں نے اس غرور کیلئے یہی دوا تجویز کی۔

اس سے اگلے روز رات کے آخری حصہ کیوقت سلطان نے شیخ کو طلب کیا۔ گھر والے تو ڈر گئے لیکن خود شیخ کا بیان ہے کہ جب میں وہاں پہنچا تو امراء نے میرے ہاتھوں پر بوسے دینے آگے بڑھے۔ تو رات سخت اندھیری تھی اور وہاں روشنی کا کچھ انتظام نہ تھا۔ سامنے سے سلطان آگیا۔ جسکو میں نے شناخت نہیں کیا۔ مگر میری روح نے پہچان لیا۔ میں نے آگے بڑھکر معانقہ کیا اور ایسے زور سے سلطان کو دبایا کہ اُسکے جسم کا جوڑ جوڑ کانپ گیا۔ پھر اُسے چھوڑ دیا۔

سلطان کا بیان ہے کہ میرے دل میں شیخ کیجانب سے کچھ شک سا ہوگیا تھا۔ معانقہ کے بعد وہ شک محبت سے بدل گیا۔ پھر دونوں ایک خیمہ میں داخل ہوگئے۔ جب صبح ہوئی تو اذان ہوئی اور سلطان نے نماز سحر شیخ کے پیچھے پڑھی۔ شیخ اپنے اوراد پڑھنے لگ گئے اور سلطان اُنکے سامنے دو زانو بیٹھا رہا۔ اور سنتا رہا۔ جب فارغ ہوئے تو عرض کی کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی جگہ کا نشان بتلائیے۔ کیونکہ تواریخ میں لکھا ہے کہ یہاں اُنکی قبر کا ہونا صحیح ہے۔ شیخ نے پھر پھر کر ایک جگہ کا اشارہ کیا۔ فرمایا مجھے یہاں ایک نور معلوم ہوتا ہے شاید اُنکی قبر اسی جگہ ہو۔ پھر وہاں بیٹھکر تھوڑی دیر مراقبہ کیا۔ فرمایا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روح میری روح سے ملی اور مجھے فتح کی تہنیت دی۔ اور تمہاری مساعی کا شکریہ ادا کیا۔

کہ اُن کو ظلمت کفر سے نجات دی۔ سلطان محمد خاں کو اطلاع دی گئی۔ وہ وہاں آیا۔ اور شیخ سے عرض کی کہ میں جناب کے ارشاد کو صحیح سمجھتا ہوں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ قبر کے پورے پورے نشانات بتلا دیئے جاویں تاکہ ظاہر ہونے پر میرا اطمینان کلی ہو جائے۔ شیخ نے پھر مراقبہ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کر فرمایا۔ اچھا یہاں سے کھود و۔ یہ سر کی طرف ہے۔ دو گز کھودنے کے بعد قبر ظاہر ہوگی جس پر پتھر کا تابوت ہے اور اُس پر خط عبرانی میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے جسکا یہ ترجمہ ہے۔ جگہ کھودی گئی۔ دو گز نیچے جا کر قبر ملگئی کتبہ جو عبرانی زبان کا تھا۔ جب اُسے پڑھایا گیا تو وہی عبارت اور مضمون تھا جو شیخ نے بتلا دیا تھا۔ سلطان کو نہایت حیرت ہوئی اور وجد کی سی حالت طاری ہو گئی۔ حتی کہ بیہوش ہو کر گرنے لگا۔ مگر خدام نے سنبھال لیا۔ سلطان نے اس جگہ قبہ بنوادیا۔ جامع مسجد اور حجرات تیار کرائے اور شیخ سے التماس کی کہ اپنے مریدوں کے ساتھ اسی جگہ ٹھہریں لیکن شیخ نے انکار کر دیا۔ اور اپنے وطن کی اجازت طلب کی سلطان نے اجازت دیدی۔ جب وہاں سے چلے آئے تو اپنے بڑے بیٹے سے فرمایا کہ سمندر نکلتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا۔ قسطنطنیہ کے ظلمت کفر سے تو میرے الہامات میں بھی فساد آگیا تھا۔

تھوڑی دور چلے تھے کہ ایک کمینہ سالہ آدمی ایک نہایت عمدہ گھوڑے پر سوار سامنے سے گذرا گھوڑا ایسا عمدہ تھا کہ سب کی آنکھیں اُٹھ گئیں اور سب نے اُسے پسند کیا۔

سوار نے نہ شیخ کی طرف دیکھا اور نہ سلام ہی کیا۔ تھوڑی دور جا کر وہ واپس آیا۔ اور گھوڑے سے اُتر کر عرض کیا کہ میں یہ گھوڑا حضور کو ہبہ کرتا ہوں۔ شیخ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ تم یہ گھوڑا لے لو اسکو اپنی سواری کا گھوڑا دیدو۔ وہ چلا گیا۔ تو بیٹے نے شیخ سے سوال کیا۔ فرمایا کسی کے پاس رہکر اسکا خدمتگذار غلام اگر مدت العمر میں کوئی چیز مانگ لے تو کیا وہ نہ دیگا۔ بیٹے نے کہا نہیں وہ ضرور دیگا۔ فرمایا تیس سال سے مینے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے قدم باہر نہیں رکھا۔ جب میرے دل کو گھوڑے کی طرف میلان ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے سوار کے دل میں الہام کر دیا۔

الغرض شیخ اس سفر سے اپنے وطن پہونچے اور اپنے وطن قصبہ کونیک میں جا کر وفات پائی۔ ان کا ایک رسالہ تصوف میں ہے جس کا نام نور ہے۔ ایک اور رسالہ ہے جس میں مطاعن صوفیہ کا جواب دیا ہے۔ ایک رسالہ طب میں ہے جس میں علامات نافعہ درج ہیں۔

حضرت شیخ کا ایک بیٹا سب سے چھوٹا مجذوب تھا۔ اس کا نام نورالہدیٰ تھا۔ ایک دن شیخ کو ایک امیر کبیر ابن عطار ملنے آیا۔ اسکی داڑھی نہ نکلتی تھی مجذوب لڑکا بھی وہیں آگیا امیر کو دیکھکر ہنسنے لگا کہ یہ آدمی تو نہیں یہ تو عورت ہے شیخ مجذوب پر خفا ہوئے۔ امیر نے شیخ کی خوشامد کی کہ آپ للہ اس پر خفا نہ ہوں۔

پھر مجذوب سے درخواست کی کہ دعا کرو میری داڑھی نکل آئے۔ مجذوب نے اپنے منہ سے بہت سا لب لیکر اسکی ٹھوڑی۔ کلہ پر ملدیا۔ اور داڑھی اس جگہ نکل آئی۔ جب "امیر سلطان کے پاس قسطنطنیہ پہنچا تو سلطان نے وزیر کو کہا۔ اس سے پوچھو داڑھی کیونکر نکل آئی اس نے قصہ" سنایا سلطان نے نہایت تعجب کیا اور اس مجذوب کے نام بہت سی جاگیر وغیرہ معافیات کردیں۔

مروی ہے کہ ایک دن شیخؒ نے اپنے تمام لڑکوں کو اکٹھا کیا اور کھانا کھلایا۔ جب اپنی اپنی ترتیب پر بیٹھے ہوئے تھے تو شیخ نے ان سب کو جو بارہ تھے ایک ایک کر کے دیکھا اور فرمایا الحمدللہ تعالیٰ۔ سب یہ سمجھے کہ الحمدللہ اس لئے کہا ہے کہ خدا نے ان کو یہ اولاد عطا فرمائی ہے۔ مگر مجذوب لڑکا بولا باوا جان میں بتلاؤں آپنے کس بات کا اسوقت شکر کیا ہے۔ فرمایا ہاں کہو۔ کہا اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو اسقدر اولاد بھی دی اور پھر بھی دل کا تعلق کسی کے ساتھ نہیں ہوا۔ شیخ بولے لڑکے تو نے خوب کہا اور سچ کہا۔

ملوک و وزراء

حضرت امیر معاویہ بن ابو سفیان اُموی رضؓ

ولادت ۱۸ سنہ قبل و وفات ۶۰ سنہ ہجری

نسب۔ عبد مناف کے دو بیٹے ہوئے۔ ہاشم اور عبد شمس ہاشم کی اولاد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علی مرتضی ہیں۔ محمدؐ بن عبد اللہ علی بن ابی طالب بن مطلب بن ہاشم اور عبد شمس کی اولاد میں معاویہ بن ابو سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد الشمس۔

ابو سفیان قریش میں سردار تھا اور بہت بڑی تجارت رکھتا تھا۔ شام حوران۔ بلقاء تک تجارتی قافلوں کے ساتھ آیا جایا کرتا تھا۔ ابتداء بعثت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں بہت بڑا حصہ لیا۔ اور فتح مکہ تک اسی عداوت پر قائم رہا۔ اور قریش کو قائم رکھا ۸ سنہ ہجری کو خود معہ اپنی اولاد جس میں معاویہ بھی تھے مسلمان ہوا۔

ممکن ہے کہ ابو سفیان کی اس عداوت کا سبب اصلی یہ ہو کہ اُس نے سمجھ لیا تھا۔ کہ اسلام کے پھیل جانے اور بت پرستی کے اُٹھ جانے سے گروہا گروہ مردم کا کعبہ میں آنا موقوف ہو جائیگا اور اس سے ابو سفیان کی تجارت کو بہت بڑا نقصان پہنچیگا۔ چونکہ ابو سفیان کا کنبہ بڑا تھا اس لئے گویا نقصان بھی زیادہ خیال کیا جا سکتا تھا۔

علاوہ ازیں عبد مناف کے ہر دو فرزندوں کی شاخ میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی سب سے پہلے امیہ اور ہاشم میں (جو امیہ کا چچا تھا) جھگڑا ہوا۔ ہر دو میں فضائل پر مناظرہ ہوا۔ اور غسان کا کاہن خزاعی منصف قرار دیا گیا۔ اور شرط یہ ہوئی کہ مغلوب غالب کو پچاس اونٹنیاں ادا کرے اور بیس سال تک جلا وطن رہے۔ منصف نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دیا اور امیہ کو شرط کے مطابق اونٹ دینے اور بیس سال خارج از وطن رہنا پڑا۔ اور یہیں سے دشمنی کی بنیاد پڑگئی

ولادت۔ معاویہؓ مکہ میں سنہ ہجری سے ۱۵ سال قبل پیدا ہوئے۔ ان کی ماں کا نام ہندہ ہے جو عبد شمس کی پوتی عتبہ کی بیٹی تھی۔ امیر حمزہ سید الشہداء کو اسی عورت نے مثلہ کرایا تھا۔

تربیت و اسلام بچپن سے اعتقادات جاہلیت پر تربیت ہوئی۔ فتح مکہ پر ان کی عمر ۲۳ سال کی تھی اسی وقت اپنے خاندان سمیت مسلمان ہوئے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ دل میں پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے مگر والدین کے خوف سے اسلام کو چھپاتے تھے۔

غرض انکا کنبہ نیز چند سرداران قریش اور فتح پر مسلمان ہوئے۔ اور انکا نام "مولفۃ القلوب" رکھا گیا۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے لوگوں کو (برخلاف دیگر مسلمانوں کے) کچھ روزینہ بھی دیا جاتا تھا۔

مدینہ کے قیام کے بعد معاویہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوتے گئے۔ حتی کہ کتابت کا اعزاز ان کو مل گیا۔

سیرت حلبیہ میں ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان اور زید بن ثابتؓ کاتبان وحی تھے۔ اور انکے پاس اور کوئی کام نہ تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو اس فقرہ کی صحت پر کہ ان کے پاس اور کوئی کام نہ تھا شبہ ہے۔

سیدنا صدیقؓ کے عہد میں جب شام پر لشکر کشی ہوئی تو یزید بن ابوسفیان بھی ایک لشکر کے سردار تھے اور سب سے پہلے دشمن کے ملک میں ان ہی نے قدم رکھا تھا۔ معاویہؓ اپنے بھائی کے ساتھ تھے اور بہت سی لڑائیوں میں شریک بھی ہوئے مگر کوئی خاص شہرت نہیں پائی۔ فتح دمشق کے بعد جب امین الامۃ ابو عبیدہ سپہ سالار اسلام بلاد ساحل کی فتح کیلئے آگے بڑھے تو مفتوحہ علاقہ پر یزید کو حاکم مقرر کر گئے اور معاویہ بھی اپنے بھائی کے پاس رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے صیدا۔ عرقہ۔ جبل۔ بیروت وغیرہ فتح کر لئے۔ سیدنا عثمانؓ کی خلافت کی ابتدا میں ان مفتوحہ شہروں میں سے بعض پر روم نے پھر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر حضرت معاویہ رضؓ نے بہت جلد ان کو وہاں سے نکال دیا۔

آغاز حکومت۔ یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ۲۰ سنہ ہجری تک امیر دمشق رہکر وفات پائی۔ سیدنا فاروقؓ نے انکے بھائی معاویہ کو انکا جانشین مقرر کر دیا۔ عمر فاروقؓ کے آخری چار سال خلافت میں انکے متعلق صرف ضلع دمشق تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے حکم سے ۲۵ سنہ ہجری میں کل شام کا ملک ان کے ماتحت کر دیا گیا۔ اور اسی سال حضرت معاویہ رضؓ

نے الشیائے کوچک پر لشکر کشی کر کے برو صہ و انطاکیہ و طرسوس کے قلعے فتح کر لیئے۔

سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں جب لوگوں کی شکایات عمال کے متعلق روز بروز بڑھنے لگیں۔ اور اُن میں گستاخی کی جھلک بھی نظر آنے لگی۔ تو معاویہ بھی مدینہ پہنچے اور خلیفہ کو اپنے ارادہ میں ثابت و مستقل رہنے کی جرأت دلا کر کہا کہ شکایت کرنیوالے معدودے چند ہیں۔ معاویہؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدنا علی مرتضیٰ و طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپہونچے اُسوقت حضرت معاویہؓ نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی۔

"آپ لوگ آنحضرتؐ کے صحابی بہترین خلق۔ اور اس امت کے والی ہیں۔ تمہارے سوا کوئی شخص حکومت کا خیال نہیں کر سکتا۔ تم نے عثمانؓ کو اپنی مرضی سے بلا کسی دباؤ یا طمع کے خلیفہ تسلیم کیا تھا۔ اور اب یہ بوڑھے بھی ہو گئے ہیں۔ اور اگر تم ان کی ضعیفی کی وجہ سے انکی موت کا بھی انتظار کرو تو وہ بھی کچھ دور نہیں (گو میری آرزو ہے کہ خدا اُنکو دیر پا رکھے) یہ جھگڑے جو تمہارے سامنے اُٹھ رہے ہیں تم نے انپر اپنی ناراضگی کا کچھ بھی اظہار نہیں کیا۔ حالانکہ ایسا ہونا ضروری تھا۔ تا کہ حکومت کیلئے عوام بھی طمع نہ کر سکیں۔ میں تمکو یقین دلاتا ہوں کہ اگر عوام کے حوصلے بھی کھل گئے تو تم کو ہمیشہ پیٹھ ہی دکھلانی پڑیگی"۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ گفتگو نہایت ہی ناگوار گذری وہ اس کا کوئی سبب ہی نہ سمجھے۔ اُنہوں نے معاویہ سے کہا "تیری ماں نہو۔ یہ کیسی گفتگو ہے" معاویہ نے کہا "خیر آپ میری ماں کو تو کچھ نہ کہیں کیونکہ وہ تمہاری ماؤں سے کچھ بُری نہ تھی۔ کیونکہ وہ مسلمان ہوئی اور بیعت نبوی کا شرف اُس نے پایا۔ ہاں میری بات کا جواب دیجئے"

اس کے بعد ان سادات نے خلیفہ سے چند معاملات میں گفتگو کی اور اُنکو اپنی منشا کے موافق طے کرا کر خوش خوش چلے گئے۔ اور معاویہ باقی رہگئے انہوں نے سیدنا عثمانؓ سے کہا "میرے ساتھ شام کو چلو وہ تمام علاقہ مطیع ہے۔ اب چلنے کا وقت ہے۔ ورنہ کسی آفت آنے کا اندیشہ ہے"

انہوں نے قرب نبوی چھوڑ کر شام جانے سے انکار کر دیا۔ معاویہ شام کا قصد کر کے باہر نکلے۔ اُن کو مہاجرین کی ایک جماعت (جن میں سیدنا علی و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے) ملی معاویہ اُن کو عثمانؓ کی پیرانہ سالی پر توجہ دلاتے ہوئے اُنکے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کرتے گئے۔

ان کے شام چلے جانے کے کچھ عرصہ بعد مصری وغیرہ جمع ہو کر مدینہ میں آگئے۔ اور خلیفہ کو محصور کر لیا۔ محاصرہ چالیس یوم تک رہا۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے درمیان میں پڑ کر انہیں روکنا بھی چاہا۔ مگر باغیوں نے کچھ نہ سنا۔ محاصرہ میں پانی بھی اُن پر روک دیا گیا تھا۔
آخر مصری لوگوں نے دروازہ کو توڑ کر اور سقیفہ کو آگ لگا کر اندر جانے کا راستہ کر لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُس وقت سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ باغیوں کا محاصرہ توڑ کر اندر آجانا بھی اُن کی تلاوت کلام اللہ میں فرق نہ ڈال سکا۔ چند صحابہؓ کے لڑکے (جن میں سید اشباب اہل الجنۃ حسنینؓ بھی تھے یا صرف امام حسن مجتبیٰؓ) خلیفہ کی حفاظت کیلئے اندر موجود تھے لیکن انہیں حضرت عثمانؓ شہید نے قسم دیکر خونریزی سے روک دیا۔ اور وہ باہر چلے گئے باغی آگے بڑھے اور اُنہوں نے خلیفہ پر تلوار کا وار کیا جو تلاوت قرآن میں کمال استقلال کے ساتھ محو تھے۔ خون قرآن مجید پر گرا۔ حضرت کی بیوی نائلہ نے وار ہوتا ہوا دیکھ کر شوہر کے بچاؤ کیلئے اپنے ہاتھ آگے کر دیئے تھے۔ تلوار اُنکی انگلیوں کو بھی کاٹ گئی۔
حضرت معاویہ کو ان واقعات کی بالتفصیل خبر پہنچ گئی تھی جب اہل مدینہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کر لی تو معاویہ نے بیعت نہ کی۔ بلکہ قصاص عثمانؓ شہید کا دعویدار ہو کر خلیفہ کا خون آلود کرتہ اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں جامع مسجد کے ممبر پر رکھ کر لوگوں کو قصاص کیلئے بھڑکایا۔ اور یہ بھی کہہ دیا "علی اُنکا قاتل ہے"
عمرو بن العاصؓ جو حکومت مصر سے معزول ہو چکے تھے وہ بھی معاویہ سے آملے اور اُنہوں نے خلیفہ برحق امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی صفین کی متواتر لڑائیوں اور فیصلہ حکم کے بعد (جس کی تفصیل میں اسلامی تواریخ کے سینکڑوں اوراق موجود ہیں) اپنی حکومت کو مستقل کیا تاہم یہ حکومت شام پر ہی محدود تھی۔ مصر پر سیدنا علیؓ کی طرف سے قیس بن سعد والی تھے۔
قیس بن سعد کو پہلے تو معاویہؓ نے اپنے ساتھ شامل کر لینا چاہا۔ مگر جب وہ ثابت قدم رہے تو ایک خط قیس کی جانب سے بنام معاویہ شایع ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ قیس بھی قصاص طلبی عثمانؓ میں اُنکا شریک ہے۔
مضمون ہذا سے حضرت علی مرتضیٰ نے خبر پا کر قیس کو معزول اور محمد بن ابوبکر کو والی مصر مقرر کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے سمجھ لیا تھا کہ فتح مصر کے بغیر وہ عراق اور مصر کے دو طرفہ حملہ کی زد میں ہیں۔ اس لیئے عمرو بن العاص اوّل فاتح مصر کو بھاری لشکر دیکر روانہ کیا۔ اُنہوں نے

سرحد عبور کرنے کے بعد محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو لکھ بھیجا کہ تم خود ہی حکومت سے علیحدہ ہو جاؤ۔ کیونکہ میں تمکو کوئی صدمہ نہیں پہونچانا چاہتا محمد نے اصل خط حضرت علی مرتضیٰ کی خدمت میں بھیجدیا۔ اور کمک کے لئے درخواست کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہنوز کمک روانہ کرنے بھی نہ پائے تھے کہ عمرو بن العاص نے مصر پر قبضہ کرلیا اور محمد بن ابوبکر بری طرح سے قتل کئے جا کر راکھ کا ڈھیر بنائے گئے اور شام و مصر کا کل ملک حضرت معاویہ کے ماتحت ہوگیا۔

سـ۴۱ـہ ہجری کو امیر المومنین کی شہادت کے بعد امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت کوفہ میں ہوئی۔ ان کو خبر لگی کہ معاویہ ایک بھاری لشکر لے کر شام سے چل پڑے ہیں۔ امام عالیمقام بھی چالیس ہزار فوج (جو حضرت علی مرتضیٰ کے مبارک ہاتھ پر جنگ کیلئے بیعت کر چکی تھی) لیکر کوفہ سے مدائن کو چل پڑے۔ لیکن انکو جلد معلوم ہوگیا کہ انکا لشکر فوج شام سے مقابلہ کرنے میں کمزور ہے۔ رحمۃ للعالمین کے نواسہ نے خونریزی امت کو پسند نہ کرکے خلافت چھوڑ کر ملک حضرت معاویہ کے سپرد کر دیا۔ اور انہوں نے کوفہ میں داخل ہو کر سب سے اپنی بیعت لے لی۔ اسوقت سے وہ تمام بلاد اسلام پر بلا شرکت احدے امیر ہوگئے۔ اور ۱۹ سال ۴۱ھ سے ۶۰ھ تک مستقل امیر رہے اور ہمیشہ توسیع دائرہ مملکت میں کوشاں رہے شام مصر عراق و فارس خراسان و عرب پر ان کا اقتدار کامل تھا۔

۴۹ھ میں فتح قسطنطنیہ کیلئے لشکر کشی ہوئی۔ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی جنگ میں شہید ہوئے تھے۔

اس لشکر کا سپہ سالار سفیان بن عوف تھا۔ اور یزید بھی ساتھ بھیجا گیا تھا۔ لشکر کی کثرت راہ کی دوری اور خرابی کیوجہ سے لشکر کو فاقہ و تکالیف شاقہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یزید نے راستہ میں ہی ہمت ہار دی۔ اور فوج کو اسکی وجہ سے اپنی رفتار کو سست کرنا پڑا۔ امیر معاویہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے یزید کو کہہ بھیجا کہ تجھے ضرور ساتھ جانا ہوگا پھر اسکی تقویت کیلئے امرائے عرب کو بحری لشکر دیکر بھی روانہ کر دیا۔ ان امراء میں ابن عباس ابن عمر ابن زبیر۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔ جنکی کشتیاں بلا کسی مقابلہ کے ڈارڈنیلز سے عبور کرتی ہوئی قسطنطنیہ کے غربی جانب قلعہ ہفت بروج کے پاس پہنچ گئیں۔ فوج خشکی پر اتری اور بری فوج کے آجانے پر محاصرہ شروع ہوگیا۔ مسلمان منجنیق چلاتے لمبے نیزوں کے ساتھ حملے کرتے تھے اور محصورین ان پر آگ برساتے تھے۔ جس سے مسلمانوں اور ان کے کمپ کو ہمیشہ بھاری نقصان ہوا کرتا تھا۔ طول محاصرہ سے

مسلمانوں کو رسد کی کمیابی تکلیف دہ ثابت ہونے لگی۔ جسکو گردونواح کے دیہات میں چھوٹے چھوٹے دستے بھیجتے رہنے اور لوٹنے سے پورا کر لیا جاتا تھا۔ چونکہ موسم سرما بھی آنے والا تھا اسلئے مسلمان دوراندیشی کر کے ایشیائے کوچک کے جزیرہ قیزیکوس میں رسد کے ذخیرے فراہم کرنے لگ گئے۔ چنانچہ سرما کے شروع ہوتے ہی لشکر اس جزیرہ کو جو ۸۰ میل پر تھا قسطنطنیہ سے چلے گئے۔ اور گرمی کے شروع ہوتے ہی پھر محاصرہ کیا گیا۔ سات برس تک یہی حال رہا کہ تمام موسم گرما میں محاصرہ اور جدوجہد سے مقابلہ کیا جاتا۔ اور سرما اس جزیرے میں بسر ہوتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہنوز یونانیوں کی کمزور سلطنت کے تاج کو خاک نشین کرنا منظور نہ تھا۔ اس لئے ہفت سالہ مساعی کے بعد مسلمانوں کی فوج میں وبا پڑ گئی۔ جس سے لاچار ہو کر ان کو محاصرہ سے دست بردار اور وطن کو واپس جانا پڑا۔ اس عرصہ میں ۳۰ ہزار مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ جس میں ابو ایوب انصاریؓ بھی تھے۔ یہ صحابی اکابر صحابہ میں سے تھے رسول کریم کے ساتھ بدر و احد وغیرہ غزوات میں حاضر تھے۔ اور خلافت مرتضوی کی لڑائیوں میں حضرت علی مرتضٰے کے ہمرکاب تھے۔ انکے جنازہ کی نماز ایسی شان و شوکت کیساتھ ادا کی گئی۔ کہ محصورین بھی مدافعت چھوڑ کر محو تماشا ہو گئے۔ ان کو دیوار کے نیچے دفنایا گیا۔ اور زمین کو ہموار کر دیا گیا۔ سلطان محمد فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے بعد اسپر مقبرہ اور جامع مسجد تیار کرا دی۔

مسلمان گو فتح سے ناکامیاب واپس ہوئے تھے مگر جرأت و استقلال اور مردانگی و ثبات کی ایسی مثال چھوڑ گئے تھے۔ کہ قیصر کو انکی آئندہ یورش و کامیابی میں کوئی شبہ نہ رہ گیا تھا اُس نے ایک خاص سفیر شام کو روانہ کیا۔ جسکو عزت و اکرام کیساتھ قبول کیا گیا۔ امیر معاویہ نے صلح یا عارضی صلح کے متعلق اپنے دربار میں مشورہ کیا۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ تین سال کے لئے صلح کی جائے اور قیصر ہر سال پچاس عمدہ گھوڑے ۳ ہزار سونے کے ٹکڑے پچاس غلام خراج میں دیتا رہے۔

افریقہ میں بھی عقبہ بن نافع سردار نے بہت فتوحات حاصل کیں۔ اور شہر قیروان ان کے حکم سے آباد کیا گیا۔ ہشتاد سالہ عمر نے امیر معاویہ کو پیر ہرم اور اپنی وفات کے قریب تر ہونے کے لئے امیدوار کر دیا تھا۔ کہ مرض نے بھی غلبہ پا لیا۔ اُس وقت یزید کو بلا کر بدیں الفاظ وصیت کی۔

"پیارے بیٹے میں نے تیری کوششوں کی کوئی ضرورت نہیں رہنے دی۔ بلکہ جملہ امور تیرے لئے

درست کر دیئے ہیں تیرے اعداء کو ذلیل کر دیا ہے۔ اور عرب کی گردنیں تیرے سامنے جھکا دی ہیں اور مجموعی طور پر تجھے وہ کچھ حاصل ہے جو پہلے کسی کو نہ تھا۔ اہل حجاز کے بارہ میں خیال رکھنا کیونکہ تیری اصل اصول وہی ہیں۔ ان میں سے جو کوئی تیرے سامنے آجائے اُسکی عزت کرنا اور جو غائب ہو اُسکی پرورش رکھنا۔ اہل عراق کی دلداری رکھنا۔ اگر وہ تجھ سے ہر روز نیا عامل تبدیل کراتے رہیں۔ تو اُنکے منشا کو پورا کرتے رہنا۔ عامل کا معزول کر دینا آسان ہے اور ایک لاکھ تلوار کی جھنکار کا سننا سخت۔ اہل شام کو اپنا دلی دوست اور اصلی رازدار سمجھنا۔ اور جب کسی دشمن سے لڑائی کی ضرورت ہو تو انہی کی فوج روانہ کرنا۔ انصرام مہم کے بعد سپاہیوں کو انہی کے دیہات کو واپس کر دینا۔ کیونکہ باہر رہنے سے اُنکے اخلاق میں تغیر آجانیکا اندیشہ ہے سلطنت کے بارہ میں تیرے مدمقابل ہونیکا اندیشہ مجھے صرف چار شخصوں سے ہے۔ حسین بن علیؓ۔ عبداللہ ابن عمرؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ عبدالرحمن بن ابوبکرؓ (رضی اللہ عنہم) ابن عمر تو سراپا عبادت میں لگا ہوا ہے۔ اور جب سب لوگ بیعت کر لینگے تو وہ بھی ضرور بیعت کر لیگا۔ حسین بن علی ایک نوعمر آدمی ہے۔ اہل عراق اُسے مقابل کئے بغیر رہنے نہ دینگے۔ پس اگر اُس نے مقابلہ کیا۔ اور تو اُسپر غالب رہا۔ تو اُسے معاف کر دینا۔ کیونکہ اُسے قرابت قریبہ اور حق عظیم حاصل ہے۔ اور نیز وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نزدیک تر ہے۔ رہا ابن ابی بکرؓ اُسے لوگوں نے اٹھایا بھی تو اُسکی توجہ تمامتر عورتوں اور لہو بازی پر مصروف رہتی ہے۔ البتہ شیر کیطرح جم کر لڑنے والا۔ اور لومڑی کیطرح چال چلنے والا اور موقعہ پر جست لگانے والا۔ ابن زبیرؓ ہے۔ اگر اُس نے تیرا مقابلہ کیا اور تجھے اُس پر فتح ملی تو اُسکے ٹکڑے اڑا دینا۔ لیکن جہانتک ممکن ہو سکے۔ اپنی قوم کے خون کی حفاظت رکھنا۔ اور خونریزی سے بیزار رہنا۔

مرنے سے پیشتر انہیں یہ خیال ہوا کہ میری بیماری کا حال سُنکر ملک میں بدامنی نہ ہو جائے پس اپنے مرض کو چھپانے کیلئے آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل ڈالکر مسند کے سہارے بیٹھ گئے اور لوگوں کو سامنے آکر سلام کرنے کی اجازت دی۔ لوگ آتے تھے اور سلام کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ امیر تندرست ہے جب وہ چلے گئے تو امیر نے یہ شعر پڑھے۔ ؎

وَتَجَلُّدِیْ لِلشَّامِتِیْنَ اُرِیْهِمُ ۔۔۔ اَنِّیْ لِرَیْبِ الدَّهْرِ لَا اَتَضَعْضَعُ
وَاِذَا الْمَنِیَّةُ اَنْشَبَتْ اَظْفَارَهَا ۔۔۔ اَلْفَیْتَ کُلَّ تَمِیْمَةٍ لَا تَنْفَعُ

اور اُسی روز وفات پائی۔ وفات سے پہلے کہا کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

قمیص عطا فرمایا تھا۔ جسے مینے بحفاظت رکھ چھوڑا ہے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن مبارک تراشے تھے۔ اُنکا تراشہ بھی محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔ تکفین کیوقت مجھے وہ قمیص پہنا دینا۔ اور تراشہ ناخن کو گھسکر میرے چہرۂ دست و چشم پر لگا دینا۔ کہ اُن کی برکت سے خدا مجھپر رحم فرمائے۔ پھر حکم دیا کہ نصف مال بیت المال میں داخل کیا جائے اور نصف بیٹے دیا جائے۔ دمشق میں ہی وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

صفات و اخلاق۔ خوشرو۔ ابیض البشرہ۔ باہیبت و وقار۔ ہنسی کیوقت لب زیریں اُلٹ جایا کرتا تھا۔ داڑھی کو خضاب کیا کرتے تھے۔ نہایت ذکی۔ معاملہ فہم۔ مدبرین اور سیاسیین میں نہایت مشہور تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ تم قیصر و کسریٰ کی دانائی و سیاست کا ذکر تو کیا کرتے ہو۔ مگر دیکھو کہ معاویہ اُن سے بھی بڑھ کر تمہارے میں موجود ہے۔ فراست صحیحہ ایسی تھی کہ آدمی کا چہرہ دیکھکر اُسکے خیالات کا پتہ لگا لیتے اور معاملہ کے شروع ہوتے ہی تہہ کو پہنچ جاتے۔

چنانچہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری آئے اور السّلام علیک یا امین اللہ کہکر بیٹھ گئے۔ امیر معاویہ نے وعلیک السّلام پر ہی اختصار کیا جب وہ چلے گئے تو کہا شیخ اس ارادے سے آیا تھا کہ میں اُسے کسی جگہ کا والی کردوں۔ مگر ایسا کبھی نہ کرونگا۔

ایک دفعہ عمرو بن عاص نے انہیں کہا کہ کیا یہ تیرے لوگوں کو آپکے بارہ میں درست نہیں کیا کہا ہاں اسی لئے آپ اس درجہ تک پہنچ گئے ہیں۔

امیر معاویہ کے حالات سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اُن کو ابتدا ہی سے حکومت حاصل کرنیکا شوق تھا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اِن وُلّیتَ فاحسن اگر تو والی ہو جائے تو بھلائی کیجیو مجھے اس روز سے امید حکومت و امارت بندھ گئی تھی۔ رہی قابلیت حکومت۔ اُسکا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ آجتک خلافت راشدہ انتخاب و شوریٰ پر منحصر تھی۔ لیکن انہوں نے اُسے اپنی نسل میں محدود کر دیا۔ گو جمہوریت و آزادی جاتی رہی۔ مگر اُنکا خیال تھا کہ اس طریق سے وہ تمام جھگڑے دب جایا کرتے ہیں جو انتخاب میں پیدا ہونے ضروری ہیں علاوہ اسکے قیصران روم کے قانون سے انہوں نے یہی نتیجہ نکالا۔

روزانہ کاروبار۔ نماز صبح کے بعد ایک شخص سے متقدمین کے تاریخی حالات سنا کرتے طلوع آفتاب کے بعد ایک پارہ قرآن مجید کا پڑھتے۔ پھر محل میں جاکر ضروری احکام دیکر

چار رکعت نماز پڑھتے۔ اور پھر اپنی نشستگاہ میں آکر وزراء وارکان سلطنت سے ضروری کاروباری گفتگو کرتے۔ اسی جگہ نہار شکنی کرتے۔ نہاری میں عموماً مرغ یا بٹیرے کا گوشت ہوا کرتا تھا۔ اسکے بعد باتیں کرکے محل میں چلے جاتے۔ اور وہاں سے نکل کر ایک غلام کو ساتھ لیکر مسجد میں چلے آتے اور دیوار مسجد کیساتھ پشت لگا کر بیٹھ جاتے۔ اُسوقت ہر ایک شخص سائل وفریادی وشاکی کے معروضات سنکر ضروری احکام دیتے۔ جب سب سے فارغ ہو جاتے تو اپنے کمرہ میں آکر تخت پر بیٹھ جاتے اور تمام درباری درجہ وار بیٹھ جاتے۔ اُسوقت کہا کرتے کہ اے سرداران دربار تم اس لئے سردار مانے جاتے ہو کہ دربار میں تم کو عزّت حاصل ہے۔ اس عزّت کا لازمہ یہ ہے کہ رعیّت کے حالات اور معذور و مجبور لوگوں کی شکایات میرے پاس عرض کرتے رہو۔ چنانچہ اُسی وقت جو معاملات پیش ہوتے اُن کیلئے ضروری احکام صادر کرتے۔ اسکے بعد دوپہر کا کھانا منگوایا جاتا۔ کھانا کھاتے حکم تھا کہ اگر کوئی شخص عرضی پیش کرے تو منشی عرضی لے کر سنانا شروع کردے اور سائل کو دسترخوان پر بٹھا لیا جاتا۔ عرضی پر حکم لکھا جاتا تو اسکو اٹھا کر دوسرے سائل کو بلا لیتے۔ اسطرح بسا اوقات ۳۰۔۴۰ آدمی دسترخوان پر بیٹھتے اور اُٹھتے جاتے۔ کھانا کھانے کے بعد سب کو رخصت کرکے محل میں چلے جاتے۔ اور اذان ظہر سنکر باہر نکلتے۔ مسجد میں نماز پڑھکر چار رکعت پھر اپنے مکان پر پڑھتے۔ اور خاص الخاص عہدہ داروں کو بلا لیتے اور ضروری معاملات پر گفتگو جاری کردیتے۔ اُسی وقت نقل منگوایا جاتا۔ موسم گرما ہوتا تو میوہ ہائے تر۔ اور موسم سرما ہوتا تو میوہ ہائے خشک۔ اذان عصر سنکر اُٹھتے اور نماز پڑھتے ہی محل میں چلے جاتے۔ جب دھوپ زرد پڑجاتی تب باہر نکلتے اور تخت پر بیٹھ جاتے۔ طعام شب منگوایا جاتا۔ اور خاص وزراء کے سوا اور کوئی داخل نہ ہوسکتا۔ اذان مغرب کیساتھ دسترخوان سے اُٹھکر مسجد میں چلے جاتے۔ نماز مغرب کے بعد چار رکعتیں اور پڑھتے اور ہر ایک رکعت میں پچاس آیتوں کے قریب قیام کرتے۔ قرأت کبھی جہری ہوتی۔ اس سے فارغ ہو کر محل میں چلے جاتے اور اذان عشا سنکر باہر نکلتے اور نماز کے بعد وزراء خاص سے گفتگو کیا کرتے۔ اور ملوک عرب وعجم کے حالات لڑائیوں کے داؤ گھات۔ نظم ونسق کے متعلق مختلف تدابیر۔ کتب تواریخ سے سنا کرتے اور انتخاب تیار کراکر اپنے ملازمین کو بھی اُن کی یادداشت کا حکم دیتے۔ اور نصف شب کے قریب بستر راحت پر آرام کرتے

تواریخ کے علاوہ یونانی جنرلوں اور دنیا کے مشہور فاتحوں کی سوانحعمری۔ اور تصنیفات کو بھی

خاص دلچسپی سے سنا کرتے تھے۔

ان کا قول تھا کہ میں اپنی شان کو اس سے ارفع پاتا ہوں کہ کوئی قصور میرے عفو سے بڑھ کر ہو۔ یا کوئی جہالت میرے علم سے زیادہ یا کوئی بدی میرے احسان سے برتر۔ یا کوئی عیب میری عیب پوشی سے افزوں۔

ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن الحکم کو ان الفاظ میں نصیحت کی تھی "بھتیجے میں دیکھتا ہوں کہ تم شاعری کے شائق ہو مگر غزل کبھی نہ لکھنا۔ جس سے شریف عورتوں کو عار آئے۔ اور مدح و ہجو کی بھی مشق نہ کرنا ہجو میں ناانصافی ہے اور بیہودہ مدح میں بیحیائی۔ ہاں اپنی قوم کے کارنامے نظم کرو۔ اور ایسی امثال بیان کرو جو تمہارے لئے زینت اور غیر کیلئے ادب کا کام دیں"

ایک دفعہ عبداللہ بن صالح نے ان سے پوچھا کہ تم کو سب سے زیادہ پیارا کون ہے؟ کہا جو سب سے زیادہ میری محبت لوگوں میں پھیلاتا ہے۔

ہرکاروں کی ڈاک سب سے پہلے انہوں نے نکالی۔ اور لفافہ پر مہر کرنیکا طریق نکالا۔ اور مہر شاہی کیلئے علیحدہ عہدہ دار بنایا۔

حجاج بن یوسف ثقفی

حجاج کی خونریزی ضرب المثل ہے اور اسلامی بادشاہوں میں یہ شخص اپنے ظلم وستم کے عجیب غریب اطوار میں عدیم المثل ہے۔

اسکی ماں فارعہ بنت ہمام ہے۔ ابن جوزی لکھتا ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات گشت کو نکلے ایک گھر سے گانے کی آواز آئی۔ کان لگا کر سنا تو یہ شعر گایا جاتا تھا۔

هل من سبیل الی خمر فاشربها ۔۔۔ ام من سبیل الی نصر بن حجاج

کیا شراب حاصل کرنیکا کوئی طریق بھی ہے۔ یا نصر بن حجاج کے ملنے کی کوئی تدبیر بھی ہے۔

اس عورت کا نام متمنیہ رکھا گیا۔ اور دریافت سے معلوم ہوا کہ فارعہ والدہ حجاج تھی۔

یہی فارعہ حرث بن کلدہ حکیم عرب کے گھر میں تھی ایک دن اس نے دیکھا کہ صبح ہی صبح فارعہ دانتوں میں خلال کر رہی ہے۔ حرث نے طلاق نامہ لکھکر بھیجدیا۔ فارعہ نے پوچھا میرا قصور بھی تو بتلاؤ

کہا اگر تو نے صبح اُٹھتے ہی کچھ کھایا ہے۔ اور اس لئے خلال کیضرورت پڑی ہے۔ تب تو تو بڑی پٹیل اور کھاؤ ہے۔ اور اگر رات کا کھانا کھا کر صبح کو خلال کرتی ہے تو نہایت بدتمیز ہے۔ اُس نے کہا۔ دونوں صورتیں نہ تھیں مسواک کے ریشے دانتوں میں پھنس گئے تھے۔ خلال سے نکال دیئے غرض تحریث کے بعد یوسف ثقفی نے فارعہ کیساتھ نکاح کیا۔ اور حجاج اس سے پیدا ہوا عجب پیدا ہوا تو مقعد کا سوراخ نہ تھا سونے کے ساتھ سوراخ کھولا گیا۔ پھر یہ مشکل ہوئی کہ ماں کی چھاتی منہہ میں نہ لیتا۔ کسی نے بتلایا کہ سیاہ بکری لیکر ذبح کرو۔ اور اس کا خون اس کے ہونٹ پر لگاؤ دوسرے روز بھی ایسا ہی کرو۔ تیسرے روز سیاہ بکرے کا خون منہ سے لگاؤ۔ چوتھے روز سیاہ سانپ کا خون منہ سے لگاؤ اور سارے چہرہ پر بھی ملدو۔ اس ترکیب کے بعد دودھ پینے لگیگا اُسی کی تدبیر کے موافق عمل کیا گیا۔ اور چوتھے روز حجّاج دودھ پینے لگا۔

کہتے ہیں کہ جو خون پیدا ہوتے ہی منہ کو لگا تھا۔ اُسکی لذّت عمر بھر نہ بھولا قتل انسانی کو قتل کراتا اور خوش ہوا کرتا تھا۔ اور خونریزی کے بغیر اُسے چین ہی نہ آتا تھا۔ خود اُس کا بیان ہے کہ سب سے بڑھکر مجھے خونریزی میں لذت آتی ہے۔

ابتدائی حال میں باپ کیساتھ مکتب پڑھانے میں شریک ہوا لیکن تھوڑے دن کے بعد ہی عبد الملک کے وزیر روح بن زنباغ کیخدمت میں رہنا سہنا اختیار کیا۔ وزیر نے اُسے اپنی جائداد کا انتظام سپرد کر دیا تھا۔

ایک روز عبد الملک نے وزیر کے پاس فوج کے کوچ و مقام کی بیقاعدگی کا ذکر کیا۔ اور افسوس کیا کہ آدھی سے زیادہ فوج پچھلے پڑاؤ پر ہی پڑی رہتی ہے۔ وزیر نے کہا کہ میرے پاس ایک شخص ہے اگر اُسے اس خدمت پر مامور کر دیا جائے تو تمام لشکر کا کوچ و مقام باقاعدہ ہو جائے اُس شخص کا نام حجاج ہے۔ عبد الملک نے منظور کر لیا جس روز سے حجاج کو یہ خدمت ملی اُس نے تمام فوج کو ایک ضابطہ کا پابند کر دیا۔ کہ مقررہ وقت پر کوچ ہو اور مقررہ وقت تک اگلے پڑاؤ پر پہنچ جایا کرے۔

وزیر کے ذاتی ملازمین جو حجاج کو اپنے میں سے ایک سمجھتے تھے۔ ہنوز پہلی عادت کے عادی تھے۔ ایک روز تمام لشکر کوچ کر گیا۔ اور صرف وزیر کا عملہ فعلہ رہ گیا۔ حجاج نے دیکھا تو وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے۔ پوچھا تم لوگ کیوں شاہی لشکر کیساتھ روانہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے ہنسکر کہا آؤ تم بھی کھانا کھا لو۔ حجاج بولا اب وہ وقت گئے اس کے بعد ان سب کو قید کر کے وزیر کے تمام

کمپ میں آگ لگوا دی۔ وزیر کو خبر ہوئی تو وہ روتے روتے عبدالملک کے پاس گیا۔ اور لمبی چوڑی شکایت کرنے لگا۔ حجاج طلب ہوا۔ اور اس حرکت کا جواب طلب کیا گیا۔ حجاج نے کہا حضور میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ خلیفہ نے پوچھا تو اور کس نے کیا ہے۔ بولا حضور نے۔ کیونکہ میرا ہاتھ حضور کا ہاتھ اور میرا چابک حضور کا چابک ہے۔ حضور کیلئے کچھ بھی دشوار نہیں۔ اگر وزیر صاحب کو ایک خیمہ کے عوض دو خیمہ اور ایک نوکر کے بدلہ دو نوکر عطا فرما دیں گے اور مجھے میری خدمت سے معزول نہ کریں۔ عبدالملک نے اس کے جواب کو پسند کیا۔ وزیر کے نقصانات کا معاوضہ دیا گیا اور حجاج کی اس روز سے قدر و منزلت بڑھ گئی حتیٰ کہ عبدالملک نے اسے کل عراق اور خراسان پر گورنر مقرر کر دیا۔ عبدالملک کے بعد جب ولید خلیفہ ہوا تو اس نے بھی اس کو اس عہدہ پر بحال رکھا۔

عقوبات جسمانی اور قتل و خونریزی کے متعلق اس نے عجیب عجیب ایجادات و اختراع کئے تھے جنکا بیان مفصل تاریخ کی کتابوں سے ملسکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم کے بعد زیاد بن سمیّہ نے (جو حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافتوں میں گورنر ایران رہا) حضرت عمرؓ کی تقلید کرنی چاہی مگر حدود سے متجاوز ہو گیا۔ پھر حجاج نے زیاد کی تقلید کرنی چاہی تو بالکل ہی ہلاکت میں گرا۔

زبان میں فصاحت غضب کی تھی۔ اور اہل فصاحت و بلاغت کی قدر بھی کیا کرتا تھا۔ بایں ہمہ سفاکی و بیرحمی بسا اوقات فصاحت کی بدولت اس کی شمشیر سے بے قصور جانیں بچ جاتی تھیں۔

ایک دفعہ خطبہ کیلئے کھڑا ہوا تو کہا لوگو اللہ کے محارم سے صبر کر لینا آسان ہے مگر اللہ کے عذاب پر صبر مشکل۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ تیرے جیسا شوخ دیدہ بیحیا کوئی نہ ہو گا (کہ عمل و دعوٰی قول یہ) حجاج نے قید کا حکم دیا۔ اور جب نماز سے فارغ ہو کر آیا تو اسے طلب کیا۔ پوچھا تو نے ہمارے سامنے کیوں ایسی گستاخی کی۔ کہا تو خدا کے حضور میں گستاخی کرتا ہے۔ اور اسے برا نہیں سمجھتا۔ لیکن میں نے جب تیرے سامنے گستاخی کی تو اسے کیوں ناپسند جانتا ہے حجاج نے شرمندہ ہو کر اسے چھوڑ دیا۔

اس کے وقت میں اگر کوئی نیک کام ہوا تو یہ کہ نصر بن عاصم نے اسکے حکم سے قرآن مجید کے الفاظ معجمہ پر نقطے لگائے اور تصحیف کیلئے ایک سہولت نکالدی۔

اسکی لطیفہ گوئی کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جامع مسجد کا ایک دروازہ اس نے تیار کرایا اور ایک عبد الملک نے۔ کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ کے بنوائے ہوئے دروازہ پر بجلی گری۔ دروازہ منہدم ہو گیا بادشاہ کو نہایت گراں گزرا۔ حجاج نے خط میں لکھا کہ حضور میری اور آپکی مثال آدم علیہ السلام کے دو فرزندوں (ہابیل قابیل) کی سی ہے۔ قربانی دونوں نے پیش کی تھی۔ لیکن قبولیت صرف ایک کو نصیب ہوئی۔ قبولیت قربانی کی علامت بجلی کا قربانی کو جلادینا تھا۔ بادشاہ یہ پڑھ کر خوش ہو گیا۔

ایک دفعہ اُس نے خواب میں دیکھا کہ اسکی دونوں آنکھیں نکال لیگئی ہیں صبح اُٹھکر خواب کو نوعروس بیوی کی بدفالی سے منسوب کیا اور اُس کو طلاق دیدی۔ تھوڑے دن کے بعد اُس کا بیٹا محمد مر گیا۔ اور جس دن وہ مرا اُسی دن حجاج کے بھائی محمد کی لاش بھی یمن سے پہنچگئی بولا یہی میرے خواب کی تعبیر تھی۔ کیا کوئی شاعر اس بارہ میں کچھ کہہ سکتا ہے۔ فرزدق نے اُسی وقت یہ قطعہ پڑھا۔

اِنَّ الرَّزِیَّۃَ لَا رَزِیَّۃَ مِثْلُھَا   فُقْدَانُ مِثْلِ مُحَمَّدٍ وَّمُحَمَّدٍ
مَلِکَانِ قَدْ خَلَتِ الْمَنَابِرُ مِنْھُمَا   اَخَذَ الْحِمَامُ عَلَیْھِمَا بِالْمَرْصَدِ

"یہ ایسی مصیبت ہے جس کی نظیر کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی۔ کہ محمد جیسا شخص اور دوسرے محمد جیسا مرد ہم میں سے گم ہو جاویں۔ یہ دونوں بادشاہ تخت کو خالی کر گئے۔ اور موت نے گھات میں سے نکلکر ان کو پکڑ لیا۔

کہتے ہیں جب بستر مرگ پر دراز ہوا۔ اور مرض الموت میں گرفتار۔ تو ایک نجومی سے دریافت کیا کہ اس سال کسی حکمران کی موت بھی تیرے زائچہ میں نظر آتی ہے۔ کہا ہاں۔ لیکن آپ تو یقیناً وہ نہیں۔ کیونکہ میرے زائچہ میں ایک شخص کلیب نامی بادشاہ کی موت معلوم ہوتی ہے حجاج نے کہا بخدا میں وہی ہوں۔ کیونکہ پہلے میری ماں نے میرا نام کلیب ہی تجویز کیا تھا۔

جس موت میں یہ مرا ہے اس میں لرزہ اور سردی اسے ازحد ستاتی تھی انگاروں سے دہکتی ہوئی انگیٹھیاں جسم سے ایسی قریب کر دیتے۔ کہ جلد بھی جل جاتی۔ تاہم حجاج سردی کی شکایت کئے جاتا۔ حجاج نے تنگ آکر حضرت امام حسن بصریؒ کے پاس کہلا بھیجا۔ کہ کچھ دعا کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تو تجھے پہلے ہی ظلم و ستم کرنے۔ بیگناہوں کو ستانے۔ ناکردہ قصور شخصوں کے قتل کرنے سے روکا کرتا تھا۔ حجاج نے کہا کہ میں صحت نہیں چاہتا۔ بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں

کہ خدا مجھے جلدی اُٹھالے۔ اور عذاب زمہریر سے نجات دے۔ امام حسنؒ یہ سنکر رونے لگے۔ کہ اللہ اکبر جس نے دنیا پر سطوت وجباری سے حکومت کی ہے۔ اب کیسی درماندگی ولاچاری کے ساتھ دم توڑ رہا ہے۔

خلیفہ ولید کے پاس اپنے الوداعی اشعار لکھکر بھیجے۔

اذا مالقیت اللہ عنی راضیا فان سرور النفس فی ماھنالک	جب آپ مجھ سے راضی ہیں تو میرے لئے بڑے اطمینان کا موجب ہے۔
حسبی حیاۃ اللہ من کل میت وحی بقاء اللہ من کل ھالک	سب مرجانیوالے ہیں تو میرے لئے اللہ پاک کا زندہ اور باقی رہنا کافی ہے۔
لقد ذاق ھذا الموت من کان قبلنا ونحن نذوق الموت من بعد ذلک	جو ہم سے پہلے آئے تھے وہ موت کا پہلے مزا چکھ چکے اب ہم اُنکے بعد چکھتے ہیں۔

آخری وقت یہ شعر اکثر پڑھتا رہتا تھا۔ جس میں اپنے گذشتہ افعال کو قبول کرکے ندامت کا اظہار نیز استغفار کرتا ہے ؎

یارب قد حلف الاعداء واجتھدوا ایمانھم اننی من ساکن النار

ایحلفون علی عمیاء ویحھم ما ظنھم بعظیم العفو غفار

"خداوندا میرے دشمنوں نے یقین کرلیا ہے اور قسمیں کھارہے ہیں کہ میں ضرور ہی جہنمی ہوں افسوس یہ لوگ کیسے اندھے پن کیساتھ قسم کھارہے ہیں اور پاک پروردگار پر جو بخشش دینے والا اور عظیم العفو ہے۔ کیسا گمان کررہے ہیں۔"

پندرہ روز کی سخت بیماری ولاچاری کے بعد رمضان ۹۵ھ ہجری کو ۵۴ سال کی عمر میں وفات پائی اور شہر واسط میں جسے بصرہ وکوفہ کے درمیان ۸۳ھ میں اس نے خود آباد کیا تھا دفن کیا گیا۔

امام حسن بصریؒ نے اسکی خبر وفات سنی تو سجدہ شکر کیا اور دعا کی "الٰہی اسے وفات دی ہے تو اس کے طور وطریق کو بھی وفات دیدے"

اس کے بیگناہ مقتولوں کی تعداد ستر ہزار اور بعض نے ایک لاکھ کئی ہزار تحریر کی ہے جس میں صحابہ وتابعین ائمہ ومجتہدین بھی بکثرت شامل ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

معتمد علی اللہ آخر ملوک حیرہ

معتمد علی اللہ قرطبہ و اشبیلہ کا والی تھا۔ اور قریباً جزیرہ اندلس کے بڑے حصہ پر اُسی کا فرمان جاری تھا۔ ایک شاعر نے معتمد اور اُسکے باپ معتقد کی تعریف میں کہا ہے۔

مِنْ بَنِی الْمُنْذِرِ وَھُوَ انْتِسَابٌ   زَادَنِی فَخْرَھُمْ بَنُو عَبَّادِ

فِتْیَۃٌ لَمْ تَلِدْ سِوَاھَا الْمَعَالِی   وَالْمَعَالِی قَلِیْلَۃُ الْاَوْلَادِ

وہ نعمان بن منذر کی اولاد سے ہیں اور اس نسب کے فخر کو عباد بن عمر کی نسل میں ہونے نے اور بھی بڑھا دیا ہے۔ یہ ایسے جوان ہیں کہ مادر اجلال نے ان کے سوا اور کوئی نہیں جنا۔ بیشک اجلال بہت کم بچوں کی ماں ہے۔

اس کا دادا ابوطاہر محمد اشبیلہ کا قاضی تھا اور اپنی منصفانہ طبیعت کیوجہ سے تمام ملک میں مشہور تھا۔ اُسوقت یحییٰ بن علی بادشاہ قرطبہ تھا۔ تمام ملک اُسکے جور و ستم سے تنگ آگیا آخر سرداران ملک نے قاضی ابوطاہر کے پاس جمع ہوکر کہا کہ اگر آپ مخلوق خدا کو اس عذاب سے نجات دلادیں تو ہم آپ کو بھی بادشاہ بنالیں۔ قاضی موصوف نے مان لیا۔ اور فوج کشی کیگئی یحییٰ بن علی قرطبہ کے محل میں بدمست و بے خود پڑا ہوا تھا۔ حملہ آور فوج نے گرفتار کرلیا۔ اور قتل ہوا۔ قاضی ابوطاہر کو بادشاہ بنایا گیا۔ اسی عرصہ میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں ہشام بن الحکم بادشاہ اندلس ہوں جو ۲۳ سال ہوئے مفقود الخبر ہوچکا تھا۔ قاضی نے اُسے مان لیا۔ اور تاج و تخت اُسی کو سونپ کر خود بطور وزارت کام کرتا رہا۔ اور جب دعویٰ کرنے والا ہشام مرگیا تب محمد باستقلال بادشاہ بن گیا۔ زبردست عالم و ادیب تھا اور سیاست ملک و ملکداری کا بہت بڑا ملکہ اُسے حاصل تھا۔ اُسکی وفات پر معتضد باللہ اس کا بیٹا تخت نشین ہوا جو اگرچہ صافی الذہن زکی الطبع ادیب و فاضل تھا مگر درشت خو سخت مزاج ۴۶۱ھ ہجری میں اُسکی وفات کے بعد معتمد علی اللہ جسکا حال ہم لکھ رہے ہیں تخت نشین ہوا۔

ابوالحسن کتاب لمح الملح میں اُسکی نسبت لکھتا ہے کہ معتمد جملہ بادشاہان اندلس سے وسعت اخلاق و سخاوت و فضائل میں بڑھا ہوا تھا۔ شعراء و فضلا اُسکے آستان پر جمع ہوگئے تھے۔ اور اہل فن و فضیلت دور دور سے چلے آتے تھے حتیٰ کہ اُسکے دربار سے بڑھکر اس زمانہ میں اور کہیں اتنے فاضل موجود نہ تھے

معتمد خود بھی شاعر تھا۔ اُسکے شعر میں پھولوں کی سی نزاکت و لطافت اور موتیوں کی سی صفائی اور چمک پائی جاتی ہے ہجر و وصال کے مضمون پر کہتا ہے ؎

أكثرت هجرك غير انك ربما عطفتك احيانا علي امور
فكانما زمن التهاجر بيننا ليل وساعات الوصال بدور

یعنی جدائی کے لمبے زمانہ میں کبھی کبھی جب تو مل لیتا ہے تو یہ کہنا ٹھیک ہے کہ جدائی کا زمانہ توراتوں سے مشابہ ہے اور وصل کا زمانہ پورنماشی چاند سے۔

ایک دفعہ بیگمات کو قرطبہ سے اشبیلیہ روانہ کیا۔ روانگی رات کی تھی۔ معتمد تھوڑی دور تک ساتھ گیا اور پو پھٹنے کیوقت اُن سے جدا ہوا۔ اُسی پر یہ قطعہ لکھا۔

سايرتهم والليل المقل ثوبه حتى تبدى للنواظر معلما
فوقفت ثم مودعا وتسلمت منى يد الاصباح تلك الانجما

جبکہ رات نے چاروں طرف اپنے سیاہ پردے چھوڑ رکھے تھے میں اُنکے ساتھ چلا گیا۔ اور جب صبح کا گلکار لباس نظر آنے لگا۔ تب میں ٹھیر گیا۔ اور اُن سے وداع ہو کر اُن چمکتے ہوئے تاروں کے ہاتھ صبح کے ہاتھ میں دیکر چلا آیا۔

وداع پر ہی ایک اور قطعہ ہے

ولما وقفنا للوداع غدية وقد خفقت فی ساحة القصر رايات
بكينا دما حتى كان عيوننا بجرى الدموع الحمر منها جراحات

صبح کیوقت (جبکہ روانہ ہونیوالے جھنڈے محل کے صحن میں لہرا رہے تھے) ہم وداع کے لئے کھڑے ہوئے اور لہو کے آنسوؤں سے رویا کئے۔ گویا جن آنکھوں سے وہ لہو گر رہا تھا۔ آنکھیں نہیں بلکہ بھرا ہوا پھوڑا تھیں۔

اپنے مصاحبین کو جو صبح کیوقت قصر زہرا میں تھے طلب کرتا ہے۔

حسد القصر فيكم الزهراء ولعمري وعمركم ما اساء
قد طلعتم بها شموسا نهارا فاطلعوا عندنا بدورا مساء

قصر زہرا کو بھی تم پر حسد ہے۔ اور یہ حسد کچھ ناموزوں بھی نہیں۔ دن میں تم وہاں سورج ہو کر چمکے ہو تو شام کو یہاں چاند بن کر طلوع کرو۔

قصر زہرا جس کا ذکر اس قطعہ میں ہے دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ اسے عبدالرحمن اموی نے

قرطبہ سے چار پانچ میل پر اپنی بیگم زہراء کے نام پر ۳۲۵ھ ہجری میں تعمیر کرایا تھا۔ قصر کا طول دو ہزار سات سو گز عرض ایک ہزار پانچ سو گز تھا۔ قصر کی سقف کو چار ہزار تین سو ستون سر پر اُٹھائے ہوئے تھے۔ جس وقت یہ قصر تعمیر کیا گیا ہے اس وقت اندلس کا محاصل اراضیات پانچ کروڑ چار لاکھ اسی ہزار دینار۔ اور محاصل متفرقہ سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار تھے۔ عبدالرحمن کل آمدنی کا ایک ثلث فوج پر ایک ثلث دیگر اخراجات سلطنت پر اور ایک ثلث اس عمارت پر صرف کیا کرتا تھا۔

معتمد کے عہد میں کل ملک اندلس پر شاہانہ اور اعلےٰ طاقت کے ساتھ ایک عیسائی بادشاہ اذفونش نامی متسلط تھا۔ اور تمام اسلامی ریاستیں اُسے خراج ادا کیا کرتیں ۴۷۸ھ ہجری میں اس عیسائی بادشاہ نے طلیطلہ فتح کیا اور اُس سال جو خراج معتمد علی اللہ نے اُسے بھیجا وہ قبول نہ کیا۔ بلکہ کہلا بھیجا کہ تم تمام جنگی قلعہ جات چھوڑ کر صرف ہموار سطح پر اپنا قبضہ رکھو۔ معتمد نے سفیر کو قتل کرا دیا۔ اذفونش یہ سنکر نہایت طیش میں آیا۔ اور اسی بہانہ پر لڑائی کی تیاری کا حکم دیا۔ جب علماء و فقہاء کو یہ معلوم ہوا۔ تو انہوں نے ایک انجمن میں جمع ہو کر مشورہ کیا۔ کہا ہماری چھوٹی چھوٹی ریاستیں باہمی جنگ و جدل میں مصروف ہیں۔ اور نصاریٰ برابر یکے بعد دیگرے اسلامی حکومتوں کو خاک میں ملا رہے ہیں۔ اگر یہی حالت رہی تو اسلامی حکومتوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ آخر قاضی عبداللہ کی رائے یہ ٹھہری کہ یوسف بن تاشقین بادشاہ مراکو سے مدد حاصل کرنی چاہیئے۔ معتمد علی اللہ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور یوسف بن تاشقین کیخدمت میں خط روانہ کیا گیا وہ فوراً دس ہزار جنگ آزما فوج لیکر مقابلہ میں آیا۔ اذفونش نے لمبے چوڑے خط لکھکر امیر یوسف کو ڈرانا چاہا۔ جس کے جواب میں یوسف نے صرف یہ لکھ بھیجا۔ کہ جو ہونا ہے اُسے تم جلد دیکھ لوگے اگلے روز جنگ شروع ہوا۔ صرف اذفونش چند نفوس سمیت جان بچا کر بھاگ سکا۔ باقی تمام عیسائی فوج وہیں کام آئی معتمد علی اللہ نے بھی لڑائی میں ایسی سعی و کوشش اور جرأت و شجاعت دکھلائی کہ سراپا زخموں سے چور ہو گیا۔

امیر یوسف اس فتح کے بعد اپنے دار السلطنت کو لوٹ کر چلا گیا۔ دوسرے سال پھر آیا۔ اور معتمد کو ساتھ لیکر اہل فرنگ کے ایک قلعہ کا محاصرہ کر دیا۔ لیکن جب قلعہ فتح نہ ہوا تو غرناطہ کی سیر کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ غرناطہ کی سیر کیا کی۔ وہاں کی نفاست و لطافت، مال و زر تجارت و صنعت میوہ جات اور ترکاریاں محلات و باغات بازار اور تفریح گاہیں دیکھکر حیران ہو گیا۔ مراکو میں

یہ ساماں خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ امراء و مصاحبین بھی اس ملک کے شیفتہ ہو گئے۔ امیر کو ترغیب دینے لگے کہ اس ملک پر تو خود قبضہ کر لینا چاہیئے۔ اسی ضمن میں معتمد علی اللہ کی نسبت ایسی ایسی باتیں بنا کر سناتے رہے۔ جن سے امیر کا مزاج برگشتہ ہو جائے آخر ارکین دربار کا فریب چل گیا اور امیر نے اشبیلہ فوج کشی کا حکم دیا۔ سخت محاصرہ کے بعد شہر فتح ہو گیا۔ تمام باشندگان بیک بینی و دو گوش کہ ستر عورت کیلئے بھی بدن پر دھجی نہ تھی۔ باہر نکالے گئے۔ معتمد علی اللہ قید کر لیا گیا۔ شاہی کنبہ کے تمام مرد و زن ایک رسی سے بندھے ہوئے اور ایک دوسرے پر اوندھے پڑے ہوتے تھے سب کو ایک کشتی میں ڈالا گیا۔ اور امیر کی خدمت میں بھیجدیا گیا۔ عبد الجبار شاعر نے کشتی کو روانہ ہوتے دیکھکر ایک قصیدہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

رفعت لسانی بالقیامۃ قد انت فھذا ای الجبال الراسیات تسیر

میری زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ لو قیامت آ گئی۔ دیکھ لو یہ بڑے بڑے پہاڑ چل رہے ہیں عربی شاعر عظیم المرتبت شخص کو پہاڑ سے تشبیہ دیا کرتا ہے۔

جب یہ قیدی امیر یوسف کے سامنے کئے گئے تو اس نے معتمد کو شہر اغمات میں طوق و سلاسل کے ساتھ قید رکھنے کا حکم دیا۔ جہاں یہ نیک بادشاہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک رہا۔

اللہ اکبر کیا عبرت کا مقام ہے کہ چار روز پہلے جس نام کا ملک میں سکہ و خطبہ جاری تھا۔ جو سنہری تخت پر ناز سے قدم رکھتا تھا جس کے حضور میں بڑے بڑے گردن کش حاضر رہتے ہوئے تھراتے تھے۔ وہ کیسی گمنامی کیساتھ فرش خاک پر طوق و سلاسل کے شکنجہ میں پڑا ہوا ہے اور کسطرح ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کی مہربانی کیلئے التجا کرتا ہے۔

ایک شاعر نے جو نمک پروردہ بھی تھا۔ اپنے آقا کی اس رلا دینے والی حالت پر قصیدہ لکھا ہے۔ عربی دماغ کے خیالات معلوم کرا دینے کیلئے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

وقل لی مجازا ان عدمت حقیقۃ لعلک فی نعم وقد کنت منعما

گو حقیقۃً نہیں لیکن مجھسے مجازاً ہی بتلا دیجئے کہ کیا آپ نعمتوں میں ہیں شاید ایسا ہی ہو کیونکہ قدیم سے آپ نعمت پروردہ تھے۔

افکر فی عصر مضی لک مشرقا فیرجع ضوء الصبح عندی مظلما

میں جب آپکے پچھلے روشن زمانہ کو یاد کرتا ہوں۔ تو صبح کی روشنی میری آنکھوں میں تاریک نظر آتی ہے۔

واتعجب من افق المجرۃ اذ رای　　　کسوفک شمسا کیف اطلع انجما

میں تو پیروین کو دیکھ دیکھ کر حیران ہونگا جب بڑے سے آفتاب کو گہناتے ہوئے دیکھ چکا ہے۔ تو اب ستارہ ہو کر کسطرح چمکتا ہے۔

صباحہم کنا ہم تحمد السری　　　فلما عدمناہم سرینا علی عمی

اُنکے عہد میں ہم صبح کے خواب شیریں میں تھے لیکن جب وہ نہ رہے تو ہم اندھے رہ گئے۔

وکنا وعیشنا العز حول حماہم　　　فقد اجدب المرعی وقد اقصر الحمی

عزت و اقبال اُنکے سبزہ زار کا رکھوالا تھا۔ مگر اب وہ سبزہ ہی خشک ہو گیا وہ پیڑ ہی کٹ کر شور ہو گیا۔

بکیتک حتی لم یخل لی الاسی　　　دموعا بہا ابکی علیک ولا دما۔

میں اسقدر رویا ہوں کہ اب نہ آنسو ہی باقی رہے ہیں اور نہ خون جو آنکھوں سے نکلے۔

سینجیک من نجی من الجب یوسفا　　　ویوویک من اوی المسیح ابن مریما

تجھے وہ پاک پروردگار نجات دیگا جس نے یوسفؑ کو چاہ سے نکالا تھا۔ تجھے وہ مالک امن گاہ تک پہنچائیگا جس نے مسیح کو بچایا تھا۔

وفا و مروت میں جو لوگ ثابت قدم تھے وہ زنداں میں بھی جاکر معتمد سے ملا کرتے اور پہلے کی سی تعظیم و آداب کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ابوبکر شاعر اُس سے ملنے کیواسطے گیا۔ تو معتمد نے ۲۰ دینار۔ ایک چوغہ قلمکار اُس کے پاس بھیجا۔ اور یہ قطعہ بھی لکھا۔

الیک النذر من کشف الاسیر　　　فان تقبل تکن عین الشکور

تقبل مایکون لہ حیاء　　　وان عذرتہ احوال الفقیر

یہ آپکی نذر ہے جو قیدی پیش کرتا ہے۔ اگر تم نے اسے منظور کیا۔ تو مشکوری کا باعث ہے گو فقیرانہ حالت نے مجھے معذور کر رکھا ہے۔ تاہم مجھے اس تھوڑی سی چیز پر شرم آتی ہے بہر حال تم اسے منظور ہی کر لو۔

عید کا دن تھا اور شہر میں چہل پہل ہو رہی تھی۔ اتنے میں معتمد کی دو بیٹیاں وہ ناز پروردہ شہزادیاں اپنے باپ کو دیکھنے کیلئے زنداں میں آئیں۔ یہ لڑکیاں گلی بازار میں لوگوں کو گیت سنا کر بھیک مانگ کر گزران کرتی تھیں۔ زنداں میں ایک عہدہ دار بھی موجود تھا جو پہلے معتمد کا ملازم اور ادنے چاکر رہ چکا تھا۔ شہزادیوں کو دیکھ کر اُس کا دل بھر آیا۔ اور بے ساختہ یہ شعر پڑھنے لگا۔ ؎

فیما مضی کنت بالاعیاد مسرورا　　فساءك العید فی اغمات ماسورا

آج سے پہلے عید کے دنوں میں تو آپ خوش وخرم ہوتے تھے لیکن اغمات کی قید میں کبھی اسیر پڑے ہو۔

تری بناتك فی الاظمار جائعة　　یغزلن للناس لا یملکن قطمیرا

تو اپنی بیٹیوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہے کہ پیٹ سے بھوکی اور بدن سے ننگی ہیں لوگوں کے سامنے گیت گاتی ہیں اور کوڑی پاس نہیں۔

برزن نحوك للتسلیم خاشعة　　ابصارهن حسیرات مکاسیرا

لڑکیاں تجھے مؤدبانہ سلام کرنے کیلئے آتی ہیں اور اُنکی نگاہ سے حسرت وشکستگی ٹپک رہی ہے۔

یطان فی الطین والاقدام حافیة　　کانها لم تطاء مسکا وکافورا

وہ خاک دھول میں ننگے پاؤں چل رہی ہیں گویا ان قدموں کو مشک کافور کبھی نہیں ملا گیا تھا۔

من بات بعدك فی ملك یسربه　　فانما بات بالاحلام مغرورا

آپکے بعد جو حکومت پر خوش ہوگا اُسکی وہی مثال ہے جو خواب وخیال پر خوش ہوتا ہے۔

ایک دن معتمد کا بیٹا ابوہاشم زنداں میں اپنے باپ کو دیکھنے گیا۔ دیکھا لوہے میں جھکڑا ہوا ہے کہ کروٹ لینا بھی دشوار ہے آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی ایسی جاری ہے کہ بند نہیں ہوتی۔ فرزند کو دیکھکر اور بھی دل بھر آیا۔ اور ذیل کے اشعار پڑھنے لگا۔

قیدی اما تعلمنی مسلما	اے قید! کیا تو مجھے مسلمان نہیں سمجھتی۔
ابیت ان تشفق او ترحما	کہ رحم وشفقت میرے لئے جائز نہیں سمجھی گئی۔
دمی شراب لك واللحم قد	میرا لہو پی لیا گوشت کھا لیا۔
اکلته لا تهشم الاعظما	اور ہڈیوں کو چور چور بنا دیا۔
یبصرنی منك ابوهاشم	ابوہاشم میری خبر لینے آیا ہے۔ مگر اے قید مجھے تیرے ساتھ
ینثنی والقلب قد هشما	دیکھکر اُس کا دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔
ارحم طفیلا طائش لبه	ناداں بے تمیز گم کردہ ہوش وحواس بچے پر ہی رحم کر جو
لم یخشی ان یاتیك مترحما	تیرے سامنے رحم کی درخواست کرنیسے ذرا نہیں جھجکتا۔
وارحم اخیات له مثله	اس بچہ کی بہنوں پر ہی رحم کر جن کو اُس بچہ کیساتھ
جرعتهن السم والعلقما	ہی تو نے حنظل وزہر کا گھونٹ پلا دیا ہے۔
منهن من یفهم شیئا فقد	لڑکیوں میں سے کوئی تو اس عمر کی ہے جو اُس مصیبت کو سمجھ سکتی ہے؟

خفنا علیہ للبکاء الغنی	سو وہ اتنا رو رہی ہے کہ اُسکے اندھا ہو جانیکا ڈر ہے۔
والغیر لا یفہم شیئا یفتح الا لرضاع فما	کوئی لڑکی ایسی ہے جو کچھ بھی نہیں جانتی۔ وہ صرف چھاتی چوسنے کیلئے منہ کا کھولنا جانتی ہے۔

ابوبکر جو دربار معتمد کا شاعر خاص تھا ایک دفعہ اُس نے معتمد کے پوتے کو دیکھا کہ رنگریزی کی دُکان کر رکھی ہے۔ اور فخر الدولہ کہلائے جانے کے بعد پیسہ پیسہ پر کپڑے رنگ رہا ہے۔ یہ قطعہ لکھ کر اُس کے سامنے پیش کیا۔ اور اپنی نمک حلالی کا ثبوت دیا۔

شکاتنا فیک یا فخر العلا عظمت　　　　والرزء یعظم فیمن قدرہ عظما

اے فخر العلاء تیرے بارہ میں ہم کو بہت بڑا افسوس ہے بیشک عظیم الشان کی مصیبت بھی عظیم ہی ہوا کرتی ہے

طوقت من نائبات الدھر عنقۃ　　　　ضاقت علیہ وکم طوقتنا النعما

یا تو ہماری گردنوں میں قیمتی گلو بند پہنایا کرتا تھا۔ یا زمانہ نے تیرے گلو میں سانس کو بند کر دینے والے طوق ڈال دیئے۔

صرفت فی آلۃ الصوغ انملۃ　　　　لم تدر الا الندی والسیف والقلما

تونے اُن انگلیوں کو رنگریزی میں ڈال رکھا ہے جو زرپاشی سپہگری۔ قلمگیری کے سوا کچھ نہیں جانتی تھیں

ید عہدتک للتقبیل تبسطھا　　　　فتستقل الثریا ان تکون فما

وہ ہاتھ اگر تو اُسے بوسہ دہی کیلئے پھیلا دیتا تو ثریا سراپا دہن ہو کر آگے بڑھتا۔

معتمد علی اللہ ۴۳۱ھ میں پیدا ہوا ۴۸۸ھ میں جیل خانہ کے اندر وفات پائی۔ صاحب تخت و تاج اور مالک سکہ و خطبہ ہونیکے بعد گمنامی کیساتھ دفن ہوا۔

اُس کے مرنے کے بعد بھی شاعروں نے دردناک الفاظ میں مرثیے لکھے۔ اور مدتوں تک پُرانے نمکخوار قبر کے مجاور بنے رہے۔

ایک روز چند شاعر اکٹھے ہو کر قبر پر پہنچے۔ عبد الصمد جو خاص شاعر تھا وہ آگے بڑھا۔ اور قطعہ ذیل پڑھا۔

ملک الملوک اسامع فانادی ام قد عدتک عن السماع عوادی	اے شہنشاہ کیا آپ سنیں گے میں کچھ عرض کروں۔ یا آپ فریاد سننے سے بیزار ہیں۔
لما نقلت عن القصور و لم تکن فیہا کما قد کنت فی الاعیاد	جب اُن محلوں سے (زنداں سے مراد ہے) جہاں آپ کچھ زیادہ خوش نہ تھے۔ چلے آئے۔

اُقْبِلْتُ فِیْ ھٰذَا الثَّریٰ لَکَ خَاضِعًا } تو میں بھی خاک گور پر ادب تواضع کیساتھ حاضر ہو گیا
وَجَعَلْتُ قَبْرَکَ مَوْضِعَ الْاِنْشَادِ } ہوں۔ اور آپکی قبر کو بھی میں نے قصیدہ خوانی کی
جگہ سمجھ لیا ہے۔

اتنا پڑھتے ہی زمین پر گر پڑا۔ قبر پر لوٹتا تھا۔ اور اپنے چہرہ پر خاک گور ملتا جاتا تھا۔ خود بھی رویا اور دوسروں کو بھی رُلایا۔

پیارے ناظرین اس تمام دردناک داستان سے عبرت پکڑو اور چند سبق حاصل کرو۔

۱۔ ہم کو ایسے علماء کی ضرورت ہے جو قوم کے اسباب تنزّل پر غور کرنے اور وجوہ ترقی پر عمل کرنے کیلئے بادشاہ وقت کو مشورہ دینے والے ہوں۔ جیساکہ اذ قونش کے حملہ پر علماء عہد نے معتمد کو دیا تھا۔

۲۔ خواہ کوئی کیسا ہی عالی خاندان کیوں نہ ہو۔ اور کیسے ہی اعلےٰ عہدہ پر کیوں نہ رہ چکا ہو مصیبت پڑنے کے بعد اُسکو ادنی سے ادنی پیشہ اختیار کرنے اور وجہ حلال سے شکم پُری کا طریق نکالنے میں تامل نہ کرنا چاہیئے جیسے فخر الدولہ نے زنگریزی اختیار کرنے میں اپنی اعلےٰ جوانمردی کا ثبوت دیا۔

۳۔ محسن کے احسانات کو ہمیشہ یاد رکھو اور اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ تب جہانتک ممکن ہو ثبات و استقلال کے ساتھ اُسکی محبت میں رہو۔ جیساکہ معتمد کے اکثر ملازموں اور شاعروں نے کیا۔

۴۔ خیال کرو کہ کیونکر پہلی سلطنتیں عروج پاتی اور ہبوط میں گرتی رہی ہیں۔

ملک شاہ سلجوقی

ابوالفتح کنیت ملک شاہ نام ہے۔ الپ ارسلان سلجوقی اس کا باپ تھا۔ الپ ارسلان سفر میں تھا کہ بستر مرگ پر بیمار ہو کر پڑا۔ ملک شاہ ساتھ تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے کسی سفر میں بھی باپ کیساتھ نہ ہوتا تھا۔ باپ نے بیٹے کو بلایا۔ اپنے سامنے بادشاہ بنایا۔ پھر اراکین سلطنت اور سرداران فوج کو بلا کر اسکی اطاعت و فرمانبرداری کا حلف لیا۔ پھر نظام الملک وزیر اعظم کو بلا کر سمجھایا۔ کہ فلاں فلاں اضلاع دوسرے بیٹوں کو تقسیم کر کے دیدے۔ اور وہ سب اپنے بڑے

بھائی کی اطاعت میں رہیں۔ الپ ارسلان مرگیا۔ اور ملک شاہ دار السلطنت کو روانہ ہوا۔ آگے چلکر معلوم ہوا کہ چچا مخالف ہوکر باغی بن گیا ہے۔ نظام الملک فوج لیکر آگے بڑھا۔ اُسے شکست ہوئی اور گرفتار ہوکر ملک شاہ کے سامنے لایا گیا۔ چچا نے معافی کی درخواست کی لیکن شاہ نے پذیرانہ کی۔ اُس نے جیب سے ایک بڑا خریطہ نکالا۔ جس میں سینکڑوں خطوط تھے۔ کہا جبتک میرے پاس آپکے سرداروں۔ اہلکاروں کے اسقدر خطوط نہ پہنچے۔ اُس وقت تک مینے بغاوت نہیں کی۔ پس قصور صرف میرا ہی نہیں۔ شاہ نے نظام الملک کو بلایا۔ اور خریطہ دیکر کہا۔ کہ ان سب کو پڑھو۔ اور دیکھو کس کس نے کیا کیا لکھا تھا۔ نظام الملک نے خریطہ ہاتھ میں لے لیا کمرہ میں انگیٹھی خوب روشن ہورہی تھی۔ جھٹ اسکو انگیٹھی میں ڈالدیا۔

جس وقت سے بادشاہ کے ہاتھ میں منافق سرداروں کے وہ خطوط آگئے تھے اُن میں عجب طرح کی کھلبلی اور بے چینی پھیل گئی تھی۔ سب کو مجسم موت نظر آنے لگی تھی۔ اور دل میں سب ٹھانے بیٹھے تھے کہ اگر شاہ نے قتل کا حکم دیا تو دو دو ہاتھ کئے بغیر ہم بھی اپنی جان نہ دینگے۔ لیکن جب نظام الملک نے سب خطوط کو آگ میں ہی ڈالدیا۔ تو سب کی تسکین ہوگئی اور ہرایک نے یہی چاہا۔ کہ سب سے زیادہ وفاداری اور خدمتگذاری کا وہی اظہار کرے۔ تاکہ احتمالی طور پر بھی اُن پر شبہ نہ ہوسکے۔ پس یہی ایک سادہ اور پُرمعنی تدبیر تھی۔ جس سے ملک شاہ کی حکومت مستحکم ہوگئی۔ اور آئندہ فتوحات بھی اس قدر بادشاہ کو حاصل ہوئیں کہ خلفائے متقدمین کے بعد کسی بادشاہ کے نصیب ہوئی تھیں۔ اس کی حدود سلطنت کاشغر سے لیکر بیت المقدس تک اور قسطنطنیہ سے لیکر بلاد خزر تک پھیلی ہوئی تھیں خاص بغداد بھی اسی کی زیر حکومت تھا۔ اور خلیفہ صرف نام کا خلیفہ رہ گیا تھا۔ جیسے اکبر ثانی وغیرہ شاہان دہلی پنشن خواری کیحالت میں بھی بادشاہ کہلاتے تھے۔ اتنی بڑی سلطنت میں امن وامان ایسا تھا کہ ماوراءالنہر سے لیکر شام کی انتہائی سرحد تک قافلے بلا روک ٹوک آتے جاتے تھے۔ اور اُن کے ساتھ ایک سپاہی بھی حفاظت کیلئے نہوتا تھا۔ اکا دُکا آدمی ہزاروں کا مال لیکر لمبے لمبے سفر کیا کرتا تھا۔ اور اُسے بدامنی کا کوئی ہراس نہ ہوتا تھا۔

بادشاہ ایسا فتح نصیب تھا کہ جتنی لڑائیوں میں خود شامل ہوا۔ یا فوج بھیجی سب مظفر ومنصور واپس ہوئی جسقدر فتح کا خیال تھا۔ اسی قدر آبادی ملک کا بھی دھیان رکھتا تھا تمام ملکوں میں نہروں کا جال بچھادیا۔ اور ہرایک بڑے شہر کی فصیل تیار کرادی تھی۔ اور

جا بجا شاہراہوں پر پل بنوا دیئے تھے۔ بغداد کی جامع سلطان کا بانی بھی یہی ہے۔ مکہ مکرّمہ کی راہ میں بیسیوں مہمانسرائیں تیار کرا دیں۔ اور اُن پر بہت زیادہ روپیہ صرف کیا۔

شکار کا تو عاشق تھا جب فرصت ملتی شکار کو چلا جاتا۔ ایک دفعہ حکم دیا کہ جتنے جانور ہم نے شکار کئے ہیں اُنکا شمار کیا جاوے۔ بھول چوک چھوڑ کر دس ہزار گنتی میں آئے۔ بادشاہ نے دس ہزار دینار خیرات کئے کہا میں خدا سے عفو چاہتا ہوں۔ کہ بہت سے ایسے مارے گئے جو کھائے نہیں گئے۔ اس کے بعد جو شکار کرتا ایک دینار صدقہ دیتا۔

طبیعت میں تواضع اور انکسار اسقدر تھا کہ ایک دفعہ حاجیوں کو رخصت کرنے کیلئے کوفہ سے نکلا۔ تو کئی کوس تک انکے ساتھ پا پیادہ ہی چلا گیا۔ جب بیڑ میں پہنچا تو وہاں ایک بہت بڑا گورخر مل گیا۔ حکم دیا کہ جسقدر جانور ہم شکار کر چکے ہیں اُنکے سب کے کُھر اور سینگ اکٹھے کر کے اس جگہ ایک مینار تیار کر دیا جائے جسے دیکھکر وحشی بھاگ جایا کریں۔

خبر آئی کہ حقیقی بھائی باغی ہو گیا۔ لشکر لے کر چلا۔ راستہ میں امام علی بن موسیٰ رضا رضوان اللہ علیہم کا مشہد آیا۔ نظام الملک کو لیکر روضہ میں چلا گیا۔ ایک گوشہ میں نماز پڑھی اور دونوں نے دعا مانگی باہر آ کر نظام الملک سے پوچھا کہ تم نے یہاں کیا دعا مانگی کہا حضور کی فتح و نصرت کی۔ کہا میں نے تو یہ دعا مانگی ہے کہ خداوند کریم ہم دونوں بھائیوں میں سے جو رعیّت کو زیادہ نفع پہنچانیوالا اور مسلمانوں کی حالت کو زیادہ درست رکھنے والا ہو اُسکو فتح دے۔

ایک دفعہ ایک واعظ سے وعظ سننے لگا۔ واعظ نے بیان کرتے ہوئے یہ حکایت سنائی اکاسرہ (فارس کے آتش پرست بادشاہوں) میں ایک بادشاہ شکار میں تنہا رہ گیا۔ اور ایک باغ میں جا پہنچا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی وہاں موجود تھی اُس نے پانی مانگا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد شربت اور برآب کا گلاس لے آئی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ مٹھاس کس چیز کا ہے۔ کہا باغ میں نہایت عمدہ قسم کے پودے ہیں ہاتھ سے ذرا دباؤ تو رس نکل پڑتا ہے اس پانی میں ڈالکر میں نے شربت بنا لیا ہے کہا اچھا ایک گلاس اور لا۔ لڑکی چلی گئی۔ بادشاہ نے دل میں کہا کہ ایسا باغ ہمارے پاس ہونا چاہیئے۔ ان کو معاوضہ میں کوئی اور باغ دے کر شاہی قبضہ کر لونگا۔ لڑکی دیر کے بعد رونی شکل بنا کر آئی۔ کہا ہمارے بادشاہ کی نیّت میں اسوقت فرق آ گیا۔ بادشاہ نے کہا کیونکر۔ کہا ابھی دفعہ بڑی دقّت اور زور سے رس نکلا ہے اور وہ بھی کم۔ بادشاہ نے دل میں کہا کہ اسکی آزمائش کرنی چاہیئے میں اپنے ارادہ کو فسخ

کرتا ہوں کہا اچھا ایک گلاس اور لے آ۔ لڑکی جلدی آ گئی۔ اور ہنستی ہوئی آئی۔ کہا شکر ہے کہ بادشاہ کی نیت درست ہو گئی اور پودے پہلے جیسے بن گئے۔

ملک شاہ نے یہ سنکر واعظ کو کہا کہ اسکے ساتھ وہ قصہ بھی تو لوگوں کو سنا دینا چاہیئے۔ کہ نوشیرواں نے ایک باغبان سے (جو بادشاہ کو پہچانتا نہ تھا) انگور کا ایک خوشہ مانگا۔ باغبان نے کہا۔ کہ بادشاہ نے ابھی بٹائی نہیں لی۔ اس لئے میں خیانت نہیں کر سکتا۔ مجلس وعظ کے حاضرین حیران ہو گئے کہ واعظ نے جس درجہ کی کہانی سنائی تھی جس سے رعیت کا بادشاہ پر حق ثابت ہوتا ہے اسی درجہ کی بادشاہ نے سنا دی جس سے بادشاہ کا رعیت پر حق نکلتا ہے۔ بیشک دونوں کو اپنے اپنے حقوق کی کامل نگہداشت کرنی چاہیئے۔

ہمدانی لکھتا ہے کہ ایک دفعہ ایک حبشی روتا ہوا بادشاہ کے پاس آیا۔ کہا میں ایک تربوز خرید کر لایا تھا۔ دو تین فوجی ترک سامنے سے آئے کہوس کر لیگئے۔ بادشاہ نے کہا ہمارے خیمہ میں خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ۔ پھر خادم کو بلایا۔ کہا میرا دل تربوز کھانیکو چاہتا ہے کہیں سے لاؤ۔ اُس نے کمپ میں تلاش کرائی۔ وہی تربوز ایک سردار کے پاس مل گیا۔ جب اُسے خبر ہوئی کہ بادشاہ کھانا چاہتا ہے تو خود لیکر حاضر ہوا۔ بادشاہ نے کہا یہ کہاں سے آیا۔ کہا چند سپاہی میرے پاس تحفۃً لائے تھے۔ کہا انکو حاضر کرو۔ سردار سمجھ گیا کہ اُن کو سزا ملیگی۔ آکر کہہ دیا۔ حضور وہ تو اسوقت کمپ سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے حبشی کو بلایا۔ کہا اس سردار کو ہم تیرا غلام بناتے ہیں۔ جبتک یہ تجھے خوش نہ کرے۔ تیرا غلام ہے۔ امیر نے خیمہ سے باہر جا کر اُسے تین سو روپیہ دیکر خوش کیا اور اپنا پیچھا چھوڑایا۔

کہتے ہیں کہ رسد رسانی افواج کا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ جس شہر یا قصبہ میں بادشاہ جا کر اُترتا وہاں کا نرخ روزمرہ کی نسبت اور سستا ہو جاتا۔ کیونکہ بعض مواقع پر عام لوگ بھی کمسریٹ سے ضروریات زندگی خرید کر سکتے تھے۔

ہمدانی لکھتا ہے کہ رے میں ایک مغنیہ نہایت حسین وجمیلہ تھی۔ بادشاہ نے اُسے راگ سننے کیلئے بُلایا۔ مگر صورت دیکھتے ہی مفتون ہو گیا۔ جب اپنا ارادہ اُسپر ظاہر کیا۔ تو کہا حضور مجھے غیرت آتی ہے کہ خدا نے مجھے ایسی صورت شکل عطا فرمائی ہے اور میں اسکو جہنم کا ایندھن بنا دوں۔ حضور جانتے ہیں کہ حلال وحرام میں صرف ایک کلمہ کا فرق ہے اور جب حلال ایسی آسانی سے میسر آسکتا ہو تو حرام سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ بادشاہ نے کہا سچ کہتی ہو اُسی وقت

قاضی کو بلوا کر نکاح پڑھوا لیا۔

کہتے ہیں کہ بادشاہ نے اپنی بیٹی کا نکاح خلیفہ مقتدی باللہ کے ساتھ کر دیا تھا۔ اُس کے شکم سے ابوالفضل جعفر پیدا ہوا۔ ولادت کی خوشی میں تمام شہر بغداد کی آئینہ بندی اور چراغاں کیا گیا۔

ملک شاہ کو اب خیال پیدا ہوا کہ خلیفہ پر یہ زور ڈالے کہ جعفر کو اپنا ولیعہد قرار دے۔ خلیفہ ایسا کرنا نہ چاہتا تھا کیونکہ وہ اپنے بڑے بیٹے مستظہر کو ولی عہد بنا چکا تھا۔ خلیفہ نے پہلے تو انکار کر دیا۔ لیکن جب ملک شاہ نے خود بغداد میں آ کر اس پر بہت زور ڈالا۔ تو خلیفہ نے دس یوم کی مہلت غور کرنے کیلئے طلب کی۔ بادشاہ شکار کو چلا گیا۔ شکار میں اُس نے ایک گورخر مارا۔ اُس کے کباب بنا کر کھائے۔ اور کھاتا ہی بیمار ہو گیا۔ بغداد میں واپس لایا گیا۔ دو روز بیمار رہکر مر گیا۔

کہتے ہیں خلیفہ نے دس یوم کی مہلت لیکر روزہ رکھنا شروع کیا۔ اور زمین پر اپنا بستر بچھا لیا۔ افطار کیوقت دعا مانگتا۔ کہ الٰہی مجھے ملک شاہ کے تقاضا سے نجات دے۔ چنانچہ بادشاہ اسی دس یوم کے اندر بیمار ہو کر مر گیا تھا۔ اس کے مرنے پر کسی قسم کا جزع و فزع اور اظہار ماتم ... نہیں ہوا۔ دستور تھا کہ ماتم شاہ میں سوار اپنے گھوڑوں کی دمیں کاٹ ڈالتے تھے۔ یہ رسم بھی نہیں کیگئی نہائت سہولت کیساتھ بغداد سے جنازہ اصفہان لایا گیا۔ اور مدرسہ عظیمہ میں دفن کیا گیا۔ ولادت ۹ جمادی الاول ۴۴۷ھ وفات ۱۶ شوال ۴۸۵ھ مدت سلطنت ۲۰ برس۔

طغرل بک بانی خاندان سلجوقیہ

سلجوقی دراصل ترک ہیں اور صاحب ملک و حکومت ہونیسے پیشتر یہ قوم بخارا اور ماوراءالنہر کے درمیان بود و باش رکھتی تھی۔ وہ کسی سلطنت کو خراج نہ دیتے تھے۔ اگر کوئی سلطنت ان پر حملہ بھی کرتی تو بھاگ جاتے یا محصور ہو کر مقابلہ میں حملہ آور فوج کو شکست دے کر نکال دیتے سلطان محمود غزنوی نے ان کی طاقت و شجاعت اور کثرت تعداد و آزادی کو خوفناک سمجھکر سردار قوم کو اپنی طرح طرح کی مہربانیوں سے برگزیدہ بنا لیا۔ اور اُسکی آمد و رفت دربار میں ہو گئی ایک دفعہ موقعہ ملجانے پر اُسے قید کر دیا گیا۔ اور قوم کے افراد بھی اسیر کر لئے گئے۔ ارا کین

دربار میں سے کسی کی رائے تھی کہ ان کو جیحون میں غرق کر دیا جائے۔ کوئی کہتا تھا کہ صرف انگشت کاٹی جائے تاکہ نہ تیر چلا سکیں اور نہ ہتھیار اٹھا سکیں۔ لیکن سلطان محمود نے اُن کو دریائے جیحون سے پار اُتار کر چھوٹی چھوٹی بستیوں میں متفرق کر دیا۔ اور ہلکا سا خراج بھی مقرر کر دیا گیا کچھ عرصہ تک تو یہ لوگ امن وامان سے آباد رہے۔ لیکن پنجہ حکومت کے مضبوط ہو جانے پر عمال کی سخت گیری و زیادہ ستانی ان کو تنگ کرنے لگی۔ ایک ہزار گھر یہاں سے اُجڑ کر علاقہ کرمان کو چلے گئے۔ بہاء اللہ بن عضد الدولہ وہاں کا حاکم تھا اُس نے چودھریوں کو خلعت دیکر سب کو اطمینان دلایا۔ اور اپنے زیر سایہ آباد ہونیکا ارشاد فرمایا۔ اس کا منشا ان سے فوجی خدمت لینے کا تھا۔ لیکن دس دن ہی گذرے تھے کہ بہاء الدولہ مرگیا۔ اور یہ مہاجر قوم ویلم سے ڈر کر اصفہان کو چلی گئی۔ یہاں کا حاکم علاء الدولہ تھا۔ اُس نے بھی ان لوگوں سے مدارات ہی کی اور فوج میں داخل کر لینے کا ارادہ کیا۔ لیکن اتنے میں سلطان محمود کا مراسلہ پہنچگیا جس میں ان لوگوں کو ملک سے خارج یا قتل کر دینے کیلئے تاکید کی گئی تھی۔ سخت خونریزی کے بعد بچے کھچے سلجوقی آذربیجان کو روانہ ہو گئے۔ اُن کے جو گھر خراسان میں ہی رہ گئے تھے۔ سلطان نے اُن پر لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ وہ خوارزم کی متصلہ پہاڑیوں میں پناہ گزین ہو کر دو سال تک غزنوی فوج کا مقابلہ کرتے رہے۔ آخر محمود نے خود حملہ کیا۔ اور پہاڑوں کی آڑ سے نکال کر اپنے حلقہ حکومت سے خارج کر دیا۔ سلطان محمود اس سے تھوڑا عرصہ بعد ہی راہ گرائے ملک جاودانی ہو گئے۔ سلطان مسعود کو تقویت لشکر کیلئے بہادر اشخاص کی ضرورت محسوس ہوئی اُس نے اُن سلجوقیوں کو جو آذربیجان چلے گئے تھے۔ طلب کیا۔ ایکہزار مرد جنگی وہاں سے مل گئے۔ پھر خراسان کے متصل متفرق پراگندہ سلجوقیوں کو جمع کرایا۔ اور سب سے اطاعت کا حلف لیکر سابقہ وظیفہ جو شروع شروع میں سلطان محمود نے دینا تجویز کیا تھا جاری کر دیا۔ طغرل بک اور اُس کا بھائی ہنوز ماوراء النہر کیجانب ہی تھے۔ اور ملک شاہ صاحب بخارا سے چند لڑائیاں لڑ کر بہت کمزور ہو چکے تھے۔ اسوقت انہوں نے سلطان مسعود کے پاس واپس آجانیکی اجازت حاصل کرنے کیلئے یادداشت بھیجدی۔ سلطان مسعود نے پہلے تو ان لوگوں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ لیکن چند لڑائیوں کے بعد طغرل بک کو معافی دیدی اور شرط یہ ٹھیری کہ خوارزم کو فتح کر کے سلطان مسعود کی حکومت میں شامل کر دیں گے اسوقت اُنکی درخواست پر وہ بوڑھا چودھری یا سردار بھی جسے سلطان محمود نے شروع میں

قید کیا تھا چھوڑ دیا گیا۔ سلطان مسعود کیطرف سے جنگی طاقت کے بڑھانے کی گویا اجازت ہی تھی۔ اس لئے ایک بھاری لشکر لیکر حکومت خراسان کیطرف انہوں نے رخ کیا۔ طوس سے نیشاپور کو طغرل بک نے اور بلخ کو داؤد نے جلد فتح کر لیا۔ ابتدا میں تو یہ لوگ سلطان مسعود کے نام کا ہی خطبہ پڑھتے اور اسی کو اپنا بادشاہ ظاہر کرتے رہے۔ لیکن طاقت پذیر ہوتے رہنے کیساتھ طغرل بک مستقل بادشاہ ہو گیا۔ اور خلیفہ قائم بامر اللہ والی بغداد نے ان کو آزاد بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہی انکی سلطنت تمام عراق پر چھا گئی۔ اور شہر بغداد بھی دائرہ حکومت میں آگیا۔ طغرل بک ہمیشہ افراد قوم کو عدل و تقوی۔ رفق و احسان کی تاکید کرتا تھا۔ اور خود بھی ان اوصاف سے متحلی تھا۔ وہ پنجگانہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کا پابند تھا۔ اور ہفتہ میں دوشنبہ و پنجشنبہ کو روزہ رکھا کرتا۔ صدقہ و خیرات بکثرت کرتا۔ اور جگہ جگہ مساجد تعمیر کرایا کرتا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے لئے تو مکان تعمیر کراؤں۔ اور خدا کیلئے اسکے پہلو میں گھر نہ بنواؤں۔ ایک نیک کام طغرل بک نے یہ کیا کہ قسطنطنیہ میں جو ہنوز یونانیوں کے قبضہ میں تھا۔ نماز باجماعت اور جمعہ کی اجازت مسلمانوں کیلئے ملکہ سے حاصل کر لی۔ جمعہ کے دن خطبہ میں خلیفہ قائم باللہ کا نام پڑھا گیا۔ مستنصر العبیدی خلیفہ مصر کا سفیر بھی قسطنطنیہ میں موجود تھا۔ جو اس بات سے چڑ گیا۔ اور قسطنطنیہ کے ساتھ ان کی عداوت ہو گئی۔ قبضہ بغداد کے بعد طغرل بک خود بغداد میں داخل ہوا۔ اور خلیفہ سے اسکی بیٹی کو اپنے نکاح کیلئے طلب کیا۔ خلیفہ نے انکار کیا۔ لیکن بہت سی خط و کتابت کے بعد اس درخواست کو منظور کر لیا گیا۔ نکاح کے بعد شاہزادی ایک سنہری تخت پر جلوہ آرا ہوئی۔ طغرل بک نے اول ملاقات میں سامنے جا کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ اور ایسے قیمتی تحفے پیش کئے جسے دیکھکر شاہزادی بھی چکا چوند میں آگئی۔ طغرل بک اسکے بعد پھر مودبانہ سلام کر کے چلا آیا۔ اور شہزادی کے منہ سے نقاب تک بھی نہ اٹھایا۔ وہ اس رشتہ سے نہایت ہی مسرور اور نہایت مفتخر تھا شہزادی کی پہلونشینی کا فخر اسے چھ ماہ حاصل رہا۔ اور پھر اسے رانڈ کر گیا۔

یہ نیک اور نامور سلطان ستر برس کی عمر میں بمقام رے ۴۵۵ھ کو اس دنیا سے سدھارا اور ایک ایسے خاندان کی بنا ڈال گیا جو عظمت و اہمیت سلطنت کے علاوہ وہ علم دوستی اور عمدہ اوصاف کیلئے بھی آجتک مشہور رہے۔

مرض الموت میں اس نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مجھے آسمان کی طرف

اُٹھا کر لے چلے کہر اور دھند کی وجہ سے نظر کچھ کام نہ کرتی تھی۔ ہاں خوشبو نہایت پاکیزہ آرہی تھی۔ کسی شخص نے کہا کہ اب تو رب العالمین سے قریب تر ہے۔ جو مانگنا ہو۔ وہ مانگ لے۔ مینے دل میں خیال کیا کہ درازی عمر کا سوال کروں۔ چنانچہ میننے یہی کہا۔ آواز آئی کہ تیری عمر ستر برس کی ہے۔ مینے کہا یہ تو کافی نہیں آواز آئی کہ عمر تو ستر برس کی ہی ہے۔ اسی طرح تیسری دفعہ بھی۔ کہا میری مثال تو اُس بھیڑ کی سی ہے۔ جسے اون اُتارنے کیلئے پچھاڑا گیا تو وہ سمجھی کہ ذبح کرینگے۔ اور ذبح کرنے کیلئے گرایا تو وہ سمجھی کہ اون اُتارینگے۔

طغرل بیگ کا فرزند نرینہ کوئی نہ تھا۔ الپ ارسلان بن داؤد جو اُس کا بھتیجا تھا اُس کے بعد مسند آرا ہوا۔

طغرل بیگ نیز دنیا بھر کے ہر ایک بانی سلطنت کی عمر کی سوانح اگرچہ جزئیات میں مختلف ہوں لیکن اُن سب کی ترقی کی کلید صرف ایک اصول تھا۔ اور آئندہ بھی ہر ایک ترقی کرنے والے کو اُسی اصول کا پابند ہونا پڑیگا۔ یعنی "مردانگی وہمت" جب قوم میں مردانگی نہ رہی اور ہمت جاتی رہی تو زبانی لقلقے کسی کام نہیں آسکتے۔

آجکل ہندوستان میں مسلمان بھی انگریزوں کی شائستگی اور ہندوؤں کی دولتمندی کو دیکھکر آرزو کرنے لگے ہیں کہ ہم بھی دولتمندی اور شائستگی میں اوروں کے برابر بلکہ بڑھ چڑھ کر ہو جاویں۔ لیکن کیا محض یہ آرزو جبتک اسکے ساتھ عمل بھی نہ ہو ہم کو کسی بلندی پر پہنچا سکتی ہے۔ عمل کرنے کیلئے نہ لیکچر دینے دینے اور سننے کی ضرورت ہے اور نہ کسی انجمن کے قیام اور اُسکا ممبر بننے کی۔ بلکہ ہر شخص پہلے اپنی ذات سے شروع کرسکتا۔ اور اپنے کنبہ و خاندان میں آہستہ آہستہ اُسے پھیلا سکتا ہے۔ فقرہ بالا سے میرا یہ مطلب نہ سمجھنا چاہیئے کہ میں لیکچروں اور انجمنوں کے خلاف ہوں۔ نہیں میں تو اُسکا مؤید ہوں لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کچھ کرنا چاہتا ہے وہ بہت کچھ کرسکتا ہے۔ گو اسباب ظاہری موجود ہوں یا نہوں۔ بلکہ اُس کے مخالف بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو تن واحد تھے امتہ یعنی گروہ عظیم قرار دیا ہے جسکے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے اکیلے وہ کچھ کیا تھا جو سینکڑوں اور ہزاروں کے کرنے کے کام تھے ہمکو بھی اسی خلیل کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور ایسی ہی ہمت و مردانگی کیلئے کمر بستہ ہونیکا جسے دیکھنے والے ہمارے حوصلہ و طاقت سے افزوں سمجھتے ہوں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ترقی خواہ ذہنی و دماغی ہو یا مالی ومادی ہمت و مردانگی کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

ابن تومرت مہدی الہرعی

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن تومرت مغرب الاقصیٰ کے جبل سوس میں پیدا ہوا۔ اور طلب علم کیلئے شام و عراق کا سفر کیا۔ امام غزالی۔ کیاہراشی۔ طرطوسی وغیرہ مشہور فاضلوں سے استفادہ حاصل کیا۔ اور جب علم شریعت حدیث و فقہ و اصول میں دستگاہ حاصل ہو گئی تو مکہ شریف کو ہوتا ہوا افریقہ لوٹ گیا۔

نہایت پرہیزگار۔ عابد۔ عربی اور مغربی زبان کا فصیح پر چہرہ ہر وقت تبسم ریز۔ شجاع و دلیر تھا جب کوئی امر خلاف شرع دیکھ لیتا تو فوراً اُس پر انکار کرتا۔ اور اس بارہ میں خواہ اسے کتنی ہی تکلیف برداشت کرنی پڑتی۔ اُسے خوشی خوشی گوارا کر لیتا۔ مکہ شریف میں بھی اُسے اسی نیک عادت کیوجہ سے اذیت اُٹھانی پڑی۔ یہاں سے نکل کر وہ مصر چلا گیا۔ اور خلاف شرع امور کا برابر انکار کرتا رہا۔ جہاں اُسے یقین ہو جاتا کہ مارپیٹ کا سامنا ہے وہاں دیوانہ بن جاتا اور دیوانہ کی طرح کیطرح اہل مطلب (مداہنت) کیساتھ بے ربط مہمل جملے بھی زبان سے نکالنے لگتا۔ مصر سے وہ اسکندریہ پہنچا۔ اور اسکندریہ سے بحری راستہ سے افریقہ کو چلا۔ جہاز پر جتنے آدمی تھے سب کو نماز کا پابند کر دیا۔ جہاز سے وہ شہر مہدویہ میں اُترا۔ جہاں کا بادشاہ یحییٰ بن تمیم تھا۔ یہاں سرراہ ایک مسجد تھی۔ اُس میں فروکش ہوا۔ مسجد کی فصیل پر بازار کی جانب منہ کر کے بیٹھ جاتا۔ جو کوئی شخص ساز و طنبور یا شراب وغیرہ کا سامان لئے جاتا اُسے نظر آ جاتا۔ فوراً مسجد سے اُترتا اور اُنہیں توڑ ڈالتا۔ لوگوں میں شور پڑ گیا۔ سینکڑوں اُسے دیکھنے کیلئے آیا کرتے۔ جب معلوم ہوا کہ اہل علم ہے تو طلبہ بھی جمع ہو گئے اور مسجد میں درس شروع ہو گیا۔

بادشاہ کو خبر ہوئی۔ فقہاء کو دربار میں بلایا۔ اور ابن تومرت کو اُن کے سامنے طلب کیا۔ جب اُس کا شستہ و رفتہ کلام سُنا تو بادشاہ نے تعظیم و اکرام کیا۔ اور التماس دعا بھی کی۔ ابن تومرت نے اصلحک اللہ لرعیتک پر اکتفا کیا۔ یعنی خدا تمکو رعایا کے حق میں اچھا حاکم بنائے۔ اسکے بعد ابن تومرت بجایہ اور وہاں سے ملالہ پہنچا۔ یہاں اُسکو عبدالمؤمن مل گیا۔ عبدالمؤمن کون تھا یہ ناظرین کو آگے چل کر معلوم ہو جائیگا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ جب ابن تومرت عراق میں پڑھ رہا تھا۔ اُس نے خواب میں دو دفعہ

یہ دیکھا کہ تمام سمندروں کا پانی مَیں پی گیا ہوں۔ اس خواب کی تعبیر اُس نے یہ سمجھی کہ دنیا پردہ ایک بڑی شان سے ظاہر ہوگا۔ انہی ایام میں اسے ایک جفر کی کتاب ملگئی جس میں یہ لکھا ہوا تھا۔ کہ پانچویں صدی کے بعد مسجد الاقصیٰ کی پہاڑیوں میں ایک شخص پیدا ہوگا۔ وہ دعوت الی اللہ کریگا۔ اور اُس کا قیام و مدفن ایسی جگہ ہوگا جس کے نام میں ت۔ ی۔ ن۔ م۔ ل۔ حروف آتے ہیں۔ اس شخص کو ایسے شخص سے جس کے نام میں ع ب د م و م ن حروف ہونگے تمکن و استقامت حاصل ہوگی۔ ابن تومرت کا زمانہ پانچویں صدی کے بعد ہی تھا۔ اور وہ خود جبل سوس کا پیدا شدہ تھا۔ اور دعوت الی اللہ پر جو شوق و شغف اُسے تھا۔ وہ ظاہر ہی تھا اس لئے اُس نے خیال کیا یہ بشارت میرے حق میں ہی ہونی چاہیئے۔ مگر اب ان حروف کے شخص اور مقام کو تلاش کرنا چاہیئے۔ کتاب جفر میں ع ب د م و م ن کا حلیہ بھی درج تھا۔ ابن تومرت نے حلیہ نقل کر لیا تھا۔ اور اسی تلاش میں مشرق سے مغرب الاقصیٰ پہنچا تھا۔

ملالہ کے بازار میں یہ چلا جا رہا تھا۔ کہ عبد المؤمن بھی بازار سے گذرا۔ ابن تومرت کو دیکھتے ہی حلیہ یاد آگیا۔ آواز دیکر اُسے ٹھیرایا۔ جب نام دریافت کیا تو اُس نے عبد المؤمن بتلایا۔ جس میں تمام حروف موجود تھے۔ اُسے اپنے ساتھ لیگیا۔ حلیہ کیساتھ مطابقت کیگئی۔ تو ہو بہو ویسا ہی نکلا۔ ابن تومرت نے کہا میں تو تیری تلاش میں ہی ہزاروں میل کا سفر کر رہا ہوں۔ اُس نے کہا میں تو طلب علم کیلئے عراق جاتا ہوں۔ ابن تومرت بولا۔ کہ جو علم پڑھتا ہو میں پڑھا دونگا لیکن اب تم کو جانے نہ دونگا۔ اب اُسکے سامنے اپنا سارا راز ظاہر کر دیا۔ اور اُسے متفق بنا لیا ایک اور شخص عبد اللہ ابو تشر لیسی نامی ابن تومرت کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ یہ شخص بھی حسین و جمیل و فصیح و بلیغ تھا۔ ملکی زبان اور عربی ادب پر مہارت تام رکھتا تھا۔ یہ بھی اُن کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اور یہ قرار دیا گیا کہ عبد اللہ بالکل جاہل بنا رہے اور اُسکے علم و فضیلت۔ فصاحت و صداقت سے کسی موقعہ ضرورت پر بطور اعجاز کے کام لیا جائے۔ اس کے بعد چھ شخص آہنین بازو شیر پنجہ اور شامل کر لئے اور یہ مختصر جماعت مراکش پہنچی۔ مراکش (مراکو) میں ابن تومرت نے اپنی عادت کے مطابق خلاف شریعت امور پر اخذ و اعتراض و انکار شروع کیا۔ اور خاص بادشاہ کے بیٹے پر بھی کھلم کھلا اعتراضات کرنے لگا۔

یہاں کا بادشاہ ابو الحسن علی جو امیر تاشفین کا پوتا تھا نہایت عادل و متواضع تھا۔ بادشاہ نے دربار میں اُسے حاضر کر نیکا حکم دیا۔ اور علمائے شہر کو مباحثہ کیلئے مقرر فرمایا۔

قاضی شہر نے گفتگو اسطرح پر شروع کی۔ ہم نے سُنا ہے کہ آپ ہمارے عادل وحلیم بادشاہ کی نسبت جو مطیع حق ہے اور اطاعت آلہی کو اپنے نفس پر بھی مقدم رکھتا ہے ناشائستہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے۔ اور یہ خبر کہاں تک صحیح ہے۔ ابن تومرت نے کہا کہ جو اقوال میری جانب منسوب کئے جاتے ہیں وہ بیشک میرے کئے ہیں۔ اور انکے علاوہ اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ لیکن تم یہ بتلاؤ۔ کہ تم نے جو ابھی بادشاہ کی صفت میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں" وہ مطیع حق ہے اور اطاعت آلہی کو اپنے نفس پر مقدم رکھتا ہے" یہ کہانتک صحیح ہیں۔ میں تو جانتا ہوں کہ تم لوگ ایسے الفاظ سے ہی بادشاہ کو مغرور بناتے اور غلطی میں ڈالتے رہتے ہو۔ حالانکہ تمام بارگناہ بادشاہ کے سرپر رکھا جائیگا۔ قاضی صاحب! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شراب کی دوکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ اور خنزیر مسلمانوں کے گھروں میں جا گھستے ہیں۔ یتیموں کا مال چھین لیا جاتا ہے وغیرہ۔ بادشاہ نے جب یہ تقریر سُنی تو اُس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ اور ندامت وخجلت سے گردن کو جھکا لیا۔

حاضرین دربار اگرچہ ابن تومرت کے اوضاع واطوار کو دیکھکر یہ فتویٰ لگا چکے تھے۔ کہ یہ شخص اپنے لئے سلطنت وحکومت کا خواستگار ہے لیکن جب اُنہوں نے بادشاہ پر اُسکی جادو کلامی کا اثر دیکھا تو سب خاموش رہ گئے۔

مالک بن وہب نامی بادشاہ کا منہ چڑھا مصاحب تھا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا کہ میں حضور کو اس وقت ایک نصیحت کی بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپنے اُسے مان لیا تو انجام کار اُسکی عمدگی ظاہر ہو جاویگی۔ اور اگر منظور نہ فرمایا۔ تو اُسکے بُرے نتائج بھی تھوڑی دیر میں نظر آجائینگے بادشاہ نے کہا بتلاؤ۔ کہا مجھے اس شخص میں آثار بغاوت نظر آتے ہیں بہتر ہے کہ اس کا ایک دینار روزانہ مقرر کر دیا جائے۔ اور اس جماعت کو زیر نگرانی رکھا جائے اگر آپ ایسا نہ کرینگے تو ایک وقت سارا خزانہ بھی صرف کرنیکے بعد انتظام نہ ہوسکیگا۔ بادشاہ نے اس رائے کو پسند کر لیا لیکن وزیر نے اس کا خلاف کیا۔ کہا یہ مناسب نہیں کہ ابھی آپ جسکے وعظ پر آنسو بہا رہے تھے۔ اُس کو اسیر بنانیکا حکم دیں۔ اور ذرا خیال تو فرمائیں کہ یہ شخص حضور کی اتنی بڑی سلطنت کا کر بھی کیا سکتا ہے۔ بادشاہ اس تقریر سے دب گیا اور ابن تومرت کو واپس جانے کی اجازت دی گئی۔

ابن تومرت وہاں سے نکلا۔ تو جہانتک بادشاہ نظر آتا رہا۔ اُسکی جانب پیٹھ نہیں کی بمراہیاں

نے پوچھا کہ کیا آپ اسکی تعظیم کرتے ہیں کہا نہیں۔ میں نے چاہا کہ آخر وقت تک حق باطل کو تاڑتا ہے

واپس آکر ابن تومرت نے ہمراہیوں سے کہا کہ جبتک دربار میں ابن وہب موجود ہے۔ ہم خاص مراکو میں کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہاں سے وہ شہر مراغات میں پہنچے۔ اور وہاں ایک شخص عبدالحق ابن ابراہیم کو ہمراز بنالیا۔ اُس نے مشورہ دیا کہ یہاں سے ایک دن کی مسافت پر تینمل پہاڑ ہے وہاں جاکر تم خوب قدم جما سکتے ہو۔ اور محفوظ بھی رہ سکتے ہو۔

ابن تومرت کے دل میں وہی حروف ت ی ن م ل خوب نقش ہو رہے تھے تینمل پہاڑ کا نام سنکر اچھل پڑا۔ اور اگلے روز وہاں جا پہنچا۔ لوگوں نے طالب علمانہ حیثیت دیکھکر سر آنکھوں پر بٹھلایا۔ اور مسجد میں مقیم کر دیا۔ ابن تومرت نے بہت سے حیلے نکالے اور تدبیریں بنائیں لیکن رعایا کو اطاعت شاہی سے منحرف نہ کر سکا۔

قریب تھا کہ وہ اپنی ناکامیابی کے تصور میں گھل کر مر جاتا۔ کہ اُسکی نگاہ پہاڑی لوگوں کی اولاد پر پڑی دیکھا کہ پہاڑی تو سانولے اور گندم گوں میش چشم ہیں مگر انکے بعض بعض بچے خوب سرخ و سفید اور گربہ چشم ہیں۔ پوچھا اس کا سبب کیا ہے۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ تو ابن تومرت نے سمجھا کہ اسی پر زور دینا چاہیئے۔ جب اصرار حد درجہ کو پہنچ گیا۔ تو لوگوں نے بتلایا کہ شاہی عہدہ دار جو خراج لینے کیلئے آتے ہیں رات کو ہمارے گھروں میں رہتے ہیں اور عورتوں کو آلودہ کر دیتے ہیں ہمکو اپنے گھروں میں بھی اُس شب ٹھیرنا نہیں ملتا۔ یہ ساری خرابی اسی ظلم کی ہے۔

ابن تومرت نے اس پر سخت لعنت ملامت شروع کی اور اُنکی حرارت و حمیت کو اُکسانے لگا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر کوئی ہمارا حامی مددگار پیدا ہو تو ہم اُس کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ لیکن ہم خود کچھ نہیں کر سکتے۔ بولا میں تمہارا ساتھ دونگا۔ اور تمہارے پر اپنی جان قربان کر ڈالوں گا اور تم دیکھ لوگے کہ شاہی فوج تمہارا کچھ نہ کر سکے گی۔

اب تو ابن تومرت کے سب لوگ مطیع و منقاد ہو گئے۔ اور تجویز یہ قرار پائی کہ جب شاہی سپاہی آجاویں تو اُن کو عورتیں خوب شراب پلاویں۔ اور جب وہ نشہ میں بدمست ہو کر گر پڑیں۔ تو ابن تومرت کو اطلاع دیجاوے۔ اسی تجویز پر عمل کیا گیا۔ اور سب سپاہی قتل کر دیئے گئے صرف ایک بچ نکلا جس نے مراکو جاکر اطلاع کر دی۔ اُسوقت بادشاہ سمجھا کہ ابن وہب نے جو مشورہ اُس روز دیا تھا۔ وہ صحیح تھا۔ آخر فوج کشی ہوئی۔ فوج اگرچہ بہت تھی لیکن پہاڑی راستے ایسے دشوار گذار۔ کٹھن اور تنگ تھے کہ ایک آدمی سے زیادہ چل نہ سکتا تھا۔ ابن تومرت

کو پہلے سے توقع تھی۔ کہ شاہی فوج انتقام کیلئے آئیگی۔ اُس نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ جب فوج
نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ اوپر سے علاقہ والوں نے پتھروں کی بارش برسادی۔ صبح سے شام
تک فوج نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اور باوجود نقصان اُٹھانے کے بھی کچھ کارگر نہ ہوئی
آخر محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ اور ابن تومرت ہی اس پہاڑ کا حاکم مطلق ٹھیر گیا۔ اور تمام پہاڑی علاقہ میں
تسلط قائم ہوگیا۔ اب ابن تومرت نے سمجھا کہ ابوتشریسی کے علم و فضل کو بطور معجزہ ظاہر کر دینے
کا یہی وقت ہے۔

قرارداد کے مطابق نماز صبح کے بعد جب کہ تمام اشخاص مسجد میں ہی موجود تھے۔ ابوتشریسی
آگے بڑھا۔ اور جاہلانہ لہجہ اور ٹوٹے پھوٹے لکنت لئے الفاظ میں (جیسا کہ اُس نے عادت
کر رکھی تھی) بیان کرنا شروع کیا کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے آسمان سے اُترے اُنہوں نے
میرے دل کو نکالکر چیر ڈالا۔ پھر دھو دھا کر علم و حکمت و قرآن اُس میں بھر دیا۔ اب میں اپنے
اندر تمام علوم کو موجود پاتا ہوں۔ یہاں پہنچکر اُسکی تقریر نہایت فصیح و بلیغ دلنشین و مردم فریب ہوگئی
ابن تومرت خوشی خوشی اُٹھا۔ اُسکے پاس آکر کہا کہ آپ ہمکو جلد بشارت دیں کہ آیا ہم
نیک راہ پر ہیں یا غلطی پر پڑے ہوئے ہیں سعید ہیں یا شقی ہیں۔ کہا اے ابن تومرت آپ تو
مہدی القائم بامر اللہ ہیں آپکے تابعدار اہل سعادت، اور آپکے مخالف اہل شقاوت ہیں تم
مجھے اپنے رفیق ایک ایک کرکے دکھلاؤ میں بتلاؤنگا۔ کہ ان میں بہشتی کون ہے اور دوزخی کون
اس بہانہ سے ایک ایک آدمی طلب کیا گیا۔ جو اشخاص ابن تومرت سے آجتک مخالفانہ رائے
رکھتے تھے۔ یا محل انتظام خیال ہو سکتے تھے وہ قتل کر دیئے گئے۔

اس کے بعد دس ہزار پیادہ و سوار کا ایک لشکر جرار تیار کیا گیا۔ اور عبدالمومن و ابوتشریسی
کی ماتحتی میں مراکش پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ ایک ماہ کے محاصرے کے بعد اس فوج کو شکست فاش
نصیب ہوئی۔ عبدالمومن بچ رہا۔ ابوتشریسی مارا گیا۔ جس وقت ابن تومرت کو اس شکست
کی خبر پہنچی۔ وہ بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا۔ اُس وقت بھی اُسکے استقلال میں ذرہ فرق نہ آیا۔ بلکہ
سب کو جمع کیا۔ اور آئندہ کے لئے تدابیر کے متعلق وصیت کرتا رہا۔ اور ہر روز حتمی الفاظ میں
کہتا رہا کہ تم ہنوز فتحیاب ہوگے۔ تمہاری حکومت وسیع اور تعداد کثیر ہو جاویگی۔ تمکو ذرا گھبرانا
نہیں چاہئیے۔ ایسی ہی وصیت کرتا ہوا دنیا سے چل بسا۔ اور اُسکے بعد عبدالمومن جانشین ہوا۔
ابن تومرت میں جو قابل تعریف وصف تھا۔ وہ زہد فی الدنیا تھا جس تنگی کے ساتھ

طالب علمی میں گذران کرتا تھا۔ وہی چال آخر تک چلی۔
کہتے ہیں کہ بہن کات لیتی تھی اُسی پر دونوں گذارہ کر لیتے تھے۔ روٹی کے ساتھ کبھی سرکہ ہوتا کبھی زیتون کا روغن۔ ایک دفعہ مال غنیمت بہت آیا۔ اور لوگوں نے تقسیم کیلئے ابن تومرت کو تنگ کرنا شروع کیا۔ اُس نے سب کو آگ لگادی اور بلند آواز سے کہدیا کہ جو شخص محض دنیا کمانے کی غرض سے میرے ساتھ ہوا ہے۔ اُسے ہمیشہ کیلئے مایوس ہوجانا چاہیئے۔
اس شخص کے تمام واقعات میں اگر کوئی واقع کھٹکتا ہے تو ابو تشریسی والی چال اور دعویٰ مہدویّت ہے۔ کل حالات پر غور کرنیسے ہر ایک شخص صحیح نتیجہ نکال سکتا ہے۔
اس کا حلیہ صاحب کتاب "المنرب فی اخبار اہل المغرب" نے ان الفاظ میں لکھا ہے
"میانہ قد۔ گندم گون۔ بزرگ سر۔ تیز نظر۔ ثری پر قدم ثریا پر نگاہ۔ ابو مسلم اسکی تدابیر کے سامنے ہیچ تھا۔ شعر ذیل اکثر پڑھا کرتا تھا۔ ؎

تَجَرَّدْ مِنَ الدُّنْيَا فَاِنَّكَ اِنَّمَا — خَرَجْتَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَنْتَ مُجَرَّدُ

اشعار ذیل خود اسکی اپنی تصنیف ہیں۔

اخذت باعضاھم اذ ناوا — وخلفك القوم اذ ودعوا
فکم انت تنتھی ولا تنتھی — وتسمع وعظا ولا تسمع
فیا حجر السن حتے متے — تسن الحدید ولا تقطع

متنبی کے ان اشعار کو اکثر پڑھا کرتا تھا۔

انما مرت فی شرف مروم — فلا تقنع بما دون النجوم
فطعم الموت فی امر حقیر — کطعم الموت فی امر عظیم

افسوس کہ ابن تومرت اپنی کامیابی کو مکمل نہ دیکھ سکا۔ البتہ عبدالمومن کیلئے سڑک بنا گیا اور اس نے کامرانی کے ساتھ حکومت اعلیٰ پر دسترس حاصل کی۔
ناظرین ان حالات کو پڑھیں اور دیکھیں کہ مہدی کے نام سے دنیا میں بالخصوص دنیائے اسلام میں کیا کچھ ہو چکا ہے مجھے اس مقام پر اسقدر لکھ دینا چاہیئے کہ ظہور مہدی کے متعلق اگرچہ روایات بکثرت ہیں جنکا شمار درجنوں پر ہے مگر ایسی حدیث ایک بھی نہیں جو محدثین کے مسلّم اصول تنقید کے مطابق صحیح مسند مرفوع کا درجہ رکھتی ہو۔ العلم عنداللہ
عبدالمومن بن علی کا باپ کوزہ گر تھا۔ ابن تومرت کے بعد عبدالمومن کی فتوحات کا سلسلہ

شروع ہوا حتی کہ وہ تخت مراکش کا زینت آرا ہوا۔ اور ۳۳ سال کے بعد ۱۰ جمادی الآخر ۵۵۸ھ کو فوت ہوا۔ اس نے مندرجہ شعر پر ایک شاعر کو ایک ہزار پونڈ انعام دیا تھا۔

مَا مِنْ خَلِیْفَۃٍ بَیْنَ الْبِیْضِ وَالْاَسَلِ مِثْلُ الْخَلِیْفَۃِ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ عَلِیٍّ۔

ضحاک بن قیس احنفؒ

احنف جو علم و بردباری میں تمام عرب کے اندر ایسے ہی ضرب المثل ہیں۔ جیسا کہ حاتم طے جود و سخاوت میں سادات تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی پایا۔ مگر شرف صحبت سے مشرف نہیں ہوئے۔

ابن قتیبہ کہتا ہے کہ جب قبیلہ بنی تمیم تک دعوت نبوی پہنچی۔ تو احنف نے اپنے قبیلہ کو کہا کہ یہ شخص مکارم اخلاق کیطرف رغبت دلاتا۔ اور ذمائم عادات سے منع کرتا ہے۔ مناسب ہے کہ مسلمان ہو جانا چاہیئے۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے مدینہ منورہ میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آئے۔ اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے زمانہ میں علاقہ خراسان کی بعض فتوحات میں لشکر اسلام کے ساتھ شامل رہے۔ واقعہ جمل میں فریقین میں سے کسی طرف بھی نہ ہوئے لیکن جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کے لشکر میں حاضر ہو کر جوہر مردانگی دکھلاتے رہے

امام حسنؓ نے جب خلافت کو ترک کر دیا۔ اور امیر معاویہ باستقلال سریر آرائے مملکت ہو گئے۔ تو احنف کی آمد و رفت امیر معاویہ کے دربار میں شروع ہو گئی۔ ایک روز امیر معاویہ نے کہا۔ کہ جب مجھے جنگ صفین یاد آجاتا ہے تو تمہیں دیکھکر ایک کانٹا سا میرے دل میں چبھ جاتا ہے۔ احنف نے کہا۔ معاویہ! جن عداوت سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ ہم جھگڑتے تھے۔ وہ تو سینہ کے اندر پنہاں ہیں۔ اور جن تلواروں کے ساتھ ہم لڑتے تھے۔ وہ نیام کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ اب اگر تم لڑائی سے نزدیک ہونا چاہتے ہو تو ہم بھی اُسے منظور کرینگے۔ اور اگر اس سے دور ہو گئے تو ہم بھی دور رہیں گے۔ اتنا کہکر باہر چلے گئے۔

امیر معاویہ کی بہن پس پردہ سے یہ گفتگو سن رہی تھی۔ احنف چلا گیا تو اُس نے پوچھا بھائی یہ کون تھا۔ جو دھمکاتا بھی ہے۔ اور بھروسہ بھی دلاتا ہے۔ کہا یہ وہ ہے۔ کہ اگر بگڑ جائے

تو بنی تمیم کے ایک لاکھ جوان فوراً بگڑ جاویں گے۔ اور وجہ فساد کو کبھی دریافت کرنا بھی نہ چاہیں۔
احنف بصرہ میں رہا کرتے تھے۔ اور زیاد اپنے زمانہ گورنری عراقین میں انکی اور حارثہ کی بہت عزت کیا کرتا تھا۔ جب عبیداللہ بن زیاد اپنے باپ کی وفات کے بعد گورنر عراقین ہوا تو اُس نے حارثہ کو بلا کر کہا۔ کہ آپ شراب خواری کی عادت چھوڑ دیں۔ اور پھر بدستور میرے مصاحب رہیں۔ اُس نے کہا کہ میں تمہارے والد کے سامنے بھی پیا کرتا تھا۔ اور وہ میری دیگر قابلیتوں پر لحاظ کر کے میرے اس عیب سے درگذر کرتا تھا۔ اس لئے تم کو بھی درگذر کرنا چاہیئے۔ عبیداللہ نے کہا کہ میرے والد کی پرہیزگاری اور مستقل مزاجی مسلّمہ تھی۔ اس لئے نہ اُن کو تمہاری مصاحبت سے نقصان پہنچ سکتا تھا اور نہ وہ مطعون ہو سکتے تھے۔ لیکن میں ہنوز ناتجربہ کار ہوں۔ اور ممکن ہے کہ تمہاری بُری عادت کیساتھ خود بھی لوگوں میں بدنام ہو جاؤں۔
حارثہ نے کہا شراب تو چھٹ نہیں سکتی۔ ہاں دربار میں آنا چھوڑ دونگا۔ عبیداللہ نے کہا نہیں۔ آپ مفصلات میں کوئی عہدہ اپنے لئے پسند کریں۔ کہا ضلع مسرق میں بھیجدیجئے وہاں کی شراب کی توصیف سنی ہے۔
غرض حارثہ تو عبیداللہ سے یوں علیحدہ ہو گیا۔ رہا احنف۔ عبیداللہ نے اُنکی کچھ زیادہ عزت و توقیر نہ کی۔ بلکہ اور لوگوں سے بھی کم توجہی اور بے اعتنائی کا برتاؤ شروع کر دیا۔ سال کے شروع پر عبیداللہ سرداران عراق کو ساتھ لیکر امیر معاویہ کے سلام کو دمشق گیا۔
امیر معاویہ نے اُنکی ملاقات کیلئے دربار لگایا۔ اور عبیداللہ کو حکم دیا کہ درجہ وار ہر ایک کو ہمارے سامنے لاؤ۔ عبیداللہ نے ایسا ہی کیا۔ سب سے پیچھے جو سردار دربار میں آیا وہ احنف تھا (گویا عبیداللہ اُن کا درجہ سب سے کم جانتا تھا) امیر معاویہ تو انہیں بذات خود جانتے اور اُن کی سیادت و طاقت سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ دیکھتے ہی بول اُٹھے کہ ابوالخیر ادھر تشریف لایئے۔ یہ کہہ کر اپنی مسند پر اپنے پاس برابر بٹھلا لیا۔ جب تمام لوگ اپنی اپنی جگہ متمکن ہو چکے۔ تو سرداران عراق نے اپنے گورنر عبیداللہ کی صفت و ثنا شروع کی۔ احنف خاموش بیٹھے رہے۔
امیر معاویہ نے کہا کہ تم کیوں نہیں کچھ کہتے۔ کہا اگر میں کچھ کہونگا تو انکے خلاف ہوگا۔ یہ سنتے ہی امیر معاویہ نے سرداران عراق سے فرمایا کہ میں عبیداللہ کو معزول کرتا ہوں۔ اور تمکو تین روز کی مہلت دیتا ہوں۔ کہ اس عرصہ میں اپنے لئے کسی لائق شخص کو گورنری کے لئے انتخاب کر لو۔ سردار باہر نکلے۔ اور اپنے اپنے خیال کے مطابق انتخاب کرنے لگے۔ اکثر تو اپنی

ذات خاص کیواسطے عہدہ کے جویاں ہوئے۔ اور ارکین سلطنت کیساتھ ٹس لڑانے لگے۔ اور اکثر نے کسی کسی شخص کو نامزد کیا۔ چوتھے روز پھر دربار ہوا۔ اور سب نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ احنف اب بھی خاموش تھے۔ امیر معاویہ نے سب کی رائے سنکر کہا۔ کہ احنف تم بھی تو کچھ کہو۔ کہا اگر تم اپنے خاندان میں سے کسیکو مقرر کرنا چاہتے ہیں تب تو عبید اللہ سے بڑھ کر اور کوئی شخص موزوں تر نہیں۔ لیکن اگر آپ اپنے خاندان میں سے کسی کو یہ عہدہ دینا نہیں چاہتے۔ تب جسے آپ پسند کریں۔ امیر معاویہ نے یہ سنکر فرمایا کہ میں عبید اللہ کو اُسکے عہدہ پر بحال کرتا ہوں۔

سرداران عراق یہ سنکر نہایت پشیمان ہوئے۔ اور افسوس کرتے تھے کہ میں نے بھی کیوں عبید اللہ کیلئے ہی رائے نہ دی۔ دربار برخاست ہوا تو امیر معاویہ نے عبید اللہ کو بلا کر کہا کہ تم ایسے شخص کی عزت کس لئے نہیں کرتے جو ایک فقرہ میں تم کو معزول اور ایک فقرہ میں بحال کرا سکتا ہے اور ایسے لوگوں پر کیوں اعتماد کرتے ہو جو فائدہ تو کچھ نہیں پہنچا سکتے۔ اور نقصان رسانی میں حصہ لینے کو تیار ہیں عبید اللہ کو اُس روز سے اُنکی وقعت معلوم ہوئی۔ اور پھر ہمیشہ ان کی تعظیم واکرام کرتا رہا۔

مروی ہے کہ جب امیر معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنایا۔ اور باضابطہ اشتہار ولائت کیلئے دربار کیا۔ تو لوگ آتے تھے پہلے امیر معاویہ کو سلام کرتے اور پھر یزید کیطرف جھک۔ جاتے تھے۔ ایک شخص آیا۔ اُس نے امیر معاویہ کو سلام کرکے کہا کہ اگر آپ یزید کو اپنا ولیعہد نہ بناتے تو مسلمانوں کا کام بگڑ ہی جاتا۔ احنف امیر معاویہ کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ کہا احنف تم بھی تو کچھ کہو۔ کہا جھوٹ بولتا ہوں تو اللہ کا خوف ہے۔ اور سچ کہتا ہوں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ امیر معاویہ نے کہا کہ خدا تمہیں اس اطاعت کی جزائے خیر دے۔ پھر اُس شخص کو کئی ہزار روپے انعام دیئے۔ جب دربار برخاست ہوا تو وہی شخص احنف کو ملا۔ کہا جناب یوں تو میں جانتا ہوں کہ بدترین خلق ہمارا امیر اور اُس کا فرزند ہے لیکن ان لوگوں نے زر و مال پر قفل لگا رکھے ہیں۔ اور وہ قفل۔

لہ کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں مادر زیاد کیساتھ ابوسفیان نے زنا کیا۔ اور زیاد پیدا ہوا۔ ابتدائی زمانہ میں زیاد اپنی ماں کے جائز شوہر کا بیٹا مشہور رہا۔ لیکن جب امیر معاویہ شام پر متسلط ہو گئے۔ اور انہوں نے زیاد کی کاردانی وہشیاری وغیرہ کا مشاہدہ کیا تو زیاد کا ابن ابوسفیان ہونا تسلیم کرکے اُسے اپنا بھائی مان لیا۔ زیاد کو حضرت علی رضؓ نے گورنر فارس مقرر کر دیا تھا اور یہ شخص ایسا مدبر ایسا کارکن ایسا لائق ایسا منتظم ثابت ہوا کہ فارس والے اسے ثانی نوشیرواں اور عراق والے اسے ثانی عمر فاروقؓ کہنے لگے۔ امیر معاویہ کے اس اظہار و تسلیم قرابت کے بعد زیاد انکی طرف جا ملا۔ اور زیاد بن ابوسفیان مشہور ہوا محتاط مؤرخ زیاد بن ابیہ لکھ دیتے ہیں احنف نے عبیداللہ بن زیاد کو امیر معاویہ کے خاندان میں سے جو بتلایا ہے وہ اسی صورت میں خاندان معاویہ سے ہو سکتا ہے کہ زیاد کو ابن ابوسفیان تسلیم کیا جائے ۱۲ منہ

ایسے ہی فقرات سے کھل سکتے ہیں۔ احنف بولے کمبخت چپ رہ دو رویہ شخص کبھی اللہ تعالے کے ہاں عزت نہیں پا سکتا۔

احنف کا قول ہے کہ مجھ میں تین خصلتیں ہیں اُنکا اظہار اس لئے کرتا ہوں کہ شاید کوئی سبق سیکھ لے۔

(۱) مینے کبھی کسی دو شخصوں کے درمیان دخل نہیں دیا جبتک انہوں نے مجھکو شریک نہیں بنایا

(۲) حکام اور امراء کے دروازہ پر میں کبھی نہیں گیا جبتک کہ انہوں نے خود مجھکو طلب نہیں کیا

(۳) جن چیزوں کیلئے لوگ دوڑتے پھرتے ہیں مینے اُن کے لئے کروٹ تک نہیں لی۔

آپ ہی کا قول ہے کہ سراپا نفع کی چیز جس میں کچھ نقصان نہیں خوش خلقی اور بدی سے بچنا ہے۔ بدترین مرض جسکا کچھ علاج نہیں بدخلقی اور بدزبانی ہے۔

انہی کا قول ہے کہ شریف کبھی خائن نہ ہوگا اور عاقل کبھی جھوٹ نہ بولیگا۔ اور مومن کبھی غیبت نہ کریگا۔

ان کا مقولہ ہے کہ سب سے بڑی دولت جسے باپ اپنے بیٹے کو وراثت میں دے سکتا ہے وہ اہل فضل وکمال کیساتھ احسان اور مروت کرنے کی عادت سکھلا دینا ہے۔

کہا کرتے تھے کہ زیادہ ہنسنے سے ہیبت وقار جاتا رہتا ہے اور ہنسی و مذاق بکثرت کرتے رہنے سے مروت جاتی رہتی ہے۔

ایک شخص کہہ رہا تھا کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ خواہ کوئی میری تعریف کرے خواہ ہجو۔ احنف نے سن کر کہا۔ کہ تب تم اُن مشکلات سے بچ نکلے جو مدبرین کو لاحق حال رہتی ہیں۔

کہا کرتے تھے کہ میرے سامنے عورتوں اور کھانے پینے کا ذکر نہ کیا کرو۔ میں تو اُس شخص کو بہت ہی برا سمجھتا ہوں جو اپنے پیٹ اور اپنے ستر کا وصف گو ہے۔

ایک دفعہ ایک خون کے مقدمہ میں ان کو حکم بنایا گیا۔ وارثان مقتول نے کہا کہ ہم دو چند دیت لینگے۔ احنف بولے بہتر جیسا تم چاہتے ہو میں بھی ویسا ہی فیصلہ کردونگا لیکن یہ سوچ لو۔ کہ خدا نے ایک دیت کا حکم دیا ہے اور رسول خدا نے بھی ایک دیت پر فیصلہ کیا ہے۔ آج گو تم مدعی ہو لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کسیوقت میں ایسے ہی مقدمہ میں تم مدعاعلیہ بھی بن جاؤ۔ غور کرو کہ اسوقت تمہارے لئے بھی دوچند کا فیصلہ ہوگا۔ وارثوں نے سوچ کر جواب دیا کہ سچ کہتے ہو۔ معمولی خونبہا دلادو۔

ان سے سوال کیا گیا۔ کہ مروت کسے کہتے ہیں۔ کہا جب خوب بھوک لگی ہوئی ہو۔ اُس وقت اپنا کھانا دوسرے کو دیدینے کا نام مروت ہے۔

کسی نے علم کے معنی ان سے پوچھے۔ کہا صبر جس کے ساتھ ذلت ملی ہوئی ہو۔ لوگوں نے کہا آپ تو حد درجہ بردبار ہیں۔ کہا تکلیف تو مجھے ہوتی ہے۔ لیکن صرف اتنا فرق ہے کہ میں صبر کر لیتا ہوں۔

کہا کرتے تھے کہ حلم اور بردباری نے مجھے اتنا کام دیا ہے کہ فوج نے نہیں دیا۔ کہا کرتے تھے کہ مینے بردباری کی تعلیم قیس بن عاصم سے پائی ہے۔ اُن کے برادر زادہ نے اُن کے فرزند کو مار ڈالا لوگ قاتل کو مشکیں دیکر قیس کے پاس لے آئے۔ قیس نے پہلے تو لوگوں کو کہا۔ کہ تمنے لڑکے کیساتھ بہت ہی سختی کی۔ اور اُسے بہت ہی ڈرایا۔ پھر قاتل کیطرف متوجہ ہو کر کہا۔ لڑکے تو نے بُرا کیا۔ کہ اپنی تعداد کو گھٹایا۔ اپنے بازو کو کمزور بنایا۔ اعداء کو ہنسایا۔ اور قوم کو رُلایا۔ لوگو! اسے چھوڑ دو اور قاتل کیطرف سے مقتول کی ماں کو میری جیب سے خون بہا ادا کردو۔ قاتل چھوڑ دیا گیا۔ اور لوگ رخصت ہو گئے۔ اس قضیہ کیوقت نہ قیس کے ابرو میں بل پڑا اور نہ اُس نے نشست میں اپنے پہلو کو بدلا۔

غرض احنف اکابر تابعین میں سے ہیں۔ قبیلہ بنی تمیم کے سردار تھے اور کل عرب میں عقل و تدبیر، علم و حلم کے ساتھ موصوف و ممدوح حضرت عمر فاروقؓ و عثمان غنیؓ و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے روایات بیان کی ہیں۔ حسن بصری اور دیگر اہل بصرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

مصعب بن زبیر کے زمانہ میں ان کا انتقال ۶۷ھ کو کوفہ میں ہوا۔

عبدالرحمٰن بن عمارہ کہتے ہیں کہ لحد میں ان کا جنازہ رکھنے کیلئے میں بھی قبر میں اترا تھا جس وقت مینے لحد میں جنازہ رکھدیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ جہانتک میری نگاہ پہنچتی ہے۔ لحد وہاں تک فراخ ہو گئی ہے۔ مینے اپنے دوسرے ساتھی سے ذکر کیا۔ اُس نے کہا مجھے تو معمولی لحد کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ان کا ایک بیٹا تھا۔ جس میں باپ کی کوئی صفت بھی نہ تھی۔ کہا کرتا تھا کہ مجھے سستی اور غفلت نے اپنے باپ کی اوصاف سے محروم رکھا۔

احنف کے مذکورہ بالا حال سے ہم بہت سے قیمتی سبق لے سکتے ہیں۔ اور اُن کے بہت سے گرانقدر اقوال کو اپنی زندگی کا رہبر قرار دے سکتے ہیں اور سب سے بڑھکر ابن احنف کے اس فقرہ سے پوری عبرت پا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے ادبار کے اسباب وجوہ خواہ سینکڑوں یا ہزاروں بیان کئے

جا سکیں۔ لیکن اگر اُن سب کا خلاصہ ایک لفظ میں کرنا چاہو تو وہ "سُستی وغفلت" ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دماغ نفع ونقصان کو سوچ نہیں سکتے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ مسلمانوں کی نگاہ نیک وبد میں تمیز نہیں کر سکتی؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اُنکے کان آفرین ونفرین کی صداؤں اور نرم وکرخت آوازوں کو نہیں پہچان سکتے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ قدرت نے اپنی وسیع رحمت سے اکتساب خیر اور اجتناب شر کی جو قوتیں اور طاقتیں بالعموم ہر فرد بشر کو عطا فرمائی ہیں۔ کل مسلمان قوم اُن سے محروم وعاری ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اولوالعزمی اور عالی حوصلگی کا مادہ ان میں بالقوہ موجود نہیں؟ نہیں ہرگز نہیں لیکن بایں ہمہ مسلمانوں کے ادبار وتنزل۔ پستی وافلاس کا سبب صرف اُنکی سستی وغفلت ہے اور بس۔

کہتے ہیں کہ ایک قسم کا سانپ ایسا زہریلا ہوتا ہے۔ کہ جب کسی جاندار کی اُس سے چار آنکھیں ہوئیں۔ وہیں قوت رفتار اُسکی سلب ہوئی۔ انسان دیکھتا ہے کہ سانپ ہے اور میری جانب چلا آتا ہے اور تھوڑی دیر میں آکر ڈس لیگا۔ اور مجھے اپنی پیاری زندگی سے دست بردار ہونا پڑیگا۔ لیکن پھر بھی اسکی مقناطیسی حیوانی کشش کا ایسا مغلوب ہوجاتا ہے کہ اِدہر اُدہر ذرا نہیں سرکتا۔ اور کامل سکوت کیساتھ اپنے آپ کو نشانہ ہلاکت بنائے ہوئے کھڑا رہتا ہے۔

یہی حال اس زمانے کے مسلمانوں کا ہے جو افعیٔ غفلت کی کشش مقناطیسی کے مغلوب بن گئے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے اسی غفلت وسستی کی بدولت بیسیوں دولتیں لُٹ گئیں۔ بیسیوں حکومتیں خاک میں مل گئیں بیسیوں تاجدار سرِ خاک مذلت پر گرے ہوئے دیکھے گئے۔ بیسیوں خانوادہ علم وکمال کے چشم وچراغ جہال کی صفِ نعال میں نظر آئے۔ لیکن جو غفلت چھائی ہوئی تھی اُس کے تہ بہ تہ بادل اسی طرح آفاق کو گھیرے ہوئے ہیں" جسطرح گھن لکڑی کو اور زنگ لوہے کو کھا جاتا ہے اسیطرح غفلت انسانی قابلیتوں کا ناس کردیتی ہے۔ جس طرح ٹھیرا ہوا پانی سڑ جاتا ہے اسیطرح بیکار شخص کا دماغ اور اُسکی دماغی قوتیں متعفن ہوجاتی ہیں۔

توریت میں لکھا ہے کہ جب آدم علیہ السّلام کو بہشت سے دنیا پر بھیجا گیا تو انہیں کہا گیا تھا کہ تو اپنی پیشانی کا پسینہ بہا کر روٹی کھائیگا۔ اب جو شخص بیکاری کے ساتھ روٹی کھانا پسند کرتا ہے وہ خداوند کے حکم کے خلاف کرتا ہے اور اپنے ابوالآباء کی راہ کو چھوڑتا

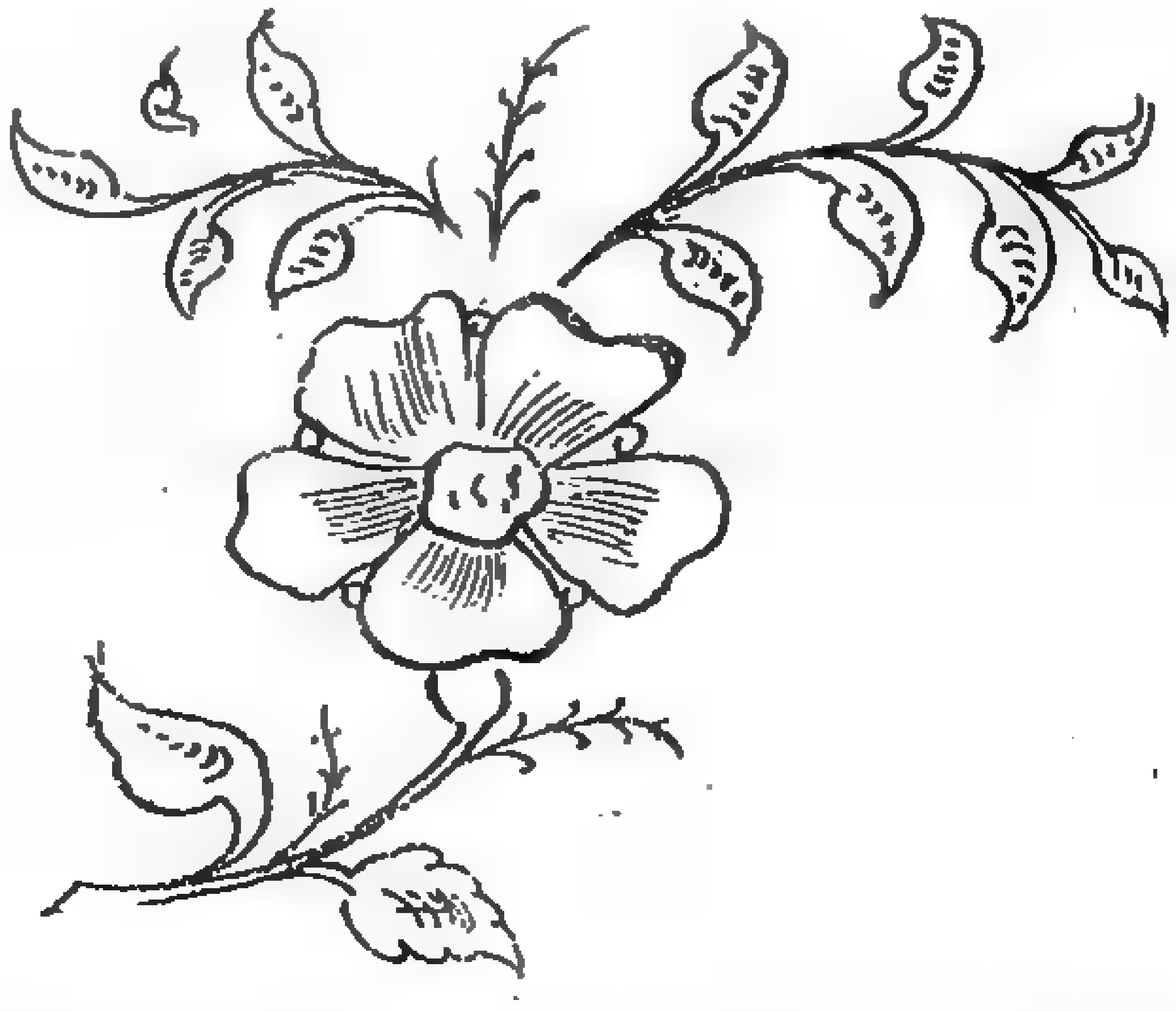
ہے۔ ایک معمولی شعر ہے جو عوام کی زبان پر مذاق اور ہنسی میں مستعمل ہوتا ہے ؎

بیکار مباش کچھ کیا کر　　　　کپڑے ہی ادھیڑ کر سیا کر

میں کہتا ہوں کہ شاعر نے انسانی فطرت کی فلاسفی اس شعر میں بھر دی ہے اور بیکاری کی خو کا تصویر پوری پوری کھینچ کر دکھلا دی ہے سئے ہوئے کپڑے کو اُدھیڑنا۔ اور پھر سینا تحصیل حاصل اور بیہودہ کام معلوم ہوتا ہے۔ مگر شاعر بیکاری کو اس سے بھی بدتر بتلاتا ہے۔ بیشک ہم کہہ سکتے ہیں کہ کپڑا ادھیڑ کر سینے سے اُس کا ہاتھ ہی رواں ہو جائیگا۔ لیکن بیکار بیٹھنے سے بتلاؤ کہ کیا فائدہ نکلیگا۔

قوم کو ترقی کی راہیں بتلانا فضول ہے اور تعلیم یا صنعت و حرفت یا تجارت وغیرہ پر توجہ دلانا بھی عبث۔ اُن کو صرف ایک سبق دینا چاہیئے کہ سستی چھوڑ دو۔ کام کرنے کی عادت ہو جانے سے انسان بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اور عہدی بن کر بیٹھے رہنے سے کچھ بھی نہیں۔ قرآن مجید کے نزول کا آغاز جس سب سے پہلی سورہ سے ہوتا ہے اُسی کے الفاظ کو دیکھو کہ کس قدر ہمت و جرأت کی تعلیم دلاتا اور کسقدر اسباب و تدابیر پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتا ہے یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ۔ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو قرآن مجید کی رموز سے مستفید ہوتے اور اپنی مساعی کیلئے سلف صالحین کی ترقیات کو نمونہ قرار دیتے ہیں۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم　　　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است



ابن کلس وزیر

ابو الفرج کنیت۔ یعقوب بن یوسف نام۔ عزیز مصر کا وزیر تھا۔ اپنے آپ کو ہارون علیہ السلام کی نسل سے بتایا کرتا تھا۔ اور ابتدائے حال میں یہودی المذہب تھا۔ بغداد میں پیدا ہوا۔ اور اُسی جگہ ادب و انشاء و حساب میں تکمیل کر کے اپنے باپ کیساتھ بغداد سے شام اور وہاں سے مصر پہنچا۔ اُستاد کافور رخشیدی کے ایک مصاحب کے پاس جا رہا۔ کافور محل بنوا رہا تھا۔ پہلے داروغہ عمارت ہوا۔ پھر ڈیوڑھی خاص پر عہدہ مل گیا۔ رفتہ رفتہ جب کافور کو اُس کی نجابت و شہامت۔ صیانت و نزاہت کے اوصاف معلوم ہوئے تو دیوان خاص میں کام کرنے لگا۔ ملکی و مالی معاملات کو ایسی خوبی کے ساتھ طے کیا کرتا کہ روز بروز اُس کا وقار بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ حجاب اور معزز اراکین دربار اسکی تعظیم کے لئے کھڑے ہوا کرتے تھے۔ بایں ہمہ تنخواہ کا کبھی روادار نہوا۔ کافور نے اگر کبھی کچھ دیا بھی تو اُس میں سے صرف بقدر ضرورت رکھ لیا۔ اور باقی واپس کر دیا۔ یہ حال دیکھکر کافور نے حکم دے دیا کہ خزانہ سے کوئی رقم ابن کلس کے دستخط بغیر برآمد نہو۔ اس وقت تک یہ یہودی ہی تھا۔

۱۸ شعبان ۳۵۶ھ کو اظہار اسلام کیا۔ اور تلاوت قرآن مجید و پابندی جماعت نماز پر لازم کر لیا۔ اور ایک عالم قاری حافظ نحوی کو علوم شرع میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے اپنے پاس رکھ لیا۔

ابن الصیرفی لکھتا ہے کہ ابن کلس کی ترقی اور اعتماد کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ کافور کے پاس رپورٹ ہوئی کہ رملہ میں ایک سوداگر لاوارث مر گیا ہے جسکے مکان میں ۲۰ ہزار دینار مدفون ہیں اور خبر دہندہ وہ جگہ بتلا سکتا ہے۔ کافور نے ابن کلس کو یہ روپیہ برآمد کرا کر خزانہ میں داخل کرنے پر مامور کیا۔ ابن کلس جب چلا تو اُسے معلوم ہوا کہ فرما میں بھی ایک سوداگر لاوارث مر گیا۔ اور قیمتی اسباب چھوڑ گیا ہے۔ ابن کلس نے اس اسباب پر قبضہ کرنیکی بھی اجازت منگوالی۔ رملہ میں ۲۰ ہزار کی جگہ ۳۰ ہزار دینار برآمد ہوئے۔ اور فرما کا اسباب بھی ۲۰ ہزار دینار کو فروخت ہوا۔ کافور نے یقین کر لیا۔ کہ یہ شخص نہایت متدین اور بہت بابرکت ہے۔ جبتک کافور زندہ رہا۔ ابن کلس کا جاہ و جلال بنا رہا۔ اُسکے مرتے ہی

وزیر ابن الفرات نے حساب فہمی میں اسکو گرفتار کر لیا۔ یہاں سے منت وسماجت سعی وکوشش کے بعد رہائی ملی۔ رہا ہو کر اپنے بھائی سے قرض لیا۔ اور افریقہ کو چل دیا۔ راہ میں اُسے معز العبیدی کا غلام القائد جوہر ملا جو دیار مصر پر تصرف وتملک کیلئے آ رہا تھا۔ ابن کلس اس سے ملا اُس نے اپنی عرضداشت کے ذریعے اپنے آقا معز کے پاس روانہ کر دیا۔ جس نے دیار مصریہ میں ہی اُسے مامور کر دیا۔ اور پیاپے ترقی یاب ہوتا رہا۔ جب معز کے بعد اُس کا بیٹا عزیز تخت نشین ہوا۔ تو عہدہ وزارت اُس کو مل گیا۔ وزیر ہو کر نہایت عمدہ انتظام اور نہایت عمدہ اصول حکمرانی قائم کئے۔ اور اہل علم وہنر کی خوب قدر دانی کی۔ ہر ہفتہ شب جمعہ کو مجلس مرتب کرتا۔ اور فقہاء و قراء و نحاۃ وشعراء وقضاۃ کو جمع کرتا۔ اور ہر ایک علم کے متعلق بحث وتکرار علمیہ کا دور شروع ہوجاتا

اپنے ذاتی صرف سے اپنے گھر پر کاتبان قرآن کریم کاتبان حدیث فقہ وادب طب و کلام نوکر رکھ چھوڑے تھے جو ہمیشہ کتب مفیدہ کی کتابت کرتے۔ اور نشر علوم میں ساعی رہتے خوان کرم ایسا وسیع تھا کہ اراکین سلطنت واعیان دولت۔ اہل فضل وکمال مسافرین وسائلین کے لئے جداگانہ مطبخ مقرر تھے اور ہر ایک کو حیثیت ودرجہ کے موافق ہر وقت طعام ملسکتا تھا۔ محل ایسے وسیع علاقہ کے اندر تھا۔ کہ ہر ایک جنس ہر ایک چیز کے بازار اُس کے اندر لیسے ہوتے تھے۔ اور بیرونی جانب سے ایک جنگی قلعہ کے برابر مستحکم وحصین تھا۔ مرنے سے چند روز پیشتر اُسے ایک کاغذ مسند پر گرا ہوا ملا۔ اُٹھا کر دیکھا تو یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

اِحْذَرُوْا مِنْ حَوَادِثِ الزَّمَانِ   وَتَوَقُّوْا طَوَارِقَ الحَدَثَانِ

قَدْ اَمِنْتُمْ مِنَ الزَّمَانِ وَنِمْتُمْ   رُبَّ خَوْفٍ مُكَمِّنٍ فِيْ اَمَانِ

خلاصہ یہ ہے۔ کہ خوف امن کے اندر سے ہی نکل آتا ہے۔ حادثات زمانہ سے غافل وامین نہ ہونا چاہیئے

ابن کلس لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھ کر رہ گیا۔ اس سے تھوڑے دن بعد ہی بیمار ہو گیا۔ نزع سے کچھ پہلے بادشاہ عیادت کیلئے آیا۔ اُس کی خراب حالت دیکھکر نہایت متاسف ہوا کہا کاش اگر تیری زندگی قیمتاً ملسکتی تو میں سلطنت کو دے کر بھی خرید لیتا اور اگر تیرے لئے فدیہ منظور ہو سکتا تو میں اپنے بیٹے کو بھی تجھ پر فدا کر دیتا۔ اب جو وصیت تو کرنا چاہے۔ اسپر میں عمل کرونگا۔ ابن کلس نے کہا حضور اپنے پسماندگان کیلئے کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا کیونکہ الطاف شاہی میرے حال پر اسقدر مبذول ہیں کہ اس سے بڑھکر اور توجہ دلانا ممکن نہیں البتہ میں ملکی معاملات کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) روم کے ساتھ کبھی نہ بگاڑنا۔ اور جبتک وہ سلامت روی سے رہیں اُن کے جنگ کا جویا نہ ہونا۔

(۲) اہل ہمدان میں اگر حضور کا خطبہ و سکہ قائم رہے تو اسی پر قناعت فرمانا۔ اس سے بڑھکر اگر اُن سے کچھ چاہا گیا تو نتیجہ خوب نہ ہوگا۔

(۳) جب فرصت ملے مفرج بن زغفل کو باقی نہ رکھنا۔ اسکے بعد مرگیا۔

بادشاہ بذات خود تجہیز و تکفین میں شریک ہوا۔ اور اپنے ہاتھ سے لحد میں اُسے رکھا۔ اُس روز اپنے سر پر چتر بھی نہ لگایا۔ حالانکہ چتر شاہی کے بغیر وہ کبھی سوار ہوا کرتا تھا۔ تمام بازار اور عدالتیں ماتم میں بند رہیں۔

اُس کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ ۷ لاکھ دینار سالانہ کی جاگیر ذاتی کا مالک تھا۔ اور ۴ ہزار غلام اُس کے گھر کی معتبر خدمات پر مامور تھے۔ ۵ لاکھ دینار کا قیمتی کپڑا۔ اور ۴ لاکھ دینار کے جواہرات گھر میں تھے۔ سوداگروں کا ۱۶ ہزار قرض دینا نکلا۔ جسکو بادشاہ نے خزانہ سے ادا کردیا اور کفن و دفن پر دس ہزار دینار جو صرف میں آئے تھے وہ بھی سلطنت نے دیئے۔ سو سے زیادہ شاعروں نے مرثیے لکھے اور وہ سب ایک جگہ جمع کئے جاکر کتاب کی صورت میں مرتب کئے گئے۔

اُس کی شاعرانہ نازک خیالی کے متعلق ایک قصہ مشہور ہے کہ بادشاہ اور وزیر کے پاس ایک ہی جنس کے عمدہ عمدہ پرندے تھے۔ ایک دفعہ اُن کو پرواز کیلئے چھوڑا گیا۔ وزیر کا پرندہ آگے نکل گیا بادشاہ کو نہایت ناگوار گذرا اور حاسدین کو کہنے کا موقع مل گیا۔ کہ حضور کیلئے تمام اشیاء و اسباب گھٹیل اور ادنی درجہ کا آتا ہے۔ اور جو جنس جو چیز عمدہ ہوتی ہے۔ اُسے وزیر اپنے گھر میں رکھتا ہے ابن کلس کو بھی خبر ہوگئی اُس نے ذیل کا قطعہ بادشاہ کے پاس لکھ بھیجا۔

قُل لِاَمِیرِ المُؤمِنِینَ الَّذِی ۔۔۔ لَهُ العَلَاءُ وَالنَّسَبُ الثَّاقِبُ
طَائِرُ السَّابِقُ لٰکِنَّهٗ ۔۔۔ جَاءَ وَفِی خِدمَتِہِ الحَاجِبُ

ترجمہ۔ امیر المومنین سے جنکا نسب عالی اور درجہ بلند ہے۔ غرض یہ ہے کہ پرندہ تو حضور کا ہی بڑھا ہوا تھا لیکن اُسکے آگے چوبدار کا ہونا ضروری تھا۔

بادشاہ نے اسے بہت پسند کیا۔ اور مسرور ہوگیا۔

ابن کلس کا سال ولادت ۳۱۸ھ اور سال وفات ۳۸۰ھ ہے۔

بعض شخصوں نے اس کے اسلام پر شک کیا ہے۔ اور بتلایا ہے کہ دل سے یہودی ہی تھا۔ ان ظاہر بینوں کو دل پر حکم لگاتے ہوئے ذرا خوف نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص حسن الاسلام تھا۔ اور معتقدات یہود کے متعلق نہایت شرح و بسط سے رد کیا کرتا تھا۔

ابو الطاہر محمّد بن بقیّہ وزیر

ابو الطاہر محمّد بن بقیّہ الملقب نصیر الدولہ۔ عز الدولہ بختیار بن معز الدولہ بن بویہ کا وزیر تھا۔ پہلے معز الدولہ کا باورچی تھا۔ جب عز الدولہ اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوا۔ تو ابن بقیّہ منظور نظر عنایت ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ ترقی پاتا ہوا درجہ وزارت تک پہنچ گیا۔ اگرچہ شروع شروع میں لوگوں کو ایک ایسے شخص کا جو پہلے کہیں باورچی رہ چکا ہو وزیر بن جانا ناگوار گذرا مگر ابن بقیّہ کے جود و سخا اور کرم و عطا نے اس کے تمام عیوب پر پردہ ڈال دیا۔

کہتے ہیں کہ بیس روز میں اس نے بیس ہزار خلعت لوگوں کو عطا کئے تھے۔

ابو اسحٰق کہتا ہے کہ ایک شب جلسہ میں میں بھی موجود تھا۔ ابن بقیہ نے دو سو دفعہ پوشاک بدلی۔ پہلی پوشاک اُتار کر انعام میں دے دیتا۔ ایک گویا لونڈی دیکھکر بولی۔ کہ حضور ان پوشاکوں میں شاید کھٹملیں ہونگی جو بدن پر کپڑے رہتے ہی نہیں دیتیں۔ ابن بقیہ یہ سنکر ہنس پڑا۔ اسکی امارت یا اسراف کا اندازہ کرنے کیلئے دوسری روایت یہ ہے۔ کہ موم بتی کا خرچ اسکے ہاں دو ہزار اشرفی ماہوار کا تھا۔

اس کے عہد وزارت میں عز الدولہ کا اپنے چچیرے بھائی عضد الدولہ شاہ اہواز کے ساتھ جنگ شروع ہوا۔ پچاس دن کے محاربہ کے بعد عز الدولہ کو شکست ہوئی۔ چونکہ جنگ کا مشورہ ابن بقیہ ہی نے دیا تھا اس لئے بادشاہ نے شکست کا غصہ اُسی پر نکالا۔ اور اُسے گرفتار کر کے عضد الدولہ کے پاس بھیجدیا۔ کہ بھائیوں میں پھوٹ ڈالنے والا یہی مایہ فساد تھا۔

عضد الدولہ جنگ سے پہلے بھی اسکے خون کا پیاسا تھا کیونکہ ابن بقیہ ہمیشہ عضد الدولہ کو بُرے الفاظ میں یاد کیا کرتا اور بھرے دربار میں حقارت آمیز فقرات اُس کے لئے استعمال

کیا کرتا تھا۔ اور اُس کو "ترہ فروش" کہا کرتا۔ اُس وقت تو ایسے الفاظ وفقرات سے ابن بقیہ کی غرض اپنے آقا عزالدولہ کو خوش کرنا ہوتا تھا مگر یہ کیا معلوم تھا کہ ان کا خمیازہ بھی کبھی اُٹھانا پڑے گا۔

عضدالدولہ نے پہلے تو اُسے تمام شہر میں تشہیر کرایا۔ اور پھر مست ہاتھی کے پاؤں میں ڈالکر کچلوایا۔ اور پھر بیرون دروازہ شہر پھانسی پر لٹکوادیا۔ ابوالحسن محمد انباری وزیر کا احسان پروردہ وصلہ خوردہ تھا۔ اُس نے نہایت دردانگیز مرثیہ کہا چند اشعار شاعرانہ حیثیت سے ایسے عجیب ہیں کہ اُنہی کیوجہ سے ہمنے ابن بقیہ کا حال انتخاب کیا۔ وہ کہتا ہے اور پھانسی پر کھلی ہوئی لاش کا سماں مدح کے پیرایہ میں دکھلاتا ہے۔

علو فی الحیٰوۃ و فی الممات لحق انت احدی المعجزات	زندگی میں بھی تو بلند تھا۔ اور مرنے کے بعد بھی بلند ہی رہا حق تو یہ ہے کہ تو بھی گویا ایک معجزہ ہے۔
کان الناس حولک حین قالوا وفود نداک ایام الصلٰوۃ	لوگ جو تیرے گرداگرد کھڑے ہیں ایسے معلوم دیتے ہیں کہ تجھسے انعامات وعطیات لینے کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔
کانک قائم فیھم خطیبا وکلھم قیام للصلٰوۃ	تو درمیان میں ایستادہ ہے اور لوگ بھی کھڑے ہوئے ہیں اس سے ایسا نظر آتا ہے کہ تو خطیب ہے اور لوگ نماز کیلئے کھڑے ہیں
مددت یدیک نحوھم احتفاء کمدھما الیھم بالھبات	تو نے اپنے ہاتھ لوگوں کیطرف پھیلا رکھا ہے غالباً اُنکے بلانے کیلئے ہے اور اسیطرح تو اپنے ہاتھ انکو سخاوت کیلئے پھیلایا کرتا تھا
ولما ضاق بطن الارض عن ان تضم علاک من بعد الممات	جب موت کے بعد بھی زمین تیری برتری پر مٹی نہ ڈال سکی۔
اصاروا الجو قبرک واستنابوا عن الاکفان ثوب السافیات	تو تجھے خلا میں دفنا دیا گیا اور کفن کی جگہ مرگ کے کپڑوں سے کفنایا گیا۔
لعظمک فی النفوس تبیت ترعی بحفاظ وحراس ثقات	چونکہ آپکی عظمت دلوں میں جمی ہوئی ہے اس لئے آپ کیلئے ہیں اور معتبر چوکیدار و دربان پہرہ دے رہے ہیں۔
وتشعل عندک النیران لیلاً کذلک کنت ایام الحیوٰۃ	جسطرح زندگی میں آپکے باورچی خانہ کی آگ ہمیشہ روشن رہتی تھی اسیطرح اب بھی تمام رات آپکے قریب آگ روشن رہتی ہے۔
رکبت مطیۃ من قبل زید رض	جس سواری پر گذشتہ زمانہ میں حضرت زید بن زین العابدین رض

علاها فی السنین الماضیات	سوار ہوئے تھے آپ بھی اُسی پر سوار ہوئے ہیں۔
ولم ار قبل جذ عک قط جذ عا	آپکی لاش سے پہلے میں نے کوئی ایسی لاش نہیں دیکھی جس نے
تمکن من عناق المکرمات	بزرگیوں کیساتھ یوں معانقے کئے ہوں۔

یہ مرثیہ لمبا ہے اور اس جگہ صرف شاعر کی ندرت خیال کا اظہار مقصود تھا۔ شاعر نے یہ مرثیہ بغداد کی گلیوں میں متفرق کاغذات پر لکھکر پھیلا دیا۔ شدہ شدہ عضد الدولہ تک بھی یہ اشعار پہنچ گئے۔ اُس نے حکم دیا کہ اس کا مصنف معلوم کیا جائے۔ سال بھر تک تلاش ہوتی رہی۔ آخر صاحب ابن عباد کو جو حاکم رے تھا پتہ لگ گیا۔ اُس نے مصنف کو وعدۂ امن دے کر طلب کیا۔ جب ابو الحسن انباری سامنے آیا۔ تو کہا کہ مرثیہ تو میں دیکھ چکا ہوں مگر مصنف کے منہ سے سننے کی آرزو ہے۔ انباری نے پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے جب ولم ار قبل جذ عک قط جذ عا۔ پر پہنچا تو حاکم نے اُٹھ کر منہ کو چوم لیا۔ اور پھر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ وہ رات کیوقت بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ عضد الدولہ نے کہا کہ ایسا مرثیہ لکھنے کی جراٰت تجھے کیونکر پیدا ہوئی۔ کہا مرحوم کے سابقہ احسانات اور دیرپا عنایات نے میرے کلیجہ میں آگ بھڑکا رکھی تھی۔ چند شعر کہکر مینے اُسے ٹھنڈا کر لیا۔ بادشاہ جسکے سامنے شمعہائے بلوریں روشن تھے۔ بولا کہ شمع کے بارہ میں بھی تجھے کوئی شعر یاد ہے۔ انباری نے کہا ہاں!۔

كَأَنَّ الشُّمُوْعَ وَقَدْ اُظْهِرَتْ … مِنَ النَّارِ فِيْ كُلِّ رَأْسٍ سِنَانَا

اَصَابِعُ اَعْدَائِكَ الْخَائِفِيْنَ … تَضَرَّعُ تَطْلُبُ مِنْكَ الْاَمَانَا

ہر ایک شمع جس کے سر پر آتش بارستان ہے۔ گویا تیرے خائف و ترساں دشمنوں کی انگلیاں ہیں۔ جو گڑگڑاتی ہوئی تجھ سے امان کی خواہاں ہیں۔

بادشاہ سُنکر خوش ہوا۔ ایک گھوڑا۔ ایک کیسہ زر ایک خلعت دیکر رخصت کر دیا۔ ابن بقیہ کی لاش جبتک عضد الدولہ زندہ رہا پھانسی پر ہی لٹکتی رہی لیکن اُسکے مرنے کے بعد اُتاری جاکر دفنائی گئی۔ انباری نے اس بارہ میں بھی چند اشعار کہے۔

لَمْ يَلْحَقُوْا بِكَ عَارًا اِذْ صُلِبْتَ بَلٰى … بَاؤُوْا بِاِثْمِكَ ثُمَّ اسْتُرْجِعُوْا نَدَمَا

پھانسی پر لٹکائے جانے سے تجھے کوئی عیب نہیں لگ گیا۔ بلکہ انہوں نے ایک گناہ کیا اور خود ہی ندامت اُٹھا کر اس سے رجوع کرنا پڑا۔

لَئِن بَقِیتَ فَلا یَبلیٰ نَدَاکَ کَمَا　　تُنسِی وَکَم هَالِکٌ یُنسیٰ اِذَا فُقِدَا

گو آپ پر مصیبت آئی مگر آپکی سخاوت کو تو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ اور نہ بھلائی جاسکتی ہے۔ حالانکہ بہت سے اشخاص ایسے ہیں کہ مرنے کے بعد انہیں کوئی جانتا بھی نہیں۔

تَقَاسَمَ النَّاسُ حُسنَ الذِّکرِ فِیکَ کَمَا　　مَا زَالَ مَالُکَ بَینَ النَّاسِ مُنقَسِمَا

لوگوں میں آپ کی تعریف اب اسطرح پر تقسیم ہو رہی ہے جسطرح پہلے کبھی آپ کا عطا کردہ زر و مال تقسیم ہوا کرتا تھا۔

ابن بقیہ کا واقعہ شوال ۳۶۷ھ کو ہوا۔ اُس وقت اُسکی عمر پچاس ساٹھ کے درمیان تھی۔

ابن بقیہ کا قصہ سبق دے رہا ہے کہ غلط مشورے دینا۔ اقارب کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی سعی کرنا۔ ناشائستہ الفاظ کا استعمال کبھی نہ کبھی ضرور بُرے انجام پر ختم ہوتے ہیں۔

انباری شاعر کا واقعہ ظاہر کر رہا ہے کہ اخلاص ورزی محسن کی شکر گزاری۔ استقلال ضرور اچھے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ دنیا میں گو بہت سے اشخاص ایسے پائے جاتے ہیں جو خود غرضی اور مطلب براری کے سامنے خلوص اور شکر گزاری محسن کو نہایت حقارت سے دیکھا کرتے ہیں اور ان صفات کو کمزور انسانی خیال کہا کرتے ہیں۔ لیکن سچی شرافت اور حقیقی انسانیت ان لوگوں کے ساتھ کبھی اتفاق نہیں کر سکتی۔

انباری نے ابن بقیہ کو پھانسی پر لٹکائے جانے میں حضرت زید بن امام زین العابدینؓ کا مشبہ قرار دیا ہے۔ سو اس بزرگوار زید کو بھی بجرم بغاوت ہشام اموی کے حکم سے حاکم رے نے چند سال تک پھانسی پر لٹکائے رکھا تھا۔ آخر جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں اس بارہ میں جوش پھیل رہا ہے تو لاش کو جلا کر راکھ دریا میں بہا دی تھی۔

بنی امیہ کے بعد عباسیہ کا دور خلافت شروع ہوا۔ اور اُنہوں نے بنی اُمیہ کے اُس ظلم و ستم کا جو فرزندان اہلبیت نبوی صلعم پر کئے گئے تھے بدلہ لینا شروع کیا۔ مگر اس بُرے طریق پر کہ قبر ہشام سے مردہ نکالا اور راکھ کر دیا اور کہا کہ یہ زید شہید رضی اللہ عنہ کا بدلہ ہے۔ اللہ اکبر خود سرانہ حکومت کیسی کیسی خونریزیوں اور زیادتیوں کا سرچشمہ رہی ہے اور مدعیان پیروی مقدس مذہب نے کیسے کیسے ناپاک افعال کئے ہیں۔ قرآن مجید نے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ کی بنیاد ڈالی اور خلافت راشدہ کے تاباں جواہر نے اس عمارت کی حفاظت کی لیکن اُنکے بعد اس حکم سے چشم پوشی دستیابی کیگئی اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں

سے وہ کچھ دیکھنا نصیب ہوا کہ اعداء سے بھی ظہور میں آنے کی توقع نہ کیجا سکتی تھی۔

نظام الملکؒ

یہ وہی مدبر اور علم دوست وزیر ہے جس نے اپنے نام پر نظامیہ بغداد کی بنیاد ڈالی۔ اور تین کروڑ روپیہ سالانہ کی جاگیر اس اسلامی یونیورسٹی کیلئے دوامًا وقف کی یہ وہی نظامیہ ہے جہاں کے وظیفہ خوار طالب علم ہونے پر سعدی شیراز کو فخر ہے بوستاں میں فرماتے ہیں۔

مرا در نظامیہ ادرار بود — شب و روز تلقین و تکرار بود

یہ وہی نظامیہ ہے جس میں امام غزالی۔ امام نووی و فاضل اجل ابن جوزی جیسے پروفیسر تھے
نظام الملک بروز جمعہ ۲۱ ذیلقعد ۴۰۸ھ کو نوقان ضلع طوس میں پیدا ہوئے۔ نام حسن ابن علی بن اسحٰق بن عباس۔ کنیت ابو علی لقب نظام الملک قوام الدین ہے۔ لیکن مشہور صرف نظام الملک ہوا۔ اور نام و کنیت پر بھی غالب آگیا۔

ان کا باپ ایک معمولی زمیندار تھا مگر بیٹے کو حدیث و فقہ کی تعلیم اعلےٰ درجہ کی دلائی تھی۔ جب نظام الملک سن بلوغ کو پہنچا۔ تو علی بن شاذان حاکم بلخ کے پاس جاکر نوکر رہ گیا۔ لیکن وہ دُرشت مزاج تند خو تھا۔ اس کو بہت جلد مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے بعد وہ داؤد بن میکائیل سلجوقی کی خدمت میں رہنے لگا۔

داؤد کو رفتہ رفتہ اس کے جوہر قابلیت دیکھکر محبت بڑھتی گئی۔ بالآخر اپنے بیٹے الپ ارسلان کا اتالیق بنادیا۔ اور شاہزادہ کو بلاکر سمجھادیا کہ اُسے میرے برابر سمجھنا۔ اور اس کے مشورہ سے کبھی تجاوز نہ کرنا۔

جب الپ ارسلان نے سر پر تاج رکھا تو تدبیر مہام اور مہار انتظام کو نظام الملک کے ہاتھ میں دے دیا۔ دہ سالہ حکومت کے بعد الپ ارسلان مرگیا۔ اور ملک شاہ اپنے باپ کی جگہ شاہ مقرر ہوا۔ بادشاہ کے پاس آبادی میں صرف تخت تھا اور جنگل میں شکار باقی سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک نظام الملک ہی تھا۔ اسی جاہ و جلال کے ساتھ اپنی عمر کے آخری بیس سال پورے کئے۔

نظام الملک کی مجلس ہر وقت علماء کبار اور صوفیائے نامدار سے بھری رہتی تھی۔ اور یہ بھی صوفیہ کی خدمت خصوصیت کیساتھ حد سے بڑھ کر کیا کرتا۔ ایک دفعہ اس کا سبب پوچھا گیا۔ کہا ابتدائے عمر کا ذکر ہے میں ایک امیر کی خدمت میں مشغول تھا۔ ایک درویش ادھر آنکلے فرمایا ایسے شخص کی خدمت کرنی چاہیئے جس سے کچھ منفعت حاصل ہو۔ تو ایسے شخص کی خدمت میں لگا ہوا ہے جس نے کل تک کتوں کا لقمہ بنجانا ہے۔ میں اُس وقت اس فقرہ کے معنے نہ سمجھا۔ درویش چلا گیا۔ اس امیر کے ہاں شکاری کُتے بہت تھے جو خونخواری و درندگی میں درندوں سے بڑھ کر تھے۔ یہ سب رات کو محل کے گرد چھوڑے جاتے۔ جو کوئی غریب ناواقف محل کے آس پاس ملجاتا اُسے پھاڑ ڈالتے۔ رات کو امیر نے شراب پی۔ اور حالت نشہ میں تن تنہا محل سے باہر نکل آیا۔ نہ کتوں نے مالک کو پہچانا اور نہ مالک نے اپنے آپ کو شناخت ہی کرایا۔ کتوں نے اُسے اجنبی سمجھا اور چیر ڈالا۔ تب میں سمجھا کہ وہ درویش باخدا اور صاحب باطن اور اہل صفا تھا۔ اب میں اس لئے ہر ایک کی خدمت کرتا ہوں کہ شاید کوئی رسیدہ ملجائے۔

علماء میں سے نظام الملک۔ ابوالقاسم قشیری۔ اور امام الحرمین ابوالمعالی کی تعظیم و اکرام میں نہائت غلو کیا کرتا تھا۔ اور جب ان دونوں میں سے کوئی صاحب تشریف لے آتے تو مسند چھوڑ کر سامنے دوزانو ہو بیٹھتا۔

اس بندہ صالح کی عادت یہ تھی کہ بانگ نماز سنتے ہی سب کام چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا۔

کہتے ہیں کہ یونیورسٹی کا بانی سب سے پہلے یہی ہوا اور ہر جگہ اسی کی تقلید کیگئی جس وقت اس نے تین کروڑ سالانہ کی جاگیر نظامیہ کیلئے وقف کر دی۔ تو بعض مصاحبین نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ دیکھئے حضور سے بلا استمزاج کتنے بڑے حصہ سلطنت کو خزانہ سے علیحدہ کر دیا۔ بادشاہ نے نظام الملک کو بُلا کر صاف لفظوں میں تو نہ کہا۔ لیکن یہ کہا کہ فوجی مصارف کی بہت ضرورت ہے۔ آپ مدارس کے لئے کچھ رقم مقرر کیا کریں۔ تو اُس کا لحاظ کر لیا کریں۔ نظام الملک نے کہا کہ جو فوج آپ طیار کرتے ہیں وہ دشمن کو خروج و بغاوت کے بعد زیر کرتی ہے۔ اور جو فوج میں طیار کر رہا ہوں۔ وہ بغاوت سے پہلے مادہ دشمنی کو خارج کر دیتی ہے۔ آپ کی فوج کے تیر دشمن ارضی کے حملہ کی روک ہیں۔ مگر اس فوج کے تیر دعا آسمانی

قضا کو تھام دیتے ہیں۔ پھر کہا۔ جان بابا میں تو ضعیف پیر ہرم ہو گیا ہوں۔ لیکن تم ماشاء اللہ جوان ہو۔ ترک ہو۔ خوب سرخ و سفید۔ بھلا اگر تم کو نخاس میں فروخت کیا جائے تو اس تن و توش اور رنگ و روپ پر کیا قیمت پڑے۔ یہی ہزار بارہ سو درہم!! اس حیثیت خلقی پر خداوند تعالیٰ نے جو اتنے بڑے ملک کا تمکو والی و بادشاہ بنا دیا ہے تو اب تم کو اسکی راہ میں اور علوم الٰہیہ کی ترویج میں صرف تین کروڑ سالانہ دیتے ہوئے بھی درد آتا ہے!!۔ بادشاہ رو پڑا کہا معاف فرمایئے آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ عین مصلحت و صواب ہے۔

نظامیہ کی بنیاد ۵۷ ھ میں رکھی گئی اور ۵۹ ھ میں عمارت پوری ہو گئی۔ شیخ ابو اسحٰق شیرازی کو پرنسپلی کیلئے انتخاب کیا گیا۔ اور انہوں نے اس تقرر کو منظور کر لیا۔ افتتاح کے دن نظام الملک تو موجود نہ تھا۔ اُس کے بیٹے موید الملک نے رسم پوری کی۔ استاد ابو اسحٰق کا نہایت انتظار کیا گیا۔ اور ہر جگہ اُن کو ڈھونڈا گیا۔ لیکن کچھ پتہ نہ ملا۔ آخر شیخ ابو نصر بن صباغ کو اُن کی جگہ بٹھلایا گیا۔ جب نظام الملک کو اطلاع ہوئی تو اس نے بیٹے کو لکھ بھیجا۔ کہ تم نے غلطی کی۔ اگر افتتاح کالج میں ایک سال کا وقفہ بھی پڑ جاتا۔ تو کچھ پرواہ نہ تھی۔ مگر ابو اسحٰق کے سوا پرنسپلی کا شایاں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آخر بیس یوم کے بعد انکو ہی منت سماجت کر کے رضامند کیا گیا۔

الغرض نظام الملک وہ شخص ہے جو وزیر سلطنت بھی تھا۔ اور عالم دین بھی۔ اس کا عمل کثرت علم سے مرشید تھا اور اُسکا علم مداومت عمل سے مزین تھا۔ جا بجا مہمان سرائیں پل اور مدارس تعمیر کرا دیئے تھے۔

حدیث پاک کے درس میں طالب علمانہ حاضر ہوا کرتا۔ اور گاہے گاہے خود بھی روایت کیا کرتا۔ کہا کرتا تھا میں جانتا ہوں کہ روایت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیت مجھکو نہیں۔ لیکن تمنا ہے کہ راویان حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بروز شمار میرا شمار کیا جاوے۔

ایسے ہی اخلاق حمیدہ اور خصائل جمیلہ کیوجہ سے نظام الملک ایک ایسے ذاتی اعزاز کا مالک ہو گیا تھا۔ جو محض ایک وزیر سلطنت کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک دفعہ خلیفہ مقتدی باللہ کے دربار میں پیش ہوا۔ خلیفہ نے محض اُس کے ذاتی اعزاز کیوجہ سے اُسکو حضور میں نشست کی اجازت دیکر کہا کہ اے حسن امیر المومنین تجھ سے خوشنود ہے۔ خدا

بھی تجھ سے خوش رہے۔
نظام الملک کبھی کبھی خداداد موزونی طبع سے بھی دل بہلایا کرتا۔ اور شعر کہا کرتا تھا۔ ذیل کا قطعہ اُسی کا ہے جو حسب حال بھی ہے ؎

بَعْدَ الثَّمَانِیْنَ لَیْسَ قُوَّۃٌ　　قَدْ ذَھَبَتْ شَرَّۃُ الصَّبْوَۃِ
کَاَنَّنِیْ وَالْعَصَاءُ بِکَفِّیْ　　مُوْسٰی۔ وَلٰکِنْ بِلَا نُبُوَّۃٍ

یعنی ہشتاد سالہ عمر کے بعد قوۃ نہیں رہتی۔ اور لڑکپن کی امنگوں کا تو نشان بھی نہیں ملتا جب میرے ہاتھ میں عصا موجود ہے تو گویا میں بھی موسیٰ ہوں۔ گو نبوت مجھے حاصل نہیں۔
کہتے ہیں اصفہان کو بادشاہ کے پاس جارہا تھا۔ جب نہاوند کے قریب پہنچا تو کہا یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے تھے۔ مبارک ہے جسکو اُن کا ساتھ نصیب ہو۔ تھوڑی دور ہی آگے چلے تھے۔ کہ ایک دیلمی لڑکا صوفیانہ لباس پہنے ہوئے سامنے آیا۔ ظاہر کیا کہ عرضی پیش کرنا چاہتا ہے۔ نظام الملک نے قریب بلایا۔ اور ہودج میں سے اُٹھکر عرضی لینے کیلئے ہاتھ نکالا۔ ظالم لڑکے نے اُسی وقت چھری چلائی جو سیدھی دل پر آلگی۔ اور طائر روح کی پرواز کے لئے قفس کی کھڑکی کُھل گئی۔ نظام الملک شہید ہو گیا۔ قاتل بھاگ چلا تھا۔ مگر پکڑا گیا۔ اور اُسیوقت قتل کر دیا گیا۔ طناب خیمہ کے ساتھ قاتل کا سر بھی مقتول کی تدفین سے پہلے آویزاں نظر آتا تھا۔
بادشاہ تعزیت کیلئے خود اُسکے کیمپ میں آیا۔ اور مرحوم کے جملہ ملازمین واقربا کو تسلی و صبر دلاتا رہا۔
بعض کا خیال ہے کہ قاتل نے بادشاہ کے اشارہ سے ہی وار کیا تھا۔ کیونکہ بادشاہ اُسکے سامنے محض شاہ شطرنج تھا۔ اور مرحوم کی بست سالہ وزارت کے طول زمانہ نے جہاندیدہ وزیر کو مالک کے دل ودیدہ پر اور بھی زیادہ گراں کر رکھا تھا۔
بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ تاج الملک ابو الغنائم خسرو کی سازش سے ہوا۔ کیونکہ نظام الملک اور مرزبان میں کچھ چلی ہوئی بھی تھی۔ اور مرحوم کے بعد وزیر بھی وہی ہوا۔
مسلمان کے نزدیک یہ سب قیاسات ہیں اللہ تعالیٰ نے اُس بندہ صالح کی تمنا کو دیکھا۔ دعا کو سنا۔ صحابہ کرام وشہدائے عظام کے پہلو میں خواب راحت کی اجازت دی۔ اور

اسی مقام پر جہاں جہاد کرتے ہوئے اصحاب نبوی نے جان دی تھی۔ اسے انصاف کرتے ہوئے نعمت شہادت ارزانی فرمائی۔ جو حکومت وزارت سے بدرجہا ارفع واعلےٰ ہے۔

ابوالہیجا مقاتل بن عطیہ نے مرثیہ میں یہ قطعہ لکھا۔

كَانَ الْوَزِيْرُ نِظَامُ الْمُلْكِ لُؤْلُؤَةٌ ‏ نَفِيْسَةٌ صَاغَهَا الرَّحْمٰنُ مِنْ شَرَفٍ

عَزَّتْ فَلَمْ تَعْرِفِ الْاَيَّامُ قِيْمَتَهَا ‏ فَرَدَّهَا غَيْرَةً مِّنْهُ اِلَى الصَّدَفِ

یعنی نظام الملک وزیر ایک نفیس موتی تھا۔ جسے رحمٰن نے دریائے شرف سے نکالا تھا اُس نے دنیا کو اپنی آب وتاب دکھلائی۔ مگر دنیا نے اُسکی کچھ قدر وقیمت نہ پہچانی۔ اس لیئے غیرت الٰہیہ نے اُس کو پھر صدف میں ہی رکھ دیا۔

صدف میں رکھنے کا کنایہ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ سے ہے۔ شہادت کا واقعہ ۷ اماہ رمضان ۴۸۵ھ ہجری کو ہوا۔ بادشاہ بھی اس سے ۳۵ یوم بعد مرگیا۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

جعفر برمکی

خلافت عباسیہ کی تاریخ میں جو قدر ومنزلت عزت وشہرت جعفر اور اُسکے خاندان وزارت کو حاصل ہوئی ہے۔ اور جو سبق عبرت اس خاندان سے حکومت واختیار کے شیدائیوں مال وزر کے فدائیوں کو حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ شاید دوسری جگہ نہ مل سکے۔

برمک پارسی نژاد شخص تھا۔ آتشکدۂ بلخ کا مدت العمر پوجاری رہا۔ اُس کا بیٹا خالد مسلمان ہوا۔ اور خلیفہ عبداللہ سفاح وخلیفہ منصور کا وزیر اعظم رہ کر اکراد فارس پر فوجکشی کرتا ہوا اپنی موت سے مرگیا۔ اُس کا بیٹا یحییٰ ہمیشہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہا۔ اور آخر میں بادشاہی محلات کا منتظم تھا یحییٰ کے دو بیٹے تھے فضل اور جعفر ہارون رشید کے وقت میں ان دونوں کو جو عروج حاصل ہوا۔ وہ کسی وزیر کو تو کیا شاید بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں ہوا۔

ہارون فضل کو ہمیشہ بھائی صاحب۔ اور یحییٰ کو ہمیشہ باوا جان کہہ کر بلایا کرتا تھا۔

اس کی وجہ محبت بھی تھی۔ اور رشتہ رضاعت بھی۔ یعنی ہارون رشید نے فضل کی ماں کا۔ اور فضل نے ہارون رشید کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ فضل اور جعفر دونوں بھائی اعلےٰ درجے کے لائق اور قابل تھے۔ اور اگر ان دونوں میں زیادہ غور کی نگاہ سے فرق و تمیز کیجاتی تو وجہ تمیز یہ تھی کہ فضل کی سخاوت جعفر سے بڑھی ہوئی تھی۔ اور جعفر کی بلاغت فضل کی انشا پر فضیلت رکھتی تھی۔ پہلے فضل ہارون رشید کا وزیر تھا۔ لیکن پھر اُس نے چاہا۔ کہ جعفر کو خلعت وزارت عطا کرے۔ یحییٰ کو بلایا۔ کہا بابا جان میں جعفر کو فضل کی جگہ بٹھلانا چاہتا ہوں۔ اور خود کوئی حکم دینا نہیں چاہتا۔ آپ جسطرح مناسب خیال کریں۔ اس کام کو انجام دیں۔ یحییٰ نے کہا بہتر اُس نے وہیں بیٹھے ہوئے فضل کو لکھدیا۔ امیر المومنین کا ارادہ ہے کہ خاتم وزارت کو دست راست سے بدل کر دست چپ میں پہنایا جائے تم کو لازم ہے کہ تعمیل کرو (جعفر فضل سے چھوٹا تھا)

الغرض جعفر ہارون رشید کا وزیر تھا۔ اور علو قدر و نفاذ امر۔ جلالت منزلت قدر و عزت کی اس حد تک پہنچا ہوا تھا۔ کہ آجتک کوئی وزیر شاید وہ درجہ حاصل نہیں کر سکا۔ کشادہ پیشانی۔ خندہ روئی کے ساتھ فصاحت و بلاغت کا مالک تھا۔ جود و سخاوت کے واقعات آجکل تو کہانیاں معلوم ہوتی ہیں لیکن تاریخی طور پر تفحص کیا جائے تو شاید ایسے شخص کو ابر گہر بار کہنا موزوں تشبیہہ ہو۔

کہتے ہیں کہ ہارون رشید کو اپنی بہن عباسہ اور جعفر وزیر کے ساتھ ازحد محبت تھی۔ نہ جعفر کے بغیر اُسے شکیب تھا اور نہ عباسہ کے بغیر صبر۔ ایک دن جعفر کو کہا۔ کہ مجھے اتنی بڑی سلطنت میں بھی بے غش زندگی حاصل نہیں۔ جب باہر تمہارے پاس ہوتا ہوں تو عباسہ یاد آتی ہے اندر عباسہ کے پاس ہوتا ہوں تو جعفر کی یاد بے چین رکھتی ہے۔ جعفر میں چاہتا ہوں کہ عباسہ کا تیرے ساتھ نکاح کر دوں۔ تاکہ تم سامنے ہوسکو۔ اور مجھے یکبارگی دونوں کے پاس بیٹھنا میسّر آئے۔ مگر دیکھ میرے بغیر کبھی تم نے ایک جگہ جمع نہ ہونا۔ اور باہم گفتگو و کلام نہ کرنا۔ اس حکایت سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ کہاں تک جعفر کی محبت ہارون رشید کو تھی ایک اور حکایت بھی ملتی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جعفر کو کہاں تک ہارون رشید پر اقتدار حاصل تھا۔

ابراہیم بن مہدی کہتا ہے کہ ایک روز جعفر نے احباب کا جلسہ کیا۔ ہر ایک شریک دعوت

کیلئے ریشمی لباس تیار کرایا گیا تھا۔ لباس پہنایا گیا۔ اور سب کو عطر سے بسایا گیا۔ اور حکم دیا کہ عبدالملک بن بحران کو بلا لاؤ۔ اُس کے سوا اور کوئی اندر نہ آئے۔ دربان نے عبدالملک تو سنا اور ابن بحران نہیں سُنا۔ وہ جاکر عبدالملک بن صالح ہاشمی کو بُلا لایا۔ اور اندر آکر اطلاع کیوقت بھی صرف یہی کہا کہ عبدالملک آگئے۔ کہا بلاؤ۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ عبدالملک بن صالح جبہ و دستار میں آرہے ہیں۔ جعفر کا منہ سفید ہوگیا۔ کیونکہ ابن صالح نبیذ نہ پیا کرتا تھا۔ اور خاص خلیفہ کو جواب دے چکا تھا۔ جب عبدالملک نے جعفر کا چہرہ دیکھا تو وہ بھی پہچان گیا۔ جبّہ و عمامہ اُتار کر اُسکے حوالہ کیا۔ اور کہا میرے لئے ایسا ہی لباس لاؤ۔ جو احباب نے پہنا ہوا ہے۔ پھر ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی کھایا۔ اور قدرے نبیذ بھی پی۔ کہا بخدا آج سے پہلے مینے کبھی اسے مُنہ نہ لگایا تھا۔ صرف اس لئے کہ تمہاری مجلس مکدر نہ ہو جائے شریک صحبت ہوگیا ہوں۔ پھر تو خوب ہی جلسہ کا رنگ جما اور نہایت مسرت و سرور کے ساتھ جلسہ ختم ہوا۔ جب عبدالملک واپس جانے لگا تو جعفر نے کہا کہ میرے متعلق کچھ کارخدمت ہو تو فرمایئے۔ عبدالملک بولا۔ کہ امیرالمومنین کے دل میں میری طرف سے کچھ خلش ہے اُسے دفع کردو۔ جعفر بولا کہ ابھی تم سمجھ لو کہ امیرالمومنین تم سے نہایت خوش ہیں۔ عبدالملک نے کہا مینے چار لاکھ درہم قرض دینا ہے۔ جعفر نے کہا یہ لو۔ روپیہ حاضر ہے۔ اُتار دو۔ مگر میں بہتر سمجھتا ہوں کہ یہی روپیہ تم کو امیرالمومنین سے دلا دیا جائے۔ تاکہ تم پر ثابت ہو جائے کہ وہ تم سے خوش ہو گئے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ فرماؤ۔ عبدالملک نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے ابراہیم کی شادی شاہی خاندان میں ہو جائے۔ جعفر نے کہا اچھا امیرالمومنین کی بیٹی عالیہ کا نکاح اُس سے کرایا جاویگا۔ عبدالملک نے کہا میں چاہتا ہوں۔ کہ ابراہیم کو صوبہ جات کا والی بنایا جائے۔ جعفر نے کہا بہتر وہ گورنر مصر کر دیا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم سب یہ گفتگو سُن کر حیران تھے۔ کہ جعفر کیونکر ایسے امور عظیمہ کی بابت بیدھڑک وعدہ کر رہا ہے تھوڑی سی دیر کے بعد جعفر سوار ہو کر خلیفہ کے پاس گیا۔ چند منٹ تخلیہ کے بعد قاضی ابو یوسف۔ امام محمد بن حسن اور ابراہیم بن عبدالملک طلب ہوئے۔ نکاح پڑھا گیا۔ خلعت گورنری مصر عطا ہوا۔ روپیہ پیچھے پیچھے تھا اور ہم آگے آگئے۔ ہم یہ سب دیکھکر حیران ہو گئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ عبدالملک جیسے خفیف و باوقار و متشرع کا فوراً ہی حجاب نبیذ پینا تعجب خیز تھا۔ یا جعفر کا اُس سے جملہ امور میں وعدہ کر لینا اُس سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا تھا

یا ہارون رشید کا اتنی جلد سب باتوں کو مان کر فوراً تعمیل کرا دینا دونوں سے بڑھ کر عجیب تھا۔
اس اقتدار و محبت شدید کے بعد خاتمہ یہ ہوا۔ کہ ہارون رشید نے اُس سے ناراض ہو کر جعفر کو تو قتل کرا دیا۔ اور فضل کو جسے بھائی کہا کرتا۔ اور یحییٰ کو جسے ابا کہکر بلاتا دائم الحبس بنایا۔ مورخین کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ ہارون رشید کس بات پر جعفر سے ناراض ہوا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ جب عباسہ کا نکاح جعفر سے پڑھا گیا۔ تو جعفر ہمیشہ اُس سے محترز رہا۔ مگر عباسہ نے اپنی ساس کو کہلا کر بھیجنا شروع کیا۔ کہ کسیطرح میرے شوہر تک مجھے پہونچاوے۔ ورنہ میں اپنے بھائی کو تم سے برگشتہ کر دونگی۔ بڑھیا نے مان لیا ایک شب جب جعفر نشہ میں چور تھا۔ عباسہ کو بلا کر اُس کے پاس بھیجدیا۔ عباسہ رات بھر وہیں رہی اور چلتے وقت اُسے کہنے لگی کہ وزیر صاحب شہزادیوں کے ہتھکنڈے بھی دیکھے جعفر بولا شہزادی کون۔ کہا میں عباسہ امیر المومنین کی بہن ہوں۔
خدا کی قدرت عباسہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور وہ اخفائے راز کیلئے مکہ مکرمہ بھیجدیا گیا۔ اسی اثناء میں یحییٰ کی بیگمات سے بگڑ گئی۔ یحییٰ ناظر محلات تھا۔ شروع شام سے ہی آمد و رفت بند کر دیتا تھا۔ اور بیگمات تنگ ہوتی تھیں۔ زبیدہ خاتون نے ہارون رشید سے شکایت کی ہارون نے کہا کہ مجھے یحییٰ کی نسبت کوئی بھی شک نہیں ہوسکتا۔ زبیدہ بولی اگر وہ ایسا معتبر ہے تو اس کا بیٹا جعفر کیا خاک اڑا رہا ہے۔ رشید نے پوچھا کیا۔ کہا عباسہ نے بچہ جنا ہے۔ رشید نے کہا ثبوت۔ بولی مکہ مکرمہ میں خود بچہ موجود ہے۔ رشید سنکر چپ کر گیا اور چند ماہ کے بعد حج کے بہانہ مکہ مکرمہ کو روانہ ہوا۔ عباسہ نے بچہ کو یمن بھجوا دیا۔ مگر رشید کو یہ امر متحقق ہو گیا۔ اور حج سے واپس آکر جعفر کو اسی وجہ سے قتل کرا دیا۔
دوسرا مورخ کہتا ہے کہ ایک علوی نسب کو بغاوت سلطنت کے جرم میں گرفتار کر کے جعفر کے سپرد کیا گیا تھا۔ اُس نے جعفر کو کہا کہ تم کیوں میرے نانا محمدؐ کو اپنا دشمن بناتے ہو جعفر نے اُسے چھوڑ دیا۔ رشید نے کہا کہ اب وہ فتنہ و فساد برپا کریگا۔ کہا نہیں میں نے اطمینان کر لیا تھا۔ خلیفہ نے کہا بہتر تب کچھ مضائقہ نہیں۔ اس گفتگو کے بعد جعفر جب وہاں سے اُٹھکر چلا۔ تو رشید نے آنکھیں اُٹھا کر اُسے دیکھا اور آہستہ سے کہا کہ خدا مجھکو بھی ہلاک کرے اگر میں تجھکو قتل نکروں۔
تیسرا مورخ سعید بن سالم کا قول نقل کرتا ہے کہ برامکہ کا کچھ قصور نہ تھا۔ بات یہ ہے کہ

کہ اُن کو حکومت کرتے کرتے ایک زمانہ طویل ہو چلا تھا۔ اور طوالت سے طبیعت کا ملول ہو جانا ایک قدرتی امر ہے۔

چوتھا مؤرخ کہتا ہے کہ رشید کے ناراض ہونیکی وجہ ایک گمنام شخص کے اشعار ذیل تھے۔

قل لامين الله فی ارضه ومن اليه الحل والعقد	خلیفہ سے جس کے ہاتھ میں سب انتظام ہے یہ عرض ہے۔
هذا ابن يحيى قد غدا مالكا مثلك ما بينكما حد	کہ جعفر بن یحیٰی تیری برابر کا مالک بن گیا ہے اور تجھ میں اور اس میں کچھ فرق نہیں رہا۔
امرك مردود الی امره وامره ليس له رد	آپکا حکم اس کے حکم کے سامنے پھیر دیا جاتا ہے۔ اور اسکے حکم کو کوئی لوٹا دینے والا نہیں۔
وقد بنى الدار التی ما بنى الفرس لها مثلا ولا الهند	اُس نے ایسا محل تعمیر کرایا ہے کہ ہند و فارس میں اُسکی نظیر نہیں۔
الدر والياقوت حصباؤها وتربها العنبر والند	در و یاقوت اس محل کی کنکریاں ہیں اور عنبر و کافور وہاں کی مٹی ہے۔
ونحن نخشى انه وارث ملكك ان غيبك اللحد	ہمیں یہ ڈر ہے کہ جس دن آپ لحد میں جا سوئے تو ملک کا وارث یہی بن جائیگا۔
ولن يباهي العبد اربابه الا اذا ما بطر العبد	غلام آقا کی برابری تب ہی کرتا ہے جب وہ نمک حرامی کرنے لگے۔

رشید کے دلمیں اشعار پڑھ کر برامکہ کیطرف سے بدی بیٹھ گئی۔

ابن بدرون کہتا ہے کہ علیہ بنت مہدی نے ایک روز رشید سے پوچھا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ جب سے برامکہ تباہ کئے گئے ہیں حضور کامل خوش نظر نہیں آتے۔ بدیں صورت اُن کے بگاڑنے کیوجہ کیا تھی۔ بولا عزیزاز جان اگر میں سمجھ لوں۔ کہ اسکی اصلیت میرے قمیص کو معلوم ہو گئی ہے تو اُسے بھی چاک کر ڈالوں۔

واقدی لکھتے ہیں کہ حج سے واپس ہو کر رشید برامکہ سے بگڑا۔ صفر کی پہلی تاریخ تھی کہ جعفر کو قتل کیا گیا جس پر بغداد کی ایک طرف اُس کا دھڑ اور دوسری جانب اُس کا سر آویزاں کیا گیا تھا۔

سندی بن شاہک کا بیان ہے کہ میں رات کو کوتوالی میں سویا پڑا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر بن یحییٰ سراپا سرخ لباس پہنے ہوئے سامنے کھڑا ہے اور یہ اشعار پڑھ رہا ہے۔

كَاَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَجُوْنِ اِلَى الصَّفَاء   اَنِيْسٌ وَّلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرٌ

گویا حجون اور صفا (مکّہ کے دو مقامات) کے درمیان میں کوئی انیس بھی نہ تھا اور نہ کوئی داستان گو (جو داستان کے طور پر ہی ہمارا ذکر کرے)

بَلٰى نَحْنُ كُنَّا اَهْلَهَا فَاَبَادَنَا   صُرُوْفُ اللَّيَالِىْ وَالْجُدُوْدُ الْعَوَاثِرُ

ہاں! ہم اُسی جگہ کے رہنے والے ہیں۔ لیکن زمانہ کی گردش اور ہلاکت کی راہوں نے ہم کو وہاں سے نکال دیا۔

خواب دیکھتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ مینے ایک دوست سے ذکر کیا۔ بولا بیہودہ خواب وخیال ہے۔ اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ انسان جو کچھ خواب میں دیکھے۔ اُسکے لئے تعبیر بھی ہو۔ میں پھر پلنگ پر جا پڑا۔ مگر آنکھوں میں نیند نام کو نہ تھی۔ تھوڑی دیر گذری تھی۔ کہ گھوڑے کی ٹاپ اور ہنہناہٹ کی آواز آئی اور ساتھ ہی دروازہ پر بھی زور سے کھٹکھٹاہٹ ہوئی مینے دروازہ کھلوا دیا۔ سلام ابرش جو رشید کا خاص خادم تھا اور جو مہمات عظیمہ میں ہی مامور کیا جاتا تھا۔ اوپر چڑھ آیا۔ اُسے دیکھکر میرے تو ہوش وحواس گم ہو گئے اور میں سمجھا کہ کچھ میری آفت آئی۔ خادم میرے برابر بیٹھ گیا۔ اور اُس نے میرے خط نکالکر دیا۔ مینے کھول کر پڑھا تو اُس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

"سندی کو معلوم ہو کہ یہ خط خاص ہمارے قلم کا نوشتہ اور ہمارے دستِ خاص کی مہر سے مزین ہے۔ اور سلام ابرش اسے لیکر تمہارے پاس آتا ہے۔ تم اس خط کو دیکھتے ہی یحییٰ بن خالد کے گھر کا محاصرہ کر لو۔ اُسے پکڑ کر بیڑی ڈالکر جیل میں پہنچا دو۔ اپنے نائب عبداللہ کو فضل کی گرفتاری کے لئے بھیجدو۔ اور خبر منتشر ہونے سے پہلے اسے بھی جیل میں بھیجدو اس کے بعد اُس کے عزیز واقارب کو بھی گرفتار کر لینا چاہیئے۔ یحییٰ اور فضل زندان خانہ زنادقہ میں قید کئے جاویں۔ سلام تمہارے ساتھ ہے اور خدا مددگار"

ابن بدرون لکھتا ہے کہ جب رشید موضع انبار میں آ کر اُترا۔ تو اُس نے اپنے غلام یاسر کو خلوت میں بلایا۔ کہا یاسر مینے تجھے ایسے اعتباری کام کیلئے بلایا ہے۔ جس کے لئے میں اپنے بیٹوں پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتا۔ تجھے لازم ہے کہ جو اعتبار مجھپر کیا گیا ہے اُسے صحیح ثابت کر

دکھلاؤ۔ یاسر نے کہا اگر حضور مجھے، خودکشی کا بھی حکم دیجئے تو میں فوراً تعمیل کرونگا۔ رشید نے کہا۔ اچھا ابھی جاؤ۔ اور جعفر ابن یحیٰی کا سر کاٹ لاؤ۔ یاسر سُنکر بُت بن گیا۔ رشید نے ڈانٹ کر کہا تجھے کیا ہو گیا؟ کہا حضور نہایت مشکل کام ہے۔ کہا نہیں ابھی جاؤ۔ اور تعمیل کرو۔ یاسر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ جعفر بیٹھا ہوا ہے اور ابوزکار مغنی اُسکے سامنے گا رہا ہے اور حسین وزہرہ جمال کنیزیں ستار بجا رہی ہیں۔ یاسر ذرا پس پردہ ٹھیرا ابوزکار نے گایا

مَا یُرِیْدُ النَّاسُ مِنَّا　　مَا یَنَامُ النَّاسُ عَنَّا

اِنَّمَا ھَمُّھُمْ اَنْ　　یُظْھِرُوْا مَا قَدْ دُفِنَّا

لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں کہ ہماری غیبت نہیں کرتے ہوئے سوتے بھی نہیں۔ بیشک وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دفینوں کو ظاہر کر دیں۔

اسکے بعد اس نے پھر یہ اشعار گائے۔

فلا تبعد فکل فتی سیاتی	اس بات کو کچھ بعید نہ سمجھو کہ ہر ایک شخص پر موت صبح
علیہ الموت یطرق او یغادی	یا شام نازل ہوتی ہے۔
وکل ذخیرۃ لابد یوما	ہر ایک ذخیرہ کیلئے خواہ کیسا ہی بچا کر رکھا ہو ضروری ہے
وان بقیت تصیر الی نفاذ	کہ ایک روز صرف میں آئے۔
ولو فودیت من حدث اللیالی	اگر تجھپر گردش دہر سے کوئی مصیبت آئے تو میں تجھپر اپنا
فدیتک بالطریف و بالتلاد	نیا پرانا اندوختہ فدا کرو ونگا۔

یاسر اس قدر سنکر کمرے کے اندر داخل ہوا۔ جعفر نے اُسے دیکھکر کہا کہ۔ یاسر! میں تمہارے آنیسے خوش ہوا لیکن بلا اجازت اندر آنے سے ناراض بھی ہوں۔ یاسر نے کہا مصیبت اس سے بھی بڑھکر آئی ہے۔ مجھے امیر المومنین کا حکم ہے کہ آپکا سر کاٹ اسی وقت پیش کروں جعفر وزیر خادم کے قدموں پر گر پڑا۔ کہا مجھے اجازت دو۔ کہ میں اندر جاکر وصیّت کر آؤں۔ غلام نے کہا کہ اندر جانے کی تو میں اجازت نہیں دیسکتا البتہ وصیّت آپ کر سکتے ہیں جعفر نے کہا میرے بہت سے احسانات تجھپر ہیں اور اُن کا معاوضہ تم اسی وقت دیسکتے ہو۔ یاسر نے کہا کہ میں ہر ایک خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ مگر امیر المومنین کے حکم کا خلاف نہیں ہو سکتا۔ کہا تم لوٹ کر جاؤ۔ اور کہدو۔ کہ میں قتل کر آیا۔ اگر خلیفہ یہ سنکر پشیمان ہوا۔ تب گویا میری زندگی تیرے طفیل ہوگی۔ یاسر نے کہا میں واپس نہیں جاسکتا۔ جعفر نے کہا اچھا میں تمہارے ساتھ

چلتا ہوں۔ اور پس پردہ ٹھہر جاؤنگا۔ اور اپنے کانوں سے خلیفہ کا کلام سنونگا۔ اگر اُس نے میرے قتل پر مسرت کا اظہار کیا تو تم نے باہر نکل کر قتل کر دینا۔ یاسر نے کہا البتہ یہ ہو سکتا ہے آخر دونوں محل تک گئے۔ رشید نے آہٹ پاکر پوچھا کون۔ کہا یاسر۔ کہا ساتھ کون ہے کہا حضور جعفر ہے اور یہ کہکر ساتھ آیا ہے۔ رشید نے ماں کی گالی دیکر کہا کہ قتل کرنا ہے؟ یا تجھے بھی اس سے پہلے قتل کر دوں۔ یاسر نے باہر آکر جعفر کا سر کاٹ لیا۔ اور سامنے جاکر رشید کے رکھ دیا۔ سر بریدہ کو دیکھکر رشید نہایت مغموم ہوا اور دیر تک ساکت رہا۔ آخر بولا۔ یاسر! فلاں فلاں شخص کو بلاؤ۔ جب وہ آگئے تو حکم دیا کہ یاسر کی گردن اڑا دو۔ مجھسے جعفر کا قاتل دیکھا نہ جائیگا۔

کہتے ہیں جس شب کو جعفر موضع انبار میں قتل کیا گیا ہے اُسکی صبح کو خراسان میں علی بن عیسے گورنر کے محل پر موٹے قلم سے یہ اشتہار لکھے ہوئے دیکھے گئے۔

اِنَّ الْمَسَاکِیْنَ بَنِیْ بَرْمَکٍ   صُبَّ عَلَیْهِمْ غِیَرُ الدَّهْرِ

مسکین برامکہ پر غضب نے جوش کھایا۔ اور زمانہ بدل گیا۔

اِنَّ لَنَا فِیْ اَمْرِهِمْ عِبْرَةً   فَلْیَعْتَبِرْ سَاکِنُ ذَا الْقَصْرِ

ہم کو ان کے حالات سے عبرت کا سبق ملتا ہے اس محل میں رہنے والیکو بھی عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہم نے جو حدیث کے بزرگ ترین حفاظ میں سے ہیں۔ جب جعفر اور برامکہ کا یہ انجام سنا تو اپنا چہرہ قبلہ رُخ کرکے یوں دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ کَانَ قَدْ کَفَانِیْ مَؤُنَۃَ الدُّنْیَا فَاکْفِهٖ مَؤُنَۃَ الْاٰخِرَۃِ۔ الٰہی جعفر میری دنیوی ضروریات کو پورا کرتا تھا تو اُسکی ضروریات آخرت کو پورا کر دے۔

ان کی مصیبت پر جس کثرت کے ساتھ نوحہ و بکا ہوا۔ مرثیہ اور قصیدے لکھے گئے۔ وہ قیاس و وہم سے بالا تر ہیں۔ مرثیہ لکھنے کے جرم میں بیسیوں شاعر قتل و قید ہوئے سینکڑوں وطن سے بیوطن کیئے گئے۔ تاہم نمک خوردہ احسان پروردہ باز نہیں آتے تھے۔ یہ کہنا ذرہ بھی مبالغہ نہیں کہ زندگی میں برامکہ کے سامنے اتنے قصائد پیش نہیں ہوئے تھے جتنے مصیبت کے بعد لکھے گئے

رقاشی شاعر نے پر درد مرثیہ کے آخر میں لکھا۔

اما واللہ لولا خوف واش	خدا کی قسم اگر مخبر کی مخبری اور خلیفہ کی چشم بیدار
اعین للخلیفۃ لاتنام	کا خوف نہ ہوتا۔
لطفنا حول جذعک واستلمنا	تو ہم تیری لاش کے گرد طواف کرتے اور حجر اسود کی
کما للناس بالحجر استلام	طرح تجھکو چوما کرتے۔

محمد بن عنان کہتا ہے کہ میں نے ایک روز عید کے دن اپنی والدہ کے پاس ایک بڑھیا دیکھی جسکی حالت بہت ہی خراب تھی۔ میں نے پوچھا اماجان یہ کون ہے۔ کہا جعفر برمکی کی والدہ میں نے ادب سے سلام کیا۔ پاس بیٹھ گیا۔ پوچھا مائی صاحبہ کوئی بات بتاؤ۔ کہا بیٹا۔ ایک عید تو میں نے ایسی دیکھی کہ چار سو لونڈیاں باندیاں خاص میری خدمت میں دست بستہ حاضر ہیں باایںہمہ میں سمجھتی تھی کہ میرے بیٹے بڑے نالائق ہیں۔ اور ایک آج بھی عید ہے۔ بکرے کی دو کھالیں میرے پاس ہیں ایک کو نیچے بچھا لیتی ہوں۔ اور ایک کو اوڑھ لیتی ہوں۔ میں نے پانچسو درہم اسکو دیئے۔ انہیں لیکر وہ ایسی خوش ہوئی کہ گویا خوشی کے مارے مرجاویگی۔ حالانکہ کبھی کروڑوں کا اسکے سامنے شمار نہ تھا۔

یحییٰ بن خالد برمکی

یحییٰ مہدی کے زمانہ میں ایک معتمد افسر تھا۔ مہدی نے اپنے بیٹے ہارون کی تربیت اسی کے متعلق کردی تھی۔ جب کہ ہارون خلیفہ ہوا۔ تو اس نے یحییٰ کی خدمات کا ان الفاظ میں اعتراف کیا۔ "باواجان آپکے ہی یمن و برکت اور عمدہ تربیت کی طفیل آج میں تخت پر متمکن ہوں۔ میں آپ کو مدارالمہام مقرر کرتا ہوں۔ جسکے ہر طرح سے آپ مستحق اور لائق ہیں" یہ کہکر اپنی خاتم خاص یحییٰ کے ہاتھ میں پہنادی۔ ندیم موصلی کہتا ہے۔

اَلَم تَرَ اَنَّ الشَّمسَ کَانَت سَقِیمَۃً	فَلَمَّا وَلّیٰ ہَارُونُ اَشرَقَ نُورُھَا
بِیُمنِ اَمِینِ اللّٰہِ ہَارُونَ ذِی النَّدیٰ	فَہَارُونُ وَالِیھَا وَیَحییٰ وَزِیرُھَا

ہارون ہمیشہ اسکی تعظیم کیا کرتا۔ اور باواجان کہا کرتا تھا مگر آخر میں اسے قید کردیا۔ اور قید ہی میں یہ بیچارا مرا۔

مسعودی کہتا ہے کہ یحیٰی کے چاروں فرزند اگرچہ اعلیٰ اوصاف میں نہایت نامی ہوئے ہیں۔ تاہم مجموعۃً بھی اپنے باپ کے جداگانہ اوصاف کی برابری نہ کر سکتے تھے۔ نہ فضل میں وہ سخاوت تھی نہ جعفر میں وہ فصاحت۔ نہ محمد میں وہ بر ترین ہمت۔ اور نہ موسیٰ میں وہ تہور و شجاعت۔

یحیٰی کا قول ہے کہ تین چیزوں سے اسکے بھیجنے والے کی عقل و دانائی کا اندازہ ہو سکتا (۱) خط (۲) تحفہ (۳) قاصد۔

ندیم موصلی کہتا ہے کہ میرے والد نے مجھے سنایا کہ مینے ایک دفعہ یحیٰی برمکی سے اپنی تنگدستی کا ذکر کیا۔ وہ بولا۔ افسوس ہے۔ کہ میں اسوقت کچھ امداد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے پاس بھی کچھ نہیں۔ ہاں ایک حیلہ بتاتا ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔ کہ گورنر مصر کا نائب میرے پاس آیا تھا۔ اور بڑی زور اور التجا سے مجھے کوئی ہدیہ قبول کر لینے کیلئے کہتا تھا۔ اب میں اسے کہدونگا کہ تمہارے پاس جو لونڈی تین ہزار دینار کی خرید ہے وہ مجھکو پسند آ گئی ہے۔ لامحالہ وہ تمہارے پاس پہنچیگا۔ اور لونڈی کو خریدنا چاہیگا۔ تم تیس ہزار دینار سے کم پر راضی نہ ہونا۔ میں اپنے گھر چلا آیا۔ اور چند گھنٹے کے بعد ایک شخص کنیزک کی خریداری کیلئے پہنچا۔ میں تیس ہزار سے نیچے نہ اُترتا تھا۔ اور وہ پانچ سے شروع ہو کر رقم کو آہستہ آہستہ بڑھاتا جاتا تھا۔ جب بیس ہزار تک نوبت پہنچی تو میں صبر نہ کر سکا۔ اور لونڈی کو اُسکے ہمراہ کر دیا۔ میں اس معاملہ کے بعد یحیٰی کی خدمت میں گیا۔ اُس نے مجھ سے حال پوچھا۔ مینے کہا کہ بیس ہزار دینار سے زیادہ میں صبر نہ کر سکا۔ اُس نے کہا افسوس۔ خیر تم اپنی لونڈی کو اپنے گھر لیجاؤ۔ خدا تمہیں برکت دے میرے پاس شاہ فارس کا معتمد آئیگا۔ اور میں اُسے بھی اسی کنیزک کا ہدیہ قبول کرنیکو کہونگا بس تم اس کے سامنے پچاس ہزار دینار سے کم نہ اُترنا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آیا اور کنیزک کی خریداری کا سوال کیا۔ میں پچاس ہزار سے کم نہ اُترتا تھا۔ لیکن گفتگو ہوتے ہوتے جب خریدار تیس ہزار پر پہونچا۔ تو میرا دل نہ رہ سکا۔ مینے کنیزک کو اُسکے ہاتھ بیچ دیا۔ جب میں یحیٰی کے پاس پہنچا اور اُسے یہ حال سنایا۔ تو اُس نے کہا کہ ایک دفعہ کے بعد بھی تم کو عقل نہ آئی خیر اپنی کنیزک کو لیجاؤ۔ مینے کنیزک سے کہا۔ کہ تیری طفیل پچاس ہزار دینار پا کر اب تجھے میں لونڈی نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ تجھے آزاد کرتا ہوں۔ اور اپنی زوجہ بناتا ہوں۔

اصمعی کہتے ہیں کہ میں ایک روز یحیٰی کے پاس گیا۔ پوچھا اصمعی تیری بیوی بھی ہے

یحییٰ نے کہا نہیں۔ کہا کنیز کی بھی ہے میں نے کہا نہیں۔ ایک خادمہ ہے۔ یہ سُن کر ایک نہائت ہی حسین وظریف لونڈی کو طلب کیا۔ اور مجھے بخش دیا۔ میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ مگر لونڈی سٹ پٹائی۔ کہا حضور مجھے ایسے کریہہ المنظر بدرو شخص کو دیتے ہیں میرے حال پر رحم کریں یحییٰ نے مجھے کہا کہ اگر تم کو اسکے عوض دو ہزار دینار دیئے جائیں تو تم خوش ہو سکتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ لونڈی سے کہا اچھا۔ اندر جاؤ۔ پس مجھے مخاطب کرکے کہا۔ کہ میں اسکی ایک حرکت سے ناراض ہو گیا تھا۔ اور اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ مگر اسکی گریہ وزاری پر رحم آگیا۔ اور اسے معاف کر دیا۔ میں نے کہا کہ اگر حضور مجھے پہلے سے بتا دیتے۔ تو میں کپڑے بدلکر۔ بالوں میں کنگھی اور خوشبو لگا کر اُسکے سامنے ہوتا۔ تاکہ وہ مجھ سے نفرت نہ کرتی۔ یحییٰ اسپر ہنس پڑا۔ اور مجھے ایک ہزار دینار اور عنائت فرمایا۔

اسحٰق ندیم کہتا ہے کہ یحییٰ کا قاعدہ یہ تھا کہ جب گھر سے سوار ہو کر خلیفہ کی خدمت میں جایا کرتا تو جو شخص اُسے پہلے مل جاتا۔ اُسے دو سو روپیہ انعام دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اُسے ادیب شاعر مل گیا اور اُس نے یہ اشعار پڑھ کر سنائے۔

یَا سَمِیَّ الحَصُورِ یَحْیٰی اُتِیحَتْ	لَکَ مِنْ فَضْلِ رَبِّنَا جَنَّتَانِ
کُلُّ مَنْ مَرَّ فِی الطَّرِیْقِ عَلَیْکُمْ	فَلَہٗ مِنْ نَوَالِکُمْ مِائَتَانِ
مِائَتَا دِرْھَمٍ لِمِثْلِیْ قَلِیْلٌ	ھِیَ مِنْکُمْ لِلْقَابِسِ الْعَجْلَانِ

"اے یحییٰ نبی حصور علیہ السّلام کے ہمنام (خوف خدا کیوجہ سے) خدا نے تیرے لئے جنتان کو تحیۃ بنا رکھا ہے۔ تمہارا طریق ہے کہ سامنے آجانیوالے شخص کو دو سو روپیہ دیا کرتے ہو مگر یہ تو شتاب رو دریوزہ گر کا عطیہ ہے اور میرے لئے ناکافی"

یحییٰ نے کہا سچ کہتے ہو۔ تم میرے مکان پر چلو۔ جب لوٹ کر یحییٰ مکان پر پہنچا تو اُس سے حال دریافت کیا۔ کہا میں نے شادی کی ہے۔ اور تین میں سے ایک بات کیلئے مجھے سردست فکر ہے۔ یا چار ہزار روپیہ مہر کا ادا کروں۔ یا اُسکی خدمت کیلئے تا ادائے مہر ایک لونڈی چھوڑ دوں۔ یا طلاق دوں۔ یحییٰ نے اُسے چار ہزار روپیہ مہر کیلئے۔ چار ہزار مکان کے لئے۔ اور چار ہزار ضروری اسباب کیلئے اور چار ہزار مصارف متفرقہ کے لئے اور چار ہزار روپیہ لونڈی غلام کی خریداری کیلئے (کل بیس ہزار) عنائت کئے۔

محمد بن مناذر شاعر کہتا ہے۔ کہ ہارون رشید معہ اپنے دو شہزادوں امین اور مامون کے

حج کیلئے گیا۔ یحییٰ بھی معہ اپنے دو فرزندوں فضل اور جعفر کے ہمراہ تھا۔ پہلے تو ہارون نے معہ یحییٰ کے لوگوں کو عطیات دیئے۔ پھر امین نے معہ فضل کے لوگوں کو انعام سے مالامال کیا۔ حتیٰ کہ عرب میں اس سال کا نام ہی عام العطیۃ الثلاثۃ ہو گیا۔ مینے اسپر چند اشعار لکھے ہیں ؎

اتانا بنو الاملاک من آل برمک	سرزمین برمک میں سے چند شاہزادے یہاں پہنچے جنکی شہرت بھی پاکیزہ ہے اور چہرہ بھی خوشنما۔
فیا طیب اخبار و یا حسن منظر	
فظلم بغداد و تجلو لنا الدجی	بغداد میں اندھیرا پڑ گیا۔ اور یہاں کی تاریکی اٹھ گئی جبکہ مکہ میں حج کیلئے تین چاند آگئے۔
بمکۃ ما حجوا ثلاثۃ اقمر	
اذا نزلوا بطحاء مکۃ اشرقت	جب وہ اترے تو مکہ کی تمام پہاڑیاں یحییٰ اور فضل اور جعفر کے نور سے روشن ہو گئیں۔
بیحیی و بالفضل بن یحیی و جعفر	

خطیب نے اپنی تاریخ میں واقدی نامی شخص کا قصہ درج کیا ہے۔ کہ میں ایک لاکھ روپیہ کے ساتھ بنج بیوپار کیا کرتا تھا۔ یکبارگی خسارہ آنے سے میرا دیوالہ نکل گیا۔ میں مدینہ منورہ سے بغداد پہنچا۔ اور چند روز کی آمد و رفت سے یحییٰ کے خدام و نواب سے رل مل گیا۔ انہوں نے مجھے بتلایا۔ کہ جب دستر خوان بچھتا ہے تو کسی آدمی کیلئے اسوقت روک نہیں رہتی۔ تم اسی وقت جانا۔ چنانچہ میں دستر خوان پر ہی پہنچا۔ یحییٰ نے میرا حال دریافت کیا۔ اور مینے سب کچھ سنا دیا۔ وہ سنکر خاموش رہا۔ کھانا کھانیکے بعد میں آگے بڑھا۔ کہ اسکے سر پر بوسہ دوں مگر مجھے روک دیا۔ جب میں وہاں سے باہر نکلا تو سوار ہونے سے پہلے ہزار دینار کی تھیلی لیکر خادم میرے پاس آیا۔ کہا وزیر نے سلام کے بعد کہا ہے کہ اس سے تم اپنی ضروریات کو پورا کرو۔ اور کل کو پھر آؤ۔ اگلے روز پھر میری حالت دریافت کی۔ کھانا کھانے کے بعد جب میں اسکے سر پر بوسہ دینے کو بڑھا تو مجھے روکدیا۔ جب میں وہاں سے نکلکر سوار ہونے لگا تو ہزار دینار کی تھیلی لیکر خادم آیا۔ اور کہا وزیر نے کہا ہے کہ کل کو پھر تشریف لائیں۔ غرض تیسرے روز بھی مجھے ایک ہزار دینار ملے اور چوتھے روز بھی۔ تب مجھے سر پر بوسہ دینے کی بھی اجازت عطا فرمائی۔ پھر کہا کہ مینے تین روز تک تم کو اس لئے ہٹایا تھا کہ میری جانب سے کوئی ایسا سلوک نہ ہوا تھا۔ اب چونکہ تھوڑا بہت تمہارے پاس پہنچ گیا ہے۔ اس لئے مینے اجازت دیدی ہے۔ اے غلام فلاں گھر رہنے کیلئے اور فلاں فرش بچھانے کیلئے ان کو دیدو۔ نیز دو لاکھ درہم بھی۔ تاکہ ایک لاکھ کا قرض ادا کرکے ایک لاکھ سے پھر اپنی حالت کو درست

بنالیں۔ ایک روز ابو قابوس حمیری یحییٰ کے پاس آیا۔ اور یہ شعر پڑھ کر سنائے۔

رَأَیْتُ یَحْیٰی أَتَمَّ اللّٰہُ نِعْمَتَہٗ
عَلَیْہِ یَأْتِی الَّذِیْ لَمْ یُؤْتِہٖ أَحَدٌ
یَنْسَی الَّذِیْ مِنْ مَعْرُوْفِہٖ أَبَدًا
إِلَی الرِّجَالِ وَلَا یَنْسَی الَّذِیْ یَعِدُ

میں نے یحییٰ کو دیکھا کہ خدا نے اُس پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور اُسے وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو نہیں دیا۔ (اس میں حضرت سلیمانؑ کی دعا کیطرف تلمیح ہے) اپنے کئے ہوئے احسانات کو تو بھول جاتا ہے مگر اپنے وعدہ کو کبھی نہیں بھولتا

یحییٰ نے سنکر جو کچھ اُس نے مانگا وہی دیا۔

حسن بن سہل کہتا ہے کہ یحییٰ کے کاتب نے اپنے فرزند کے غسل ختنہ کا جلسہ کیا۔ تمام عہدہ داروں افسروں، عمائد و ارکین نے اُس کے پاس قیمتی تحائف بھیجے۔ اس کا ایک دوست تنگدست تھا اُس نے ایک تھیلی میں نمک اور دوسری میں خوشبودار ابٹنا ڈالا۔ اور رقعہ کے ساتھ بھیجدیا۔ یحییٰ جب اُسکے مکان پر دعوت کھانے گیا تو کاتب نے تمام تحائف اُسے دکھلائے یحییٰ نے وہ تھیلیاں دیکھ کر کہا۔ کہ اُسے دینار کے ساتھ بھر کر واپس کرنا چاہیئے ان میں چار ہزار دینار آئے اور وہ اس پر جوش دوست کے پاس بھیجدیئے گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے اُسے کہا کہ آپ احنف بن قیس سے بھی بردبار ہیں۔ یحییٰ نے کہا کہ جس وصف کا میں مستحق نہیں اُسے سُنکر کبھی متکلم کا قرب نہیں بڑھ سکتا۔ اس کا مقولہ تھا کہ جب دنیا تیری طرف متوجہ ہو تب بھی خرچ کر کیونکہ وہ کم نہ ہو گی۔ اور جب دنیا تم سے منہ پھیر لے تب بھی خرچ کر۔ کیونکہ اب وہ تیرے پاس نہ ٹھیرے گی۔

کہا کرتا تھا۔ کہ منعم اگر اپنے احسان کو یاد دلائے تو کدورت کا باعث ہے لیکن اگر منعم علیہ اُسے فراموش کرے۔ تو صریح کفر و تقصیر ہے

ایک دفعہ اسحٰق موصلی نے اپنے خدام کو پکارا۔ کوئی نہ بولا۔ کہا یحییٰ برمکی سچ کہتا تھا۔ کہ بردبار کی بردباری کا ثبوت یہ ہے کہ اُسکے خدام گستاخ ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ ہارون رشید جا رہا تھا۔ یحییٰ ہمرکاب تھا۔ کسی نے کہا کہ اے امیرالمومنین میرا گھوڑا مر گیا۔ ہارون نے کہا اسے پانچسو درہم دلا دو۔ یحییٰ کے چہرہ پر یہ حکم سُنکر ایک تغیر معلوم ہوا۔ جسے ہارون بھی پہچان گیا۔ محل میں جاکر یحییٰ سے اُس تغیر رنگ کی وجہ پوچھی کہا حضور کی زبان سے پانچ سو درہم کا نکلنا تعجب اور حقارت کا موجب ہے تمہاری زبان سے پانچ کروڑ دس کروڑ نکلنا چاہیئے۔ ہارون نے کہا کہ جب ایسا سوال کوئی شخص کرے۔ جیسا

آج گھوڑے والے نے کیا تھا تب کیا کروں، کہا کہہ دیا کرو کہ گھوڑا دلا دو۔ غرض اس شخص کی سخاوت اور عطیہ کی حکایات جو ہمارے اس زمانہ میں داستان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں بہت ہیں قید کے متعلق جعفر کے حال میں لکھا جا چکا ہے۔ اسی حالت میں ہی مرگ مفاجات سے وفات پائی۔ مرنے کے بعد اسکی جیب سے ایک پرچہ نکلا۔ جو ہارون رشید کے پاس پہنچایا گیا۔ جس پر لکھا ہوا تھا۔ کہ مدعی عدالت میں حاضر ہوتا ہے اور مدعا علیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہے۔ حاکم نہایت عادل و منصف ہے اور اسے شہادت یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔ ہارون رشید پڑھ کر تمام دن روتا رہا۔ اور چند روز تک اس کے چہرہ پر رنج و غم نمایاں تھا۔ کہا اگر مجھے برامکہ کی صفائی نیت کا یقین ہو جاتا۔ تو میں ان کی پہلی شان و شوکت پر ان کو بحال کر دیتا زمخشری کہتا ہے۔ کہ مرنے کے بعد یحیی کے بستر کے نیچے ایک کاغذ ملا جس پر یہ اشعار درج تھے۔

وَحَقُّ اللّٰهِ اِنَّ الظُّلْمَ لُؤمٌ ۔ وَاِنَّ الظُّلْمَ مُرْتَعَةٌ وَخِيْمٌ

اِلٰی دَیَّانِ یَوْمِ الدِّیْنِ نَمْضِیْ ۔ وَعِنْدَ اللّٰهِ تَجْتَمِعُ الْخُصُوْمُ

ناظرین یحییٰ کے حال سے عبرت پکڑو۔ اور خیال کرو۔ کہ وہ اسلامی شوکت کہ ایک اسلامی سلطنت کا وزیر لاکھوں روپے کے عطیات متواتر اور مسلسل دیا کرتا تھا۔ کدھر گئی۔ برامکہ کے احسان پروردہ اسکی نعمتوں کو یاد کر کے روتے ہونگے۔ اور ہم محسن اور محسن الیہ کو یاد کر کے حسرت کرتے ہیں خداوند کریم اہل اسلام پر رحمت فرمائے اور اس نکبت و ادبار قومی سے جو روز بروز ترقی پذیر ہے ہمکو نجات بخشے۔

یحییٰ بن ہبیرہ وزیر

یحییٰ بن ہبیرہ نام۔ عون الدین لقب عراق کے ایک گاؤں میں سپاہی کے گھر پیدا ہوا صغرسنی میں ہی بغداد میں باپ کے پاس آ رہا۔ اور علم کی تحصیل میں سرگرمی کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ فقہاء اور ادباء کی خدمت میں بیٹھتا رہا۔ نحو اور ایام العرب اور تاریخ۔ علم قرأت اور حدیث و ادب میں عمدہ دستگاہ رکھتا تھا۔ مسلم بلیغ و فصیح اساتذہ کے اشعار و فقرات ازبر تھے۔ ادب ابو منصور جوالیقی۔ اور حدیث پاک اجیانی و ہبۃ اللہ کاتب اور حسین بن محمد قراء سے حاصل کی

تھی اسکی فضیلت کا اندازہ کرنے کیلئے یہی خیال کرو کہ ابن جوزی نے ان سے روایت کی ہے۔

ابن ہبیرہ نے اپنی ملازمت اور ترقی کے متعلق عجیب قصہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نہایت تنگدست ہو گیا۔ مینے سنا ہوا تھا کہ معروف کرخی کی قبر پر دعا قبول ہوتی ہے۔ میں گیا اور دعا کر کے واپس آتا تھا۔ کہ ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد مجھے مل گئی۔ مینے دل میں کہا۔ کہ یہاں دوگانہ بھی پڑھ چلوں۔ وہاں گیا تو دیکھا کہ ایک فقیر حالت نزع میں ہے۔ مینے کہا کہ اگر کسی چیز کو دل چاہتا ہو تو بتلاؤ۔ کہا خربوزہ کو دل چاہتا ہے۔ میں بازار گیا۔ اور خربوزہ خرید کر لے آیا۔ فقیر نے کھایا اور بہت خوش ہوا۔ پھر گھسٹتا ہوا مسجد کے ایک گوشہ میں پہنچا اور اسے کھود کر ایک برتن نکالا۔ جس میں پانچ سو دینار تھے۔ مجھے دیکھکر کہا کہ اس کا مستحق تو ہی ہے۔ مینے پوچھا کہ تیرا کوئی وارث نہیں۔ کہا ایک بھائی تھا۔ لیکن برسوں سے اسکا کچھ پتہ نہیں۔ مینے ایک دفعہ سنا تھا۔ کہ وہ مر گیا۔ میں رصافہ کا باشندہ ہوں۔ وہاں سے جدا ہونے کے بعد مینے بھائی کو نہیں دیکھا۔

ابن ہبیرہ کہتا ہے کہ مینے روپے لے لئے۔ اور وہ میرے کھڑے کھڑے ہی جان بحق ہو گیا میں نے تجہیز تکفین کرائی۔ اور فارغ ہو کر دجلہ سے پرلے کنارہ جانے کیلئے گھاٹ پر پہنچا۔ ایک شکستہ حال ملاح نے مجھے کہا کہ میرے ساتھ چلئے میں اسی کی کشتی میں بیٹھ گیا۔ مینے پوچھا تم کہاں سے ہو۔ کہا رصافہ سے۔ لڑکپن میں ہی یہاں آیا تھا۔ اور یہیں آکر ہوش سنبھالا ہے۔ مینے پوچھا تیرا کوئی رشتہ دار نہیں۔ بولا نہیں ایک بھائی تھا مگر سالہا سال سے اس کا کچھ پتہ نہیں۔ مینے کہا اپنا دامن پھیلاؤ۔ اس نے دامن پھیلا دیا۔ اور مینے پانچ سو دینار اسکے پلہ میں ڈال دیئے۔ وہ ششدر رہ گیا۔ پوچھا یہ کیسے۔ مینے تمام قصہ اسے سنا دیا ملاح نے کہا نصف تم لیلو۔ مینے انکار کر دیا۔ وہاں سے آکر مینے امیدواری کی عرضی پیش کی پیش ہوتے ہی خزانچی مقرر کیا گیا۔ حتی کہ آہستہ آہستہ ترقی پاتا ہوا وزارت تک پہنچ گیا ہوں۔

ابن ہبیرہ کے وزیر بنائے جانے کے متعلق اسکی سوانحعمری لکھنے والے نے یہ تحریر کیا ہے کہ بغداد میں سلطان محمود سلجوقی کی طرف سے بطور نیابت مسعود خادم رہا کرتا تھا۔ (اسوقت خلیفہ بغداد کی وہی حالت تھی) جو شاہ عالم کی دہلی میں جو سندھیا اور آنریبل کمپنی کو اپنے وزیر کہا کرتا تھا۔ مسعود خادم کے گستاخانہ طریق اور شوخانہ انداز اور اندرونی سازشانہ کاروائیوں کے

متعلق خلیفہ کی جانب سے چند مراسلے سلطان کو لکھے گئے۔ مگر ادھر سے کچھ جواب نہ آیا۔ مراسلات کا کاتب وزیر قوام الدین ابوالقاسم تھا۔

ایک دفعہ ابن ہبیرہ نے مراسلہ کا مسودہ تیار کیا۔ اور اس میں سلطان کے آباد اجداد کی حسن طاعت اور تادب اور تعظیم خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے مراسلات کا جواب نہ دینے اور مسعود کی ناقابل برداشت حرکات کی ترقی پذیر ہونیکا ذکر کیا۔ اس مراسلہ کا جواب بہت جلد آیا۔ جس میں سلطان نے مؤدبانہ الفاظ میں عذر و معانی کا اظہار کر کے لکھا تھا کہ مسعود کی کارروائیوں کا مجھے علم نہیں تھا۔ اور اب اُسے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔

خلیفہ متقی باللہ کو اس جواب سے نہایت مسرت ہوئی اور اُس روز سے ابن ہبیرہ کی قدر و قعت اس کے دل میں زیادہ ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ فرمان خاص اُسکی وزارت کیلئے صادر ہوا۔ ابن ہبیرہ نے اس خبر کو افواہاً سُنا۔ اور تصدیق کیلئے ایوان کیجانب خود روانہ ہوا۔ وہاں پہنچکر نہ صرف خبر کی ہی تصدیق ہوئی بلکہ خلیفہ نے باضابطہ تخت پر جلوس آور ہوکر اُسے طلب کیا اور چند ساعت تک کچھ خفیہ گفتگو کرنے کے بعد رخصت کیا۔ ایوان شاہی کے دروازہ پر وہ تمام جلوس شاندار جو وزیر اعظم کے تقرر پر مرتب ہواکرتا ہے موجود تھا۔ سواری کیلئے مشکی گھوڑا جس کے چاروں پاؤں اور چہرا سفید تھا۔ سونے کے زیورات سے آراستہ موجود تھا۔ اعیان دولت اور امراء حضرات آگے آگے اور دیگر تمام عہدہ دار ملکی و مالی پیچھے پیچھے تھے۔ نقارہ و علم پیش پیش تھا۔ اس جلوس کے ساتھ مسند وزارت پر متمکن کیا گیا۔ اور فرمان تقرر سدید الدملہ عبدالکریم آنباری نے پڑھ کر سنایا۔

ابن ہبیرہ عالم و فاضل تھا۔ رائے صائب اور سیرت صالح رکھتا تھا۔ اپنے عہد وزارت میں ایسی عمدگی اور خوبی کے ساتھ کاروبار چلایا۔ کہ بالعموم عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اہل علم کی نہائت تکریم کیا کرتا۔ اور اپنی مجلس کو اہل فضل و کمال سے آراستہ رکھتا۔ اسکی حضوری افادہ اور استفادہ سے خالی نہ ہوتی تھی۔ دفتر کے کاروبار سے فرصت ہوتی تو تصنیف بھی کیا کرتا۔ کتاب الافصاح عن شرح معانی الصحاح نو جلد کی کتاب ہے جس میں صحیحین کی متفقہ احادیث کی شرح لکھی ہے۔ کتاب مقتصد جسکی شرح ابن خشاب نے چار جلد میں لکھی ہے۔ کتاب العبادات فقہ حنبلیہ پر۔ ایک رسالہ علم الخط پر۔ ایک رسالہ مقصور و ممدود پر لکھا۔ نیز ابن سکیت کی کتاب المنطق کو مختصر کیا۔

ایک دفعہ اس وزیر کے پاس کسی نے بلور کی دوات جو مرجان سے مرصع تھی تحفۃً بھیجی چند شعراء بھی حاضر تھے۔ ابن ہبیرہ نے کہا کچھ اسپر لکھو۔ ایک شاعر نے جو نابینا بھی تھا۔ یہ قطعہ پڑھا سہ

أَلِینَ لِدَاوُدَ الْحَدِیدُ کَرَامَۃً　　یُقَدِّرُہُ فِی السَّرْدِ کَیْفَ یُرِیدُ
وَلَانَ لَکَ الْبَلُّوْرُ وَھُوَ حِجَارَۃٌ　　وَمُعْطِفُہُ صَعْبُ الْمَرَامِ شَدِیدُ

یعنی حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ اور تمہارے ہاتھ میں بلور جو پتھر ہے نرم ہو گیا ہے پتھر کا نرم کرنا مشکل امر تھا۔

حیص بیص مشہور شاعر بھی موجود تھا۔ وہ بولا۔ کہ دوات کے کاریگر کی تعریف تو اس قطعہ سے ضرور نکلتی ہے۔ مگر دوات کی تعریف کچھ نہیں۔ وزیر نے کہا۔ اچھا تم کہو۔ وہ بولا۔

صُنِعَتْ مِنْ یَوْمَیْکَ فَاشْتَبَہَا　　عَلَی الْاَنَامِ بِبَلُّوْرٍ وَمَرْجَانِ
فَیَوْمُ سِلْمِکَ مُبْیَضٌّ بِفَیْضِ نَدًی　　وَیَوْمُ حَرْبِکَ قَانٍ بِالدَّمِ الْقَانِی

یہ دوات تیرے دو دنوں کے مجموعہ سے بنائی گئی ہے اس لئے سب کو بلور اور مرجان کے مشابہ نظر آتی ہے۔ تیری صلح کا دن تو (سیم پاشی کیوجہ سے) سفید ہے اور یوم جنگ خونریزی کیوجہ سے سرخ۔

اس نیک فاضل وزیر کا انتقال ماہ ربیع الثانی ۵۵۵ھ ہجری کو ہوا۔ اور بغداد کے مقبرہ جامع منصور میں دفن کیا گیا۔

شیخ ابو الفرج اپنی تاریخ منتظم میں لکھتا ہے کہ ابن ہبیرہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے شہادت کا سوال کیا کرتا تھا۔ مرنے سے ایک شب پہلے تک بالکل صحیح سالم تھا۔ رات کو آرام سے سویا۔ صبح کیوقت ایک قے آئی۔ اپنے مشیر طبی کو بلایا۔ اُس نے دوا میں زہر ملا کر پلا دی جسکے اثر سے مرحوم مر گیا۔

یہی مؤرخ لکھتا ہے کہ جس رات کی صبح کو مرحوم مرا ہے۔ مینے خواب میں دیکھا کہ میں مرحوم کے گھر میں اُس کے سامنے موجود ہوں۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ اور اُس نے چھوٹے سے حربہ سے وزیر کو زخمی کیا۔ زخم سے فوارہ کیطرح خون نکلا اور دیوار پر جا کر گرا۔ مینے چاہا کہ وزیر کو سنبھالوں کیا دیکھتا ہوں، کہ ایک قیمتی انگشتری گری پڑی ہے۔ مینے اُٹھا لی اور انتظار میں رہا کہ کسی کو دوں۔ ایک خادم آگیا۔ اُس کے حوالہ کر دی صبح اٹھکر میں یہ خواب ایک دوست

کے سامنے بیان کر رہا تھا۔ کہ اتنے میں ایک آدمی نے آکر اطلاع دی۔ کہ وزیر مرگیا۔ میں مرحوم کے مکان پر گیا۔ اُن کے فرزند نے مجھے غسل دینے کو کہا۔ جب مینے بغل تک پانی پہنچانے کیلئے ہاتھ اُٹھایا۔ تو مرحوم کے ہاتھ سے انگشتری گر گئی۔ مجھے اپنے خواب اور واقعہ کی اشد مطابقت سے نہایت حیرت ہوئی۔

یہی مؤرخ لکھتا ہے کہ مرحوم کے ماتم میں تمام بازار بند ہو گئے۔ تھے اور خلیفہ سے لیکر ہر ادنے شخص کو اس صالح مرد کے انتقال کا افسوس تھا۔

ناظرین اس وزیر کے حالات سے مختصر طور پر دیانت وامانت کا قیمتی سبق حاصل کریں اور زباندانی وانشاء نگاری کو عزت وتوقیر حاصل کرنیکا مجرب نسخہ تصور فرماویں۔ رویائے صادقہ کا فطرت انسانی کے بہت سے مخفی رازوں میں سے ایک راز ہونا بھی اس سیرت سے واضح ہوتا ہے۔

معن بن زائدہ شیبانی

حاتم طائی کے بعد یہ دوسرا شخص ہے۔ جو عرب بلکہ اسلام میں جود وکرم کیلئے ضرب المثل ہوا اس کو حاتم کے ساتھ نہ صرف سخاوت میں ہی تشبیہ ہے۔ بلکہ شجاعت ومردانگی۔ طاقت و فرزانگی۔ فصاحت وبلاغت اور شاعری میں بھی۔ لیکن حاتم کیطرح ان جملہ اوصاف کمال پر سخاوت ہی غالب رہی اور اسی کے ساتھ زیادہ تر اس کو شہرت ہوئی۔

معن جو اپنے قبیلہ کا سردار بھی تھا۔ شروع شروع میں یزید بن عمر فزاری امیر عراقین کا مصاحب تھا۔ منصور عباسی کی نبرد آزمائی میں معن نے یزید کا پورا پورا ساتھ دیا لیکن جب یزید کو فریب آمیز صلح کے بعد قتل کر دیا گیا۔ تو معن خوفزدہ ہو کر مخفی ہو گیا۔ منصور نے اسکی گرفتاری کے اشتہار جاری کر دیئے۔ اور انعام بھی مقرر کیا۔ معن کا بیان ہے کہ میں اپنی جان کے خوف سے ادہر ادہر مارا پھرتا تھا۔ دھوپ میں چلنے سے رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ اور بدن روزانہ تکا پو سے سوکھ گیا۔ ایک روز میں بغداد میں بھکر رات کو نکلا۔ دروازہ شہر سے نکلتے ہی مینے دیکھا کہ ایک سپاہی بھی آتا ہے جب ہم شہر سے کچھ فاصلہ پر پہنچے تو اس حبشی

مسلح سپاہی نے میرے اونٹ کی مہار آپکڑی۔ اونٹ کو بٹھلا کر مجھے بازو سے پکڑ لیا۔ میں نے پوچھا تو کون ہے اور مجھے کیوں پکڑتا ہے۔ کہا تو اشتہاری ہے۔ اور امیر المؤمنین تیری تلاش میں ہیں میں نے کہا توبہ کرو۔ مجھ سے امیر المؤمنین کی کیا غرض ہو سکتی ہے۔ اُس نے کہا تو معن بن زائدہ ہے۔ میں نے کہا کجا معن اور کجا میں بیچارہ غریب۔ سپاہی بولا خیر آپکی کچھ ضرورت نہیں۔ میں آپکو آپ سے بھی بڑھکر جانتا ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ اب رہائی محال ہے۔ تو میں نے کہا مجھے گرفتار کر لینے سے تمہیں انعام مشتہرہ کی توقع ہو سکتی ہے۔ لیکن میں تم کو ایسی چیز دے سکتا ہوں۔ جو زرِ انعام سے کئی چند زیادہ قیمتی ہو۔ اس صورت میں مجھے گرفتار کرنے پر ہی اصرار کرنا۔ اور بلا وجہ میرے خون کا دشمن بننا کیا فائدہ۔ وہ بولا بہتر میں نے جیب سے جواہرات کا کنٹھہ نکالا۔ اور اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ سپاہی نے دیکھکر کہا کہ واقعی یہ بہت قیمتی اور عمدہ ہے۔ مگر میں اسے تب لے سکتا ہوں۔ جب میری ایک بات کا صحیح صحیح جواب تم دو گے۔ میں نے کہا پوچھو۔ کہا تمہارے جود و کرم کی دنیا بھر میں بہت بڑی شہرت ہو رہی ہے۔ سچ بتلانا کہ کبھی تم نے اپنا تمام سرمایہ بھی سائلین کو دیا ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ کہا نصف۔ تہائی۔ چوتھائی۔ پانچواں چھٹا حصہ؟ میں ہر دفعہ نہیں کہتا رہا سپاہی دسویں حصہ تک پہنچا۔ اُس وقت مجھے نہیں کہتے شرم آئی۔ میں نے کہا ہاں دیا ہے۔ سپاہی نے کہا دسواں حصہ دیدینا کچھ چیز نہیں۔ اور نہ چنداں قابل تعریف۔ کہ اسکی سخاوت کی دھوم پڑ جائے۔ دیکھو میں ایک پیدل سپاہی ہوں۔ اور بیس درہم ماہوار سے میری آمدنی زیادہ نہیں۔ مگر میں اس قیمتی گلوبند کو واپس کرتا اور تمہیں چھوڑتا ہوں۔ تم کو تمہاری سخاوت کیوجہ سے چھوڑتا ہوں۔ اور اس گلوبند کو اپنی عالی ظرفی سے واپس کرتا ہوں۔ تاکہ تم یاد رکھو کہ دنیا میں تم سے بڑھ کر سخی موجود ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ تم اپنی سخاوتوں پر مغرور نہ ہو گے اور بڑی بڑی رقموں کا دینا تم کو ناگوار نہ ہوا کریگا۔ یہ کہکر گلوبند پھینک دیا۔ اور مجھے چھوڑ کر واپس چل دیا۔

میں نے کہا سپاہی تم نے تو مجھے خوب ہی ذلیل کیا۔ اس سے تو مر جانا زیادہ آسان تھا۔ اب آپ مہربانی کر کے یہ گلوبند جسکی مجھے کچھ بھی ضرورت نہیں ضرور لیتے جائیں۔ یہ سنکر سپاہی ہنس پڑا۔ کہا خوب اب آپ چاہتے ہیں کہ مجھے جھوٹا بھی بنائیں۔ بخدا میں اسے نہ لونگا اور اپنے احسان کو قیمت پذیر نہ کرونگا۔ یہ کہکر چلا گیا۔ معن کہتا ہے کہ میں نے اسکے بعد اسکی بہت ہی تلاش کرائی مگر کچھ بھی پتہ نہ لگا۔

معن کچھ عرصہ تک پوشیدہ گردن کاٹتا رہا۔ ہاشمیہ کی لڑائی میں منصور کا لشکر اہل خراسان کے سامنے سے بھاگ رہا تھا۔ اور شکست فاش کی منحوس صورت منصور کو نظر آ رہی تھی۔ کہ میدان میں یکایک معن پہنچ گیا۔ اور اس نے اپنے گروہ کو لیکر اس جوانمردی اور بہادری کے ساتھ دشمن پر حملہ کیا کہ اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور منصور درحقیقت منصور ہو گیا۔ فتح کے بعد منصور نے دریافت کیا کہ ہماری بروقت مدد پر پہنچ جانیوالا یہ کون شخص ہے۔ معن نے اپنی وضع بدل رکھی تھی۔ جب خود منصور نے اُس سے سوال کیا۔ تو چہرہ کھول دیا۔ اور کہا کہ میں حضور کا مجرم معن بن زائدہ ہوں۔ منصور نہایت خوش ہوا۔ اور اُسے اپنا مصاحب بنا لیا۔ معن کی سخاوت کی داستانیں عجیب و غریب ہیں

کہتے ہیں کہ ایک دن اُس نے تین لاکھ روپیہ تقسیم کئے تھے۔ سخن پروری و علما نوازی میں ممتاز تھا۔ اور ہزاروں سے کم صلہ نہ دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کسی اعرابی نے آکر دو شعر اس مضمون کے پڑھے کہ کنبہ زیادہ ہے اور آمدنی کم۔ گھر والوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اُنکی آنکھیں میری واپسی پر لگی ہوئی ہونگی۔ معن نے اپنی سواری خاصہ کی ناقہ اور ہزار دینار عطا کر دیئے۔ آخر عمر میں گورنر سجستان ہو گیا تھا۔ وہاں اپنے لئے محل تعمیر کرا رہا تھا کہ مزدوروں میں سے ایک مزدور نے اُسے قتل کر دیا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ خوارج میں سے ہے اور چونکہ معن نے خوارج کو شکست دیکر قاتل کے اقارب کو بھی قتل کیا تھا۔ اس لئے قاتل نے اپنا بدلہ لے لیا۔

اُسکی وفات پر شاعروں نے بیشمار قصیدے لکھے۔ سب سے زیادہ مشہور مروان حفصہ کا جو اُسکے دربار کا خاص شاعر تھا مرثیہ ہے۔ یہ مرثیہ نہایت عجیب ہے۔ جستہ جستہ شعر ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اشعار کے درج کرنے سے میرا مطلب اُس زمانہ کی شاعری کا دکھلانا ہے۔ جس سے ناظرین یہ اندازہ کر سکینگے۔ کہ عرب شاعر اگر مبالغہ بھی کرتے تھے تو کس خوبصورتی کے ساتھ۔ نیز وہ قابل مدح اوصاف کو سمجھتے تھے نہ خیالات کو۔

مضی لسبیلہ معن وابقی مکارم لن تبید ولن تنالا	معن مر گیا۔ اور اُسکے ایسے مکارم باقی ہیں جو نہ فنا ہونگے اور نہ دوسرے کو حاصل کر سکینگے۔
اصاب الموت یوم اصاب معنا من الاحیاء اکرمہم فعالا	جسدن معن مرا۔ اُس دن موت نے تمام زندہ شخصوں میں سے سب سے بہترین کو لے لیا تھا۔

وکان الناس کلھم لمعن	قبر میں جانے تک معن سب کی پرورش یوں کرتا رہا گویا
الی ان زار حفرتہ عیالا	تمام خلقت اسی کا کنبہ ہے
ولاعمد الوفود لمثل معن	معن کے برابر کسی کے پاس ڈیپوٹیشن نہیں آئے اور نہ کسی کے
ولاحطوا بساحتہ الرحالا	پاس دور دراز ممالک سے اتنے طالب وسائل پہنچے
ولم یک کنزہ ذھبا ولکن	اُس کے خزانہ میں زر وسیم جمع نہ تھا۔ صرف
سیوف الھند والحلق الذکالا	تلواریں اور حلقے۔
وقلنا این نرحل بعد معن	ہمنے سمجھ لیا کہ معن کے بعد اب کہاں جائیں گے۔ کیونکہ
وقد ذھب النوال فلا نوالا	وہ سراپا جود جاتا رہا۔ تو جود کہاں رہا۔

اس آخری شعر کی بدولت شاعر کو اکثر درباروں سے ذلت وناکامیابی بھی دیکھنی پڑی جس کسیکی مدح کا قصیدہ لکھکر لیجاتا تو وہ کہہ دیتا کہ جب معن کے بعد دنیا میں جود ہی نہیں رہا تو اب تو ہم سے کیا لینے آیا ہے۔ لیکن چونکہ مروان زبردست شاعر تھا اور محسن کی شکر گذاری نے اسکو پھل دینا تھا۔ آخر میں لوگ اُسپر مہربان ہو گئے۔ چنانچہ خلیفہ مہدی نے بھی جو ایک بار سے زیادہ اسی شعر بالا کیوجہ سے مروان کو دربار سے نکلوا چکا تھا۔ اس کو ایک لاکھ درہم عنائت کئے تھے۔

مروان کہتا ہے کہ ایک دفعہ جعفر برمکی نے مجھ سے مرثیہ معن پڑھوا کر سنا۔ میں پڑھتا جاتا تھا اور جعفر رو رہا تھا۔ جب مرثیہ ختم ہوا تو جعفر نے پوچھا کہ فرزندان معن میں سے کسی نے اس مرثیہ پر تجھے کچھ دیا بھی ہے۔ مینے کہا نہیں۔ کہا اگر معن خود ان اشعار کو سن لیتا تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کسقدر انعام دیتا۔ مینے کہا چار سو دینار۔ جعفر نے کہا شاید معن اس رقم کو دے کر خوش نہ ہوتا۔ اس لئے میں تیرے اندازہ سے دو چند رقم تو معن کیطرف سے اور اسی کے برابر اپنی طرف سے (۱۶سو) دینار دیتا ہوں۔ مروان نے اسی بحر وقافیہ میں فی البدیہہ اشعار کہکر جعفر کا شکریہ ادا کیا۔ اور چل دیا۔

ایک اور شاعر نے بھی اس کا مرثیہ لکھا جو نہائت مقبول ہوا۔ اُسکے مضامین یہ ہیں کہ معن کی قبر پر جاکر کہدو کہ باران رحمت سے تو ہمیشہ بہار بنی رہی پھر اس قبر سے یہ بھی پوچھنا کہ جس سخاوت نے بحر وبر کو سیراب کر رکھا تھا۔ تو نے اُسے کیونکر اپنے اندر چھپا لیا۔ ہاں اے قبر معن سب سے پہلا گڑھا جس میں مکارم نے آکر خواب کیا ہے وہ تو ہی ہے۔ معن کے

بعد بھی اُسکی سخاوتوں کی طفیل لوگ اسطرح پر خوش گزران رہیں گے جیسے رُوئے کے پھر جانیکے بعد بہت دیر تک نمی اُس میں ترہتی ہے"

وزیر ابن عباد کے حال میں ہے کہ ایک شاعر نے اُسکی مدح میں قصیدہ لکھا۔ اور اُس میں یہ مضمون تھا کہ "شہر کے باشندوں اور مسافروں کو ایسے ایسے خلعت ملے ہیں جو اور جگہ دیکھے بھی نہیں گئے حضور کے غلام بھی ریشمی لباس سے ملبس ہیں۔ مگر ان سب میں ایک میں ننگا ہوں"

ابن عباد نے کہا کہ حسن بن زایدہ سے کسی نے کہا تھا کہ مجھے سواری چاہیئے تو اُس نے سائل کو ایک ناقہ ایک گھوڑا۔ ایک خچر۔ ایک گدھا۔ ایک لونڈی ولادی تھی۔ میں بھی اُسکی نظیر پر حکم دیتا ہوں کہ جراب اور آزار بند سے لیکر تمام اقسام کے پوشیدنی کپڑے تمکو دیئے جائیں۔

غرض معن وہ شخص تھا جسکی سخاوت سے بلا واسطہ اور جسکے قصہ ہائے جود و سخا سے بالواسطہ ہزاروں اشخاص نے لاکھوں روپیہ حاصل کئے۔ لیکن کب اور کس زمانہ میں؟ جب قوم کا ستارہ عروج پر تھا۔ جب اُنکے نصیب جاگتے تھے۔ جب امرا میں فضائل و مکارم پائے جاتے تھے۔ جو دولت خداداد کو صرف اپنی تن پروری و خرمستی کیلئے نہ سمجھتے تھے۔ جو بذل زر و سیم سے قوم میں قابل و لائق اشخاص کا موجود رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ جو گو تر ادو بادشاہ ہوکر بھی مساوات کے اُس سبق کو جو پیاری شریعت نے سکھایا تھا۔ فراموش نہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ سب باتیں فراموش ہو گئی ہیں اور سرداران قوم نے اپنے افراد کو بھلا دیا ہے اور اپنے آپ کو ایک علیحدہ قوم تصور کر لیا ہے۔ لامحالہ اُسی کے بُرے نتیجہ ادنے و اعلے پر اپنا اثر ڈال رہے ہیں اور نکبت و ادبار چاروں طرف سے محاصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی شاندار ترقیات کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں۔

جود و کرم کے معنے تو خیر وسیع ہیں سب سے پہلے انسان کو اپنی ذات سے اسم بخل دور کر دینا چاہیئے۔ بخیل وہی نہیں ہوتا جو مار بر گنج کیطرح نہ خود کھائے نہ اوروں کو کھانے دے۔ بلکہ وہ شخص بھی بخیل کہا جا سکتا ہے جو سینکڑوں روپیہ ایک دن میں اُڑا دیتا ہو۔ کیونکہ شرع نے اُس شخص کو بخیل کہا ہے جو حقوق واجب کو ادا نہ کرتا ہو۔ پس اگر کوئی شخص نمائش و افتخار سے اسراف و تبذیر سے نمائشی کاموں یا عیاشی افعال میں ہزاروں روپیہ برباد کر رہا ہے

مگر زن و فرزند عیال و اطفال۔ برادری اور قوم۔ محلہ۔ شہر۔ ملک۔ رعایا اور بادشاہ کے حقوق واجب ادا نہ کرتا ہو۔ تو وہ بخیل ہے۔ اور بخل کی تمام تر مواعید کا مستوجب ہے۔ خداوند کریم مسلمانوں کو اس سے بچائے۔

شیخ ابو الفیض فیضی فیاضی

شیخ فیضی جو اپنی مختلف لیاقتوں اور انواع و اجناس علوم و فنون کی قابلیتوں کے اعتبار سے فضلاء ہند شعراء ایران اور عرب میں گرامی نامور اور ممتاز ہے۔ شیخ مبارک ناگوری کے گھر ۹۵۴ھ کو پیدا ہوا۔

شیخ مبارک ایک آزاد متوکل فقیر تھا جو کسی امیر کے دروازہ پر کبھی نہیں گیا۔ اپنے زمانہ میں جامع علوم منقول و معقول اور سرمایہ دار دنیا و عقبیٰ اتنا مانا گیا تھا کہ لوگ اسے "خدیو نشانین" کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

ایسے عالم کامل کو گوشہ عزلت میں اگر کوئی دلچسپ شغل ہو سکتا ہے تو یہ ہی اپنے بیٹے کی تعلیم۔ بوڑھے باپ نے اس نونہال علم و افضال کو اس زمانے کے رسمیہ علوم بھی سکھائے۔ اور سائنس کی تعلیم بھی دی۔ ادب۔ اخلاق۔ انشاء۔ طبیعات و الٰہیات کو تکمیلی طور پر پڑھایا۔

ملا عبد القادر بدایونی لکھتا ہے کہ فیضی شعر و معمہ۔ عروض و قافیہ۔ تاریخ و لغت اور انشاء میں بے نظیر تھا۔

روضۃ الادباء میں ہے کہ فیضی صرف شاعر ہی نہ تھا۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کا فلسفی اور منطقی بھی تھا۔ خود فیضی ایک قطعہ میں لکھتا ہے۔

فیضی ام کز دل دقیقہ شناس ۔۔۔ نقش سر علن شناختہ ام
آنچہ باید شناختن دانا را ۔۔۔ بہ یقین نے بظن شناختہ ام
از الٰہی بہ عقل دور اندیش ۔۔۔ ملک از اہرمن شناختہ ام
در ریاضی بچشم چرخ نورد ۔۔۔ نظم عقد پرن شناختہ ام
ز آنچہ پرسی اگر بگویم راست ۔۔۔ سخن است اینکہ من شناختہ ام

نثر را مو بمو شگافتہ ام — نظم را فن بفن شناختہ ام
اعتدال معانی از من پرس — کہ مزاج سخن شناختہ ام

دیگر

ایا حریف درین بزمگاہ فیضی را — گماں مبر کہ زخیل تہی سبویان است
کشیدہ بادۂ تحقیق در حدائق علم — زنشاخسار خرد دستہ پویان است
بجوہ و دشت معانی کہ مرغ پر نزند — بجانبی تعقل دو اسپہ پویان است

فقیر کے جھونپڑے میں اگرچہ دنیوی ذخارف کا نشان نہ ملتا تھا۔ مگر گنجینہ سینہ میں بہت سے خوش آب مکنون تھے۔ مبارک نے ان شاہوار موتیوں سے پیارے بیٹے کے سر گردن کو سجا کر اُسے شاہ پسند فرمایا۔

فیضی کی شہرت۔ شیخ کی درسگاہیں آنے جانے والوں معتقدوں۔ مریدوں۔ اور شاگردوں کے ذریعہ سے فیضی کے تبحر وعلوم نظم ونثر۔ ذہن وذکا کے اوصاف کی خبریں دربار تک متواتر پہنچتی رہیں۔ اکبر تو بہت بڑا ہنر شناس وقدر دان تھا۔ اور علم وقلم کو ایک ہاتھ میں اٹھا کر چلا کرتا تھا۔ سنہ ۱۲ جلوس کو جب قلعہ چتوڑ کی تسخیر کو نکلا تو راہ میں اُسے فیضی یاد آیا۔ فوراً احضار دربار کا حکم صادر ہوا۔

ابوالفضل لکھتا ہے کہ تعمیل کرنے والوں نے طلب عاطفت کو مطالبت عتاب بنا کر حاکم آگرہ کے نام فرمان لکھ بھیجا۔ چارشنبہ ۲۰ ربیع الاول کی صبح کاذب سے پہلے پہلے ترک سواروں نے آکر ہمارے گھر کو گھیر لیا۔ اور سب کو محصور کر دیا۔ بھائیصاحب (فیضی) اُنکے آنیسے پہلے صبح کی ہوا خوری کو چلے گئے تھے۔ ادہر سواروں کو یہ سکھا پڑھا کر بھیجا گیا تھا کہ بوڑھا (شیخ مبارک) اپنے بیٹے کو چھپالیگا۔ اور تمہارے ساتھ کرنے میں بہت کچھ حیلہ بہانہ کریگا۔ مگر تم ایک نہ سننا۔ اب ادہر تو سوار سختی کر رہے ہیں۔ اور ہمیں جھوٹا بنا رہے ہیں۔ اور اُدہر گھر والے حیران وپریشان ہیں۔ اتنے میں بھائی صاحب واپس آپہنچے اور جاہل ترکوں پر ہمارا سچ جلد ہی ظاہر ہو گیا۔

اب ایک دقت اور ہوئی کہ سفر کا سامان گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ مگر والد بزرگوار کے مریدوں اور شاگردوں نے ملکر اس مشکل کو حل کر دیا۔ اور بھائیصاحب طلوع آفتاب سے پہلے پہلے گھر والوں سے جدا ہو کر سواروں کے ساتھ ہو لئے۔ ہم سب گرداب غم میں ڈوبے جاتے

تھے۔ مگر ایک والد بزرگوار تھے جنہوں نے ہماری تسلّی کی اور اطمینان دلایا۔ کہ انجام بخیر ہے۔

جب فیضی ان سواروں کی حراست میں ایوان اکبری میں داخل ہوا۔ تو اُسکو انتظار حکم میں چاندی کے کٹہرے سے باہر جسکو "نقرئی پنجرہ" بھی کہا کرتے تھے۔ کھڑا کر دیا گیا۔ فیضی نے اُسی وقت یہ قطعہ پڑھا۔ ؎

بادشاہا درون پنجرہ ام | از سر لطف خود مرا جا دہ
زانکہ من طوطیٔ شکر خوایم | جائے طوطی درون پنجرہ۔

اس قطعہ کو بادشاہ نے بہت پسند کیا اور اُسی روز سے فیضی کو تقرب حاصل ہو گیا اسوقت فیضی کی عمر اکیس ۲۱ سال کی تھی۔ دربار میں اسکے علم و فضل کے لحاظ سے جو کچھ عزّت ہوئی اور اُسکی فضیلت نے اہل دربار اور خود بادشاہ پر جو کچھ اثر کیا اُن سب کا نشان فیضی کے اُس قصیدہ سے ملتا ہے جو اُس نے شرف حضوری سے تھوڑے دن بعد لکھا تھا۔ یہ قصیدہ دو سو پچاس شعر کا ہے مگر میں اُسکی تلخیص ۳۱ شعروں میں اسطرح پر کرتا ہوں کہ کوئی مطلب نہ رہجائے ؎

سحر نوید رسان قاصد سلیمانی | رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی
بذوق من طلب ناگہان او بنمود | چو بہر سالک توفیق جذب رحمانی
شدم سوار سبک گام توسن چالاک | کہ گرد ے از سر دانش سپہر جولانی
خبر بہ بارگہ شہریار شد اینک | رسید بر در فردوس مرغ بستانی
اشارہ رفت کہ در پیشگاہ مجلس اُنس | شگفتہ دل بنشینی و شوق بنشانی
بہ گونہ گونہ تفقد شہنشہم بنواخت | کہ پایہ پایہ فرود آمدم ز حیرانی
چو زبان بپرسش من برکشود کای طوطی | ریاض نطق ترا از کہ بود رضوانی
پس از ادائے زمین بوس بندگی گفتم | کہ اے سپہر طبیعت با مراد غانی
امان عہد تو استاد مہربان من است | کہ لوح ابجد آداب اوست طولانی
وگر سبب طلبی اُستاد من پدر است | چہ حق کہ نیست بمن زاں بزرگ حقّانی
وگر بگفت کزین ناظمان معنے سنج | بہ پایہ کہ نہادند جنس رجحانی
بعرض شاہ رساندم کہ اے پناہ سخن | حدیث طائفہ شعر نیست پایانی
سخن وراں کہ ازین پیشتر سخن کردند | کہ سر زد از لب شان نکتہ ہائے معانی

ہمہ حکیم مزاجان وپاک دن بودند — وجود دادہ طہارت زلوث عصیانی
کشیدہ نقش حقائق بہ دور اندیشی — نمودہ درک دقائق بہ تیز اذہانی
یکان یکان ہمہ بر بستر فنا خفتند — کشیدہ بر سر خود طیلسان کتمانی
کنوں ہم از شعراء بیشمار اند ولے — بخاک ریختہ صد آبروز بے نانی
چو کس نماند بعالم من آنکسیم امروز — کہ تازہ کرد سخن را بہ تازہ دیوانی
کنون کلید سخن آسمان سپرد بمن — زدل کشائیش واز من کلید جنبانی
حدیث من بہ شہنشاہ بندہ پرور بود: — چو با خدائے کلام کلیم عمرانی
بگفت خیز و قلم از علم بخش کامروز — مسلم است ترا کشور سخن رانی
رسید حکم کہ از نکتہ سنجی شعرا — بعرض ما برسان آنقدر کہ میدانی
زبانوی کہ دگر با تو در سخن پیچد — سزد بدست ادب گردنش بہ پیچانی
چو گوہم آنکہ ز لطفش چہ طرف بر بستم — زہر چہ لازمہ خانی است و ترخانی
دو دولت از در اقبال تا بمن رو کرد — کشید طالع انکیسم بہ لحیانی
یکے معلمی شاہزادہائے عظام — کہ بر نہال ادب میکنند غصانی
نخست حضرت سلطان سلیم دریا دل — کہ جلوہ خروش موج الیست عمانی
دگر طراز پرند امید شاہ مراد — کہ در من فلکش مے کند گریبانی
دگر جہان ادب دانیال کز شفقت — کواکب شرفش میکنند اخوانی
دوم سجود ارادت کہ از میامن آں — بانحطاط کشیدم قوائے حیوانی
بمن رسید ز فیض نوال حضرت شاہ — بروح آنچہ رسد از شراب ریحانی

ابوالفضل لکھتا ہے کہ فیضی سحر خیز و صلح کل تھا۔ ہمت بلند کو کتب علمیہ و مسائل حکمیہ کے مطالع پر مبذول رکھتا۔ اور شعر و شاعری کو ہمیشہ انظر حقارت سے دیکھا کرتا۔ جب اس زمین میں اسے کچھ لکھنا پڑتا تو مضامین عالیہ کو چھوڑ کر ابنائے جنس کے درخور فہم بہ تکلف اسے کچھ لکھنا پڑتا جب فیضی دربار میں داخل ہوا ہے اس وقت مشہد غزالی لقب ملک الشعراء سے مفتخر و ممتاز تھا۔ وہ مر گیا تو ۳۹ سنہ میں فیضی کو ملک الشعراء بنایا گیا۔ دولت مغلیہ میں یہ دوسرا ملک الشعراء تھا۔

صاحب جامع التواریخ لکھتا ہے کہ شاہان مغلیہ کے دربار میں عہد اکبری میں مشہد غزالی اور شیخ فیضی عہد جہانگیری میں طالب آملی۔ عہد شاہجہان میں ابوطالب کلیم ہمدانی ملک الشعراء

تھے۔ روضۃ الادبا میں ہے کہ جس وقت فیضی نے مہابھارت کا منظوم ترجمہ ختم کیا اُسوقت اکبر نے ملک الشعراء کا خطاب اُسے مرحمت فرمایا۔

مہابھارت کا نثر فارسی ترجمہ فیضی تو نولکشور ۱۹۰۰ء میں چھپا مگر منظوم ترجمہ جس حوالہ روضۃ الادبا میں ہے دیکھا نہیں گیا۔ فیضی کچھ اس لئے مشہور نہ تھا۔ کہ وہ ملک الشعراء دربار تھا۔ بلکہ اس لئے بھی کہ ادیب لبیب تھا۔ فاضل اجل تھا۔ فنون علوم کے علماء اُسکے دستر خوان پر بیٹھتے اور غذائے روحانی وجسمانی سے پرورش پاتے تھے۔ عرفی شیرازی اور عبدالقادر بدایونی اسی کے دست پروردہ تھے جو بعد میں احسان فراموش نکلے۔

فیضی جیسا کہ ادب عربیہ میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔ ایسا ہی یونانی مسائل میں فیلسوف کامل تھا۔ سنسکرت نے اپنا پرانا دفینہ اُسے سپرد کر دیا تھا۔ اور اُس زبان کے جو دقائق کہ وہ جانتا تھا۔ کوئی پنڈت بھی مشکل سے ان معلومات کی برابری کر سکتا تھا۔ ان سب کے علاوہ بادشاہ کا ایسا مقرب خاص اور مشیر باختصاص تھا۔ کہ بادشاہ کو دم بھر کی جدائی اُسکی شاق وناگوار تھی۔ بادشاہ کو اُسکی ذات پر اعتبار اور اُسکی لیاقت پر کامل بھروسہ تھا۔ اور پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر جملہ خدمات ملکی ومالی میں اُسکا دخل تھا۔ دکن کی نازک سفارت پر نائب السلطنت کے طور پر اسکو بھیجا گیا اور اُس نے نہایت خوبصورتی کیساتھ معاملہ کو طے کیا۔

تصنیفات فیضی۔ نظم میں ایک نامکمل مجموعہ ملتا ہے جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کا ارادہ خمسہ نظامی کا جواب لکھنے کا تھا خود اُسکے شعر ہیں۔

بربستہ بپائے مرغ خامہ — دارم بخیال پنج نامہ
زیں ہفت رباط وچار منزل — بندم بہ جمازہ پنج محل

اس خمسہ میں سے نلدمن زیادہ مشہور ہے۔ نیز درس میں داخل۔ اس کتاب کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ لکھی گئی تو اس پر اساتذہ وشعرائے ہندوایران کی اتنی مہریں ثبت کیگئی تھیں کہ تمام کتاب میں سے ایک شعر بھی نہ پڑھا جاتا تھا۔

مرکز ادوار۔ یہ کتاب کمیاب ہے۔ خوش قسمتی سے مجھے ۱۰۶۳ھ کی لکھی ہوئی ملگئی ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اُسکے نام سے ظاہر ہے۔ مخزن الاسرار نظامی کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — گنج ازل راست طلسم قدیم
گنج ازل چیست۔ کلام خدا — مہر ابد کرد بنام خدا۔

نقد دو کون است درین پایہ درج — چار کتاب است درین آیہ درج

حرف بسم اللہ کے معانی بیان کرتے ہوئے الرحمٰن کے الف لام کی نسبت کہتا ہے

در نگری وحدت و کثرت یکیست — لام و الف در خط وحدت یکیست

لام بدل کردہ الف را مقام — کردہ الف نیز بدل جائے لام

چند بہر حرف شوی مختلف — یک دلی آموز ز لام و الف

حمد میں کہتا ہے

تحفۂ ہستی کہ مشبک نگاشت — نقش بدائع ہمہ یک یک نگاشت

روز برافروخت بہ اقبال صبح — پائے شب آراست بخلخال صبح

در رہ دل مشعل توفیق سوخت — خانۂ تقلید ز تحقیق سوخت

صوفی صافی متنعم ازو — قول حکیم و متکلم ازو

نامیہ از ابر عطایش عجیم — عاقلہ از نطفۂ درکش عقیم

عقل مقدس بر ہش پا بہ گل — فکر از دوست تحیر بدل

عقل کجا فکرت یزدان کجا — پرده واجب راہ امکان کجا

دانش ما چیست بہ علم علیم — فکرۂ محدث چہ رسد در قدیم

ملائکہ را حوصلہ بر طاق ماند — ناطقہ را سلسلہ بر شاق ماند

توحید میں کہتا ہے

اے ہمہ در پردہ نہان راز تو — بخبر انجام ز آغاز تو

قدس تو آنجا کہ زند گام را — راہ نہ آغاز نہ انجام را

در تو ہم آغاز و انجام گم — ہر دو بشہر قدمت نام گم

مناجات میں کہتا ہے

خاک عدم با تو عروسی نقاب — آب قدم بے تو چو نقش بر آب

در جسد خاک بہی روح پاک — طبلۂ عطار کنی جیب خاک

در سر صبح از تو نوائے صبوح — در تن خاک از تو روان آب روح

جوشش دیگر بخش بہ صہبائے من — شور دگر ریز بسودائے من

خون مرا رونق گلزار دہ — خاک مرا چشمۂ انوار دہ

نقد مرا گرمیٔ بازار بخش | جنس مرا چشم خریدار بخش
چشمۂ دل کو جگر نا صبور | بو کہ دہد ساقی خورشید نور

ایضاً مناجات میں کہتا ہے

کون و مکان پرتو ذات تو اند | دیدہ و دل محو صفات تو اند
آمدگی سود نہ آوردگی | ذات تو ہم پردہ وہم پردگی

ترتیب کتاب میں تمہیداً کچھ شعر لکھکر گریز بمدح شاہ کرتا ہے۔ بادشاہ کی تعریف بادشاہ بنا کر ہی نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے دل میں خدا جانے کیا سمجھا۔ اور کیا کچھ کہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعرانہ حیثیت سے اپنے لئے لقب مداحی پسند نہیں کرتا۔ بلکہ جو کچھ مدح شاہ میں کہتا ہے اس کا نام "جوش ارادت" رکھنا چاہتا ہے۔ اس خیال کی بنیاد مقبوع خیالات اور ایجاد پسند طبیعت پر ہی نہیں۔ بلکہ اس میں اہلکاری کے بہت سے اسرار مخفی ہیں

مدح میں کہتا ہے

سایہ صفت ہر کہ نہ حق جداست | سایہ نہ گو ہیچ کہ نور خداست
نام کہ مانند شہان بر سرش | آمدہ طغرائے ہو الاکبرش
از ورق غیب سبق یافتہ | رتبہ ہمنامی حق یافتہ
اسم مگو عین مسمے است ایں | اللہ اکبر چہ معماست ایں
صورت معنی ز ہم انگیختہ | کثرت و وحدت بہم آمیختہ
قوت کونین بہ بازوے او | گنج دو عالم بہ ترازوے او
بحر ازل را گہر ش ترجمان | علم ابد را شخنش ترجمان
سر چو بہ بالین ہوس کم نہاد | بر سر خود بار دو عالم نہاد
جلوہ وسے وفرید دل درد | جرعہ جامی و فلاطون درد

جن الفاظ پر خط ڈالے گئے ہیں اُن پر نظر غائر ڈالنی چاہیئے۔ بخطاب بادشاہ میں کہتا ہے۔

اے دو جہان عقل مسلم ترا | دور شہنشاہی عالم ترا
ہست دو منشور جہاں بانیت | چون سر تیغ و خط پیشانیت
در ازل از مدح تو بستند طرف | دہ قلم و نہ ورق و ہفت حرف
مدح تو بر فرق ازل خواندہ اند | تخت تو بر دوش ابد ماندہ اند

برصفِ کونین دلیر آمدی   دیر بمان دیر که دیر آمدی

اس کتاب میں یہ بیان ہیں (۱) خلوت در انجمن (۲) ستائشِ نفس (۳) ستائشِ سخن (۴) نیرنگی نامہ (۵) چہرہ کشائی قلم (۶) بہار آفرینش (۷) صفت پرتو دل (۸) فروغ خرد (۹) صنعت علم (۱۰) گونہ حسن (۱۱) ثنائے نظر (۱۲) جوشِ عشق (۱۳) نشاط بیداری (۱۴) طلوع صبح (۱۵) کوس سفر (۱۶) خزان فنا (۱۷) ترانہ واپسین

خواجہ نظامی اور ملا جامی کیطرح ہر ایک بیان کیساتھ حکایت نہیں لکھی۔ صرف تین جگہ حکایات لکھی ہیں جنکو نمائش کرکے لکھتا ہے۔ پہلی کتاب جو اس طرز میں لکھی گئی یعنی جو واقعات صحیحہ یا مضامین نفیسہ پر مشتمل اور اُن تمام عیوب سے پاک ہو جو عموماً مشرقی لٹریچر میں پائے جاتے ہیں۔ وہ خاقانی کی تحفۃ العراقین ہے۔ خواجہ نظامی کی ایجاد پسند طبیعت نے اس طرز میں تھوڑا سا تغیر دیکر ایک جدت پیدا کی۔ اور مخزن اسرار لکھی۔ یہ طرز ایسی مقبول ہوئی کہ بڑے بڑے مشہور شعراء نے اسی زمین میں طبع آزمائیاں کیں۔ طبیعت کے جوہر دکھلائے۔ امیر خسرو کی مطلع الانوار ملا جامی کی تحفۃ احرار تو داخل درس ہی ہیں۔ عرفی شیرازی کی نا تمام مجمع الافکار اور زلالی کے کچھ متفرق اشعار بھی متداول ہیں۔

فیضی نے اس کتاب میں شاعرانہ زور دکھلانیکے علاوہ یہ بھی مدنظر رکھا ہے کہ کلام محققانہ ہو اور اس سے شاعر کی وسعت معلومات بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہو۔ تعجب یہ ہے کہ مرکز ادوار میں نعت رسول کا ایک شعر بھی نہیں یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ شیخ کے سامنے مخزن الاسرار مطلع الانوار۔ تحفۃ الاحرار رکھی ہوئی ہوں۔ جن میں متعدد نعتیں ہیں شیخ ان کتابوں کا جواب لکھنا چاہے اور مسلمان کہلائے۔ تفسیر قرآن لکھے اور بایں ہمہ نعت رسول پاک کا ایک شعر بھی نہ ہو۔ حالانکہ نلدمن میں حسن بلاغت کیساتھ نعت لکھی ہے۔ اور جا بجا معجزوں کا ذکر کرکے خشک فلسفیوں کے انکار پر استہزا کیا ہے۔ وہ ظاہر ہی ہے۔ ملا عبد القادر بدایونی نے بھی اپنی تاریخ میں اس کتاب پر کچھ اعتراض نہیں کیا۔ ملا جو اپنی تاریخ کے صفحہ کو فیضی کے کفر و الحاد کا فتوے بنانا چاہتا تھا۔ کب درگذر کرنے والا تھا۔

میرے نزدیک یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہزادہ سلیم جو بعد میں نور الدین جہانگیر کے نام سے تخت ہندوستان پر جلوہ آراء ہوا۔ فیضی و ابو الفضل کا پولیٹکل تعلقات کیوجہ سے سخت دشمن تھا۔ جب بادشاہ ہوا۔ تو اُسے اُنکی شہرت و لیاقت کی داستانیں ناگوار گذرنے لگیں

جہانگیر وہی راہ چلا جو طریق اُسکے بعد عالمگیر نے داراشکوہ کے ساتھ اختیار کیا تھا یعنی ابوالفضل وفیضی کے منشیانہ وشاعرانہ خیالات کو میزان فقہ وشرع میں تولا۔ اور کفر والحاد کا فتویٰ لگا دیا۔ میرا خیال ہے کہ نعت کے کل اشعار نکالدیئے گئے۔ اور باقی کتاب ثبوت ارتداد کے لئے چھوڑدی گئی۔ میرے سامنے عہد شاہجہان کی لکھی ہوئی کتاب رکھی ہے۔ اگر عہدِ اکبر کی ملجاتی تو اس خیال کی تحقیق وتردید۔ یا تصدیق بخوبی ہوسکتی۔

اسی کتاب مرکز ادوار کے بیان علم میں لکھتا ہے۔

خیز کہ نالیم زمردم درول ۔۔۔ وزبُن ہر موئے بگریم خول
فرض بود نالہ برافراشتن ۔۔۔ ماتمِ علم وعلماء داشتن
حیف کہ گردید بصد مکر ودیو ۔۔۔ محکمۂ شرع نبیؐ جائے دیو
اے شدہ فرمانده شرع نبیؐ ۔۔۔ غرہ بدہ مسئلہ قالبی
نسخہ ابلیس سراپائے تو ۔۔۔ دفتر تلبیس فتاوائے تو
بردلِ شان تہمت ایماں منہ ۔۔۔ پر ملک بر سر شیطاں منہ

ان اشعار سے جسطرح پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فیضی علمائے وقت کی توقیر نہیں کرتا۔ اسیطرح یہ بھی نکلتا ہے کہ وہ اسلام کی ایسی حالت پر نہایت متاسف ہے اور اس درد کو اس کا دل محسوس کر رہا ہے۔ مولانا حالی نے بھی مثنوی تعصبؔ وانصاف میں لکھا ہے۔

شیخ عیّار۔ تو زاہد پُرفن ۔۔۔ مولوی عقل کے سارے دشمن
پیاز کیطرح نرے پوست ہی پوست ۔۔۔ قوم کے دوست مگر ناداں دوست

ایسے اشعار سے یہ نتیجہ نکالنا کہ شاعر علماء کو بوجہ تعلیم علوم دین بُرا سمجھتا ہے محض نادانی ہے۔ بلکہ شاعر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ علماء بنے ہوئے ہیں وہ علوم دین سے محض نابلد وناآشنا ہیں۔ اور اسی لئے ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا کے مصداق ہو رہے ہیں۔ خاتمہ کتاب میں کہتا ہے ؎

من کہ چنیں گنج نہاں یافتم ۔۔۔ از نظرِ شاہِ جہاں یافتم
شد چو فیض ازل انجام او ۔۔۔ مبدء فیاض نہم نام او
شوق کزیں نامہ پروبال داشت ۔۔۔ عقل کمالم چہلم سال داشت
دل ز تکاپوئے قلم سیر شد ۔۔۔ خواتمش زود ولے دیر شد۔

اس کتاب میں جا بجا اپنا تخلص فیاضی لایا ہے۔ اور کہیں کہیں فیضی مبدء فیاض بہم اد بیں بھی اپنے تخلص کیجانب کنایتاً اشارہ کرتا ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ فیضی کو تخلص کا بدلنا اور فیاضی بننا مبارک نہ ہوا یعنی اس سے تین ماہ کے بعد مر گیا۔ لیکن یہ لکھنا در حقیقت غلط ہے۔ کیونکہ فیضی پچاس برس کی عمر میں فوت ہوا ہے اور مرکز ادوا لکھنے کیوقت اسکی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ جیساکہ اس نے خود لکھ دیا ہے۔

شوق کزیں نامہ پر و بال داشت عقل کمال چہل سال داشت

فیضی سے فیاضی تخلص شیخ نے اسی وقت پسند کیا تھا جب ابوالفضل کو علامی کا لقب عطا ہوا تھا فیضی کہتا ہے ؎

آنوں کہ شدم بعشق مرتاض فیاضیم از فیض فیاض

مثنوی سلیمان بلقیس۔ یہ مثنوی نظامی کی شیرین خسرو کے جواب میں لکھنی شروع کی تھی مگر تکمیل کو نہ پہنچی۔ مناجات کے چند شعر یہ ہیں ؎

الٰہی پردہ تقدیس بکشا سلیمان مرا بلقیس بنما

دریں بت خانہ ناقوس جویاں زبانے وہ مرا قدوس گویاں

ہمہ ذرات در تقدیس و تہلیل مرالب پر ز افسون عزازیل

چہ سازم با بتاں پیوند سازم پری در شہر و دل در بند دارم

مثنوی ہفت پیکر نظامی کی ہشت بہشت کے جواب میں۔ اس مثنوی کے متعدد اشعار اکبرنامہ میں ابوالفضل نے درج کئے ہیں۔ مثنوی آجتک دیکھنے میں نہیں آئی۔ فخریہ اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

آمد اینک زشبستان غیب میکدہ در دست و گلستان بجیب

اکبرنامہ سکندرنامہ کے جواب میں۔ یہ کتاب صرف شروع ہی کیگئی تھی کہ موت نے کتاب اور مصنف دونوں کا خاتمہ کر دیا۔

دیوان۔ انواع سخن پر مشتمل ہے۔ غزلیات۔ قطعات۔ رباعیات۔ افراد۔ مصارع۔ قطعات و رباعیات بہناشت آمدہیں اور اکثر حالات کا ان سے پتہ لگتا ہے فیضی کی طبیعت میں عربیت کا جو زور تھا۔ وہ دیوان میں بھی رنگ دکھلا رہا ہے اکثر جگہ فارسی مصرعوں کو عربی امثال سے تضمین دیکر اپنے کلام کے سلسلۃ الذہب کو مرصع بنا دیا ہے ؎

حسنت چو عشق من عجب گرجہاں گرفت | للبدر ان یلوح وللمسک ان یفوح

یعنی میرے عشق اور تیرے حسن کی داستانیں دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ بیشک چاند کا کام چمکنا اور مشک کا کام خوشبو پھیلانا ہے۔

آزادہ ام زنامہ و قاصد براہِ شوق | تبیان کونی لغنی عن الشرح

خط لکھنے اور قاصد بھیجنے کی ضرورت تب ہوتی ہے جب کسی امر نامعلوم کی خبر دینی ہو۔ میرے سوز و گداز کا حال خود الم نشرح ہے۔

ساقی جاں خیز کہ شد صبح عید | صبحک اللہ بہ صبح جدید

عرب میں اسلام سے پہلے انگریزوں کیطرح سلام کے الفاظ موقت ہوتے تھے۔ صبحک اللہ (گڈ مارننگ) کی جگہ بولا کرتے تھے۔

جانِ من و سلسلہ زلف تو | علقت الروح بحبل الورید

تیری زلف کے ساتھ میری جان اسطرح اٹکی ہوئی ہے۔ جسطرح شاہرگ کیساتھ روح۔ بالکل نیا خیال ہے جس میں جسمانی شے کیساتھ غیر جسمانی کے تعلق کا پورا ثبوت ہے۔

بردم تیغ تو قضا کردہ نقش | انت حدید لک باس شدید

دوسرا مصرعہ آیت وانزلنا الحدید فیہ باس شدید سے اقتباس کیا گیا ہے۔

چشم تو لبس کرد زخونریز خلق | غمزہ بفریاد کہ ھل من مزید

دوسرا مصرعہ یوم نقول لجہنم ھل امتلئت و تقول ھل من مزید سے اقتباس کیا گیا ہے

دیگر۔ بادہ در جوش است و رنداں منتظر | ساقیا خذ ما صفا دع ما کدر

گر دلم بشکست خوش عالم کہ دوست | مطمئن عند قلب منکسر

دیگر۔ صنمے در دلِ ما یافتہ راہ | نحن لا نعبد الا ایاہ

فیضی از بت نشکیبد ہرگز | وھو منا امن الا باللہ

دیگر۔ نوشتہ اند بطاق رواق میخانہ | لکتابہ من الملک کل شیء حی

بعض غزلیات ایک مضمون کی ہیں جو خاص موقع پر لکھی گئی ہیں ؎

بیک دو روز مہ روزہ برد تاب مرا | کہ بشکست چنیں رنگ آفتاب مرا

زتشنگی لب ادنشک بیگرستے ہمدم | دگر مپرس سبب دیدہ پر آب مرا

مدار روزہ کہ از صدق نیت کہ مراست | کنند فرشتہ بنامت رقم ثواب مرا

بعض غزلوں سے قصیدہ کا کام لیتا ہے۔

تعالی اللہ چہ عیداست این کہ دور آں نجیبا یم — ولے از شوق محرومی سراز ذوق خالی را
غنیمت داں بدور خسرو والاجلال الدین — نشاط عید اسفندار ند ماہ جلالی را

بادشاہ کی بیماری میں غزل لکھتا ہے۔ سے

یارب بناز پرورنازک نہال مارا — خورشید عافیت کن ابرو ہلال مارا
چوں چشم خویش تا کے باشد ناتوانی — در جلوہ آر دیگر مشکیں غزال مارا
بر مصحف جمالش بکشاے دیدہ ما — از آیت شفا کن فرخندہ فال مارا
اے عافیت کجائی زیں خانہ سر بدر کن — صاف نشاط گرداں ورد ملال مارا
آں ماہ را بر آرد از احتراق امشب — مپسند اے سعادت دیگر وبال مارا
در حلقۂ ملائک ذکریست تازہ گوئی — فیضی کمال صحت خواہد جلال مارا

غسل صحت بادشاہ کے بارہ میں کہتا ہے ؎

تا صحت است عنصر شاہ یگانہ را — پیدا است اعتدال مزاج زمانہ را
در خواب راحت اندو بیمار نرگسش — کوتہ کن اے طبیب فسوں گرفسانہ را
گو شمع گوشہ گیر کہ از صبح عافیت — افروخت آفتاب رخش صحن خانہ را
اے عیش گر بہ رفت زمن وتر کردمے — ایثار مقدمت گہر دانہ دانہ را
اے خوشدلی کہ ماندی ایں بزمگاہ دو — فرسودہ کن زبوسہ زدن آستانہ را

کسی شعر میں خصوصیت ملکی کیطرف اشارہ کرتا ہے۔

زنام کشتی مے استوار کن فیضی — کہ موج عربدہ خیز است آب دیدہ را

کہیں واقعات تاریخی کو جھلکا دیتا ہے۔

فیضی بگردش قدح دمبدم کہ شاہ — گجرات فتح کردہ بہ بنگالہ میرود

بعض غزلیں متروک بحور میں ہیں جنکے مضامین وغیرہ سے پایا جاتا ہے کہ حکیم ناصر خسرو علوی بلخی کا تتبع کرتا ہے ؎

ساقی دوران گزر زغریدہ سازی — ساغر مے دہ بدور اکبر غازی
نے مے دانش ربا کہ محتشما ترا۔ — ہیچو سپہر آورد بسفلہ نوازی
نے مئے بدخو کہ در دماغ رعونت — یاد تہور دہد بہ معرکہ تازی

نے مے آتش منش کہ در صفت مستاں | شہر بود گرمیش بہ شیشہ گدازی
نے مے بیباک دل کہ بر خرآرد | ترک ہوس را بہوائے دست درازی
زاں مے یکرنگ کز تصرف باطن | توبہ دہد چرخ راز شعبدہ بازی
زاں مے صافی کہ عاکفان صوامع | خرقۂ دل را ازو کنند نمازی
زاں مے روشن نظر کہ باز نماید | راہ حقیقت بعاشقان مجازی
زاں مے دریا گہر کہ پاک بشوید | از دل عارف خیال نقش طرازی
فیضی اگر در کشی زاں مے بیعش | دو نباشد کہ بر دو کون بنازی

بہاریہ غزل

خاک چمن شد ز آب مشک تتاری | آتش گل کرد باد بہاری
قرصۂ کافور ریخت شاخ شگوفہ | سنبل مشکین بسوخت عود قماری
بر سر ہر شاخ جلوہ گر شد گلہا | کردہ چو طفلاں باسپ چوب سواری
از پے دوشیزگان حجلۂ گلشن | آب صفت خاک کرد آئینہ داری
دور نظر بازی است و حسن پرستی | وقت گل افشانی است و بادہ گساری
غنچہ و نرگس رسیدہ اند فراہم | کوش کہ دل را بدست دیدہ سپاری
جام مے لالہ گون و طرۂ ساقی | فیضی اگر عاقلی ز کف نگذاری

قصائد بہت کم ملتے ہیں۔ جس قدر دستیاب ہوتے ہیں وہ یا تو فخریہ ہیں یا مواعظ و نصائح سے پُر۔ مدحیہ قصائد بہت کم لکھے ہیں۔ اور وہ بھی خصوصیات کیساتھ بادشاہ کی مدح میں ہیں میرا ارادہ ہے کہ تذکرہ عرفی میں ان دونوں کے اُن قصائد کا جو ایک زمین میں لکھے گئے ہیں موازنہ و مقابلہ کر کے دکھلاؤں۔ ایک فخریہ قصیدہ کا مطلع ہے۔

خواہم اصلاح نہ کتاب کنم | نسخۂ کون انتخاب کنم

ایک ناصحانہ قصیدہ کا مطلع ہے۔

اگر بحضرت سلطان رہ سخن داری | مباد خاموشیت بہر خویشتن داری

قصائد کے کم ہونے کیوجہ یہ ہے کہ فیضی نے دربار میں داخل ہونے سے پیشتر جو قصائد امرائے دولت کی مدح میں لکھے تھے۔ وہ بالآخر سب کے سب غارت کر دیئے۔ چنانچہ فیضی خود کہتا ہے۔

فیضیم شاعر تو نگر دل — ہمت از خاک بر کشیدۂ من
گشتہ در آستین ہمت گم — طمع پیرہن دریدۂ من
ایں سواد سخن کہ مے نگری — ہست خونابہ چکیدۂ من
آفرینندہ شاہد است کہ ہست — معنی خاص آفریدۂ من
بردہ ہوش دل نظارگیاں — جلوۂ طبع شوخ دیدۂ من
بود در کوچہ ہائے تنگ خیال — جنبش کلک سر بریدۂ من
باشد اکنوں ز جنس ہائے سخن — غزل و مثنوی گزیدۂ من
ہرچہ گفتم بمدح اہل دول — عشق بسترد از جریدۂ من
ورنہ مے کشد شگرف دیوانے — از غزلہائے سر قصیدۂ من

دیگر

ایا مسافر نظارہ نظم و نثر ببیں — کہ تا کجا بود اندازۂ مساعیٔ ما
ہزار گونہ سخن از زبان ما سر زد — ہنوز تا بکجا ہا کشد دواعیٔ ما
بآفتاب شود منتہی بوقت نظر — چو امتداد پذیرد خط شعاعیٔ ما
ز ہر تذکرۂ اہل دیدہ منتخبے است — کہ شد رقم زدۂ کلک اختراعیٔ ما
وگرنہ در عدد از ہمگناں کم نیست — قصیدۂ و غزل و قطعہ و رباعیٔ ما

سواطع الالہام۔ قرآن مجید کی تفسیر عربی زبان اور بے نقطہ الفاظ میں ہے۔ اس تفسیر سے فیضی کا کمال متبحر دستگاہ ادب و انشاء بخوبی عیاں ہے۔ حروف مہملہ کا اتنا التزام کیا ہے کہ نام بھی بدل ڈالے ہیں سرلوح پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے۔ جس میں کوئی منقوط حرف نہیں۔ سورہ اخلاص میں اس تفسیر کی تاریخ لکھی ہے۔ جاہل لوگوں نے اسی تفسیر کی نسبت مشہور کر رکھا ہے۔ کہ فیضی نے ایک قرآن بنایا تھا۔ اور اکبر کو رسول الف ثانی قرار دیا تھا۔ یہ تفسیر مطبع نولکشور میں چھپ چکی ہے۔

موارد الکلم علم اخلاق کی کتاب ہے یہ بھی غیر منقوط حروف میں لکھی گئی ہے۔ روضۃ الادباء میں اس کتاب کی چند سطور بھی نقل کیگئی ہیں۔ فیضی نے خود بھی اس کتاب پر فخر کیا ہے

طبع مشکل پسند من اکثر — مشکلات بدیع ملتزم است

سلک ہائے بلاغت از کلکم | باسالیب خاص منتظم است
گر دلیلے بدیں سخن خواہی | در کتاب مورد الکلم است

ان تصنیفات کے علاوہ اکبر نے ترجمہ کا محکمہ قائم کیا۔ تو فیضی اُس کا مہتمم اور افسر اعلیٰ قرار دیا گیا۔ راماین۔ بیتال پچیسی۔ بھاگوت۔ مہا بھارت۔ جوگ بسشٹ وغیرہ کے جو ترجمے ہوئے وہ سب اسکے قلم سے اصلاح لیکر نکلے۔

تعلیم سنسکرت۔ فیضی نے سنسکرت کیونکر پڑھی۔ یہ تمام روائت داستان نما ہے۔ مشہور ہے کہ فیضی بنارس پہنچا۔ اور برہمن بچہ بنکر بنارس کے مشہور مہاودیا شالا میں داخل ہو گیا۔ چونکہ حافظہ تیز تھا۔ ذہن صاف۔ فہم درست اور طبع سلیم۔ دل راغب اور علوم مکتبیہ خصوصًا عربیّت کی استعداد کی مدد۔ اس لئے تھوڑے سے عرصہ میں انتہائی تعلیم تک پہنچ گیا۔ تمام اُستاد اُسکے عمدہ چال چلن اور اعلیٰ قابلیت کیوجہ سے نہائت درجہ محبت کیا کرتے تھے جب اُس نے وطن کیلئے اپنے شفیق اُستاد سے اجازت چاہی تو اُس نے ایک ہفتہ کے لئے اور ٹھیرا لیا۔ اور اپنے گھر میں مشورہ کر کے یہ ارادہ کر لیا۔ کہ اپنی اکلوتی کنیا سے شادی کر دے۔ جب فیضی کو کہا گیا تو اُس وقت اُس نے صاف کہدیا کہ میں اس لڑکی کو مال جائی بہن سمجھتا ہوں۔ اور میں خود مسلمان ہوں۔ اُستاد یہ سنکر پیکر تصویر بن گیا اور تمثال بُت ہو گیا۔ پھر آہ بھر کر کہا کہ تو نے کل ہندو دھرم کے ساتھ چھل کیا۔ مگر اب بتلا کہ میرا حق اُستادی کیا ادا کریگا۔ فیضی نے عرض کیا۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ میں دل و جان سے آپکی پدرانہ اور اُستادانہ شفقت و عاطفت کا ممنون و مرہون ہوں۔ اور میری استطاعت سے باہر ہے کہ میں آپکے انعام و احسان کا حق ادا کر سکوں۔ اُستاد نے کہا تاہم میں ایک خاص عہد لینا چاہتا ہوں۔ کہا جو ارشاد۔ پوچھا کیا تو سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ کریگا۔ کہا ہاں۔ کہا میں ایک عہد لینا چاہتا ہوں کہ تو گائیتری منتر کا ترجمہ نکرنا فیضی نے عہد کیا۔ اور میثاق غلیظ کے ساتھ اس عہد کو مؤکد کیا۔ چنانچہ اس فاضل نے اس منتر کو اسیطرح لکھکر ترجمہ نکرنے کی یہی وجہ تحریر کر دی۔

فیضی کا مذہب۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ فیضی و ابوالحسن نے دنیا کو دین پر اختیار کیا اور دین کو دنیا پر نثار کر دیا۔ اکبر نے جس قدر مذہبی رنگ گرگٹ کیطرح بدلے۔ وہ سب فیضی و ابوالفضل کے اختراعات کا نتیجہ تھا۔ اکبر اُن کے ہاتھ میں پتلی کیطرح تھا۔ یہ جو کچھ سمجھا دیتے

اکبر دنیا کی سٹیج پر اُسی ایکٹ کو دکھلا دیتا۔ مذاہب جلالی۔ دین الٰہی کے بانی میانی بھی یہی تھے اور اکبر کو آفتاب پرستی بھی انہوں نے ہی سکھلائی تھی۔ جن لوگوں کا یہ بیان ہے وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ فیضی وابو الفضل کو یہ ملحدانہ خیالات اپنے باپ شیخ مبارک سے ارث میں ملے تھے۔

ناظرین کسی شخص کے مذہب پر رائے دینا نہایت مشکل کام ہے۔ اور مردہ شخص کو ملحد و مرتد بنانے کی سعی کرنا تو بے سود بھی ہے اس لئے میں اس روایت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ سچ ہے کہ دونوں بھائی نورتن میں داخل تھے اور بادشاہ کی خلوت وجلوت کے ہمراز تھے لیکن یہ سمجھنا کہ اکبر کے مذہبی خیالات کی مہار انہی کے ہاتھ میں تھی محض غلط ہے۔ اکبر کو تحقیقات مذہب کا شوق تھا۔ اور پولیٹیکل وجوہ سے وہ ہندوؤں سے زیادہ تر میل ملاپ کو ضروری سمجھتا تھا۔ اور غالباً ہماری گورنمنٹ برطانیہ کیطرح وہ بھی سمجھا ہوا تھا کہ ہندوستان جیسے ملک کشت زار مذاہب میں گورنمنٹ کو اپنا طریق عمل لامذہبی رکھنا چاہیئے۔ ان سب وجوہ کے ساتھ ہی وہ جاہل تھا۔ اور ہر فرقہ کے منطقی وفلسفی دلائل کا سننا اور ایک دوسرے پر راجح ومرجوع سمجھنا اُس کے لئے مشکل تھا۔ اس لئے عمر بھر مذہب کو بھی وہ شاہی رنگ رلیاں سمجھتا رہا۔ لیکن ہم جب اکبر کے انجام کو دیکھتے ہیں تو ہر ایک تاریخ میں لکھا ہوا ملتا ہے کہ مرنے سے تین روز پیشتر اُس نے قاضی اسلام کو بلایا۔ اپنے گزشتہ اعمال واقوال وافعال سے توبہ کی۔ عمر رفتہ پر اظہار ندامت کیا۔ اور کلمۂ شہادت پڑھکر حاضرین کو اپنے تشہد کا گواہ بنایا تو پھر کیونکر یہ خیال ہوسکتا ہے کہ نورتن کے ان روشن اور قیمتی رنگوں نے در اصل اپنے ضمیر کی راستی اور اپنی لازوال روح کو ظاہر پر نثار کر دیا تھا۔

یہ مان لینا آسان ہے کہ فیضی ہاں میں ہاں ملانیوالوں میں ضرور تھا۔ لیکن یہ یقین کرنا نہایت مشکل ہے کہ اُسکے دلی معتقدات بھی اسلام کے خلاف تھے۔ نلدمن میں جس بلاغت وفصاحت اور وسعت بیانی و زور کلامی کے ساتھ اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھی ہے اور عام مسلمانوں بلکہ عجائز کیطرح ایمان بر معجزات کا اظہار کیا ہے اُس کے مقابلہ میں ایسی روائتیں محض فضول معلوم ہوتی ہیں ہاں میں ہاں ملاتے رہنے کا ثبوت اُس کے اکثر اشعار میں سے ملے گا۔

قسمت نگر کہ در خور ہر جوہرے عطا است　　آئینہ با سکندر دیا اکبر آفتاب

او میکند معائنہ خود در آئینہ   ایں میکند معائنہ حق در آفتاب

رباعی

نورے کہ ز مہر عالم آرا پیداست   از جبہ شاہنشہ والا پیداست
اکبر کہ بآفتاب دارد نسبت   ایں نکتہ زبینات اسما پیداست

ایسے ایسے اشعار کو میزان نقد میں تولنا شاعرانہ مذاق سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اشعار میں یہ لوگ دلی معتقدات نہیں بلکہ صرف طبیعت کی شوخی اور فکر کی تیزی دکھلایا کرتے ہیں شیخ سعدی جیسے ثقہ اور محدث ایک جگہ لکھتے ہیں۔" بازن خویش ہم پہلو بودم۔ خواجوئے کرمانی آمد۔ و در زد۔ گفتم کیستی۔ گفت منم۔ گفتم بازن خویش ہم سخنم۔ زلخم برآشفت کہ مردک چہ میگوئی۔ گفتم آخر شاعر نیستم بہر تو قافیہ گذارم"

اگر مذکورہ بالا اشعار یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ فیضی نے اکبر کو آفتاب پرستی سکھلائی۔ تو عرفی شیرازی کو کیا کہو گے جس کے قصائد میں آفتاب ردیف کا پورا قصیدہ ہی موجود ہے اور جہانتک میرا خیال ہے اس قصیدہ کے سوا اور کوئی قصیدہ اس نے بادشاہ کی مدح میں لکھا ہی نہیں۔

ذہانت وطباعی۔ سینکڑوں لطائف ایسے مشہور ہیں جن سے فیضی کی ذہانت وطباعی ظاہر ہوتی ہے۔ میں اس جگہ صرف دو پر اقتصار کرتا ہوں۔

(۱) سلطنت ایران کا سفیر آیا۔ اور مراسلہ بادشاہ کے ہاتھ میں دیا۔ بادشاہ نے خود ہی کھول لیا۔ سرنامہ نیچے اور پایاں اوپر۔ سفیر کے لبوں پر ذراسی مسکراہٹ نظر آنے لگی۔ فیضی جھٹ بول اٹھا۔" در حضرت ما سخن مگوئید۔ کہ پیغمبر ما نیز امی بود"

(۲) شاہ عباس صفوی کے دربار میں طاہر وحید نے ایک رباعی پڑھی۔ رباعی اس قدر مقبول ہوئی کہ فوراً مراسلہ تیار ہوا اور ایک سفیر ہزار داستان اکبر کیخدمت میں روانہ کیا گیا۔ مراسلہ کا دربار بڑے تزک واحتشام سے ہوا۔ رباعی پڑھی گئی۔

زنگی بہ فراوانی لشکر نازد   رومی بہ سنان و تیغ و خنجر نازد
اکبر بہ خزائن پُر از زر نازد   عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد   طاہر وحید

عباس صفوی شیعہ تھا۔ یہ رباعی سنتے ہی اکبر نے گوشۂ چشم سے فیضی کیجانب دیکھا۔ فیضی کھڑا ہوگیا اور فی البدیہہ یہ رباعی پڑھ دی۔

دریا بہ گہر فلک با ختر نازد | فردوس بہ سلسبیل و کوثر نازد
عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد | کونین بذات پاکِ اکبر نازد — فیضی

سفیر اور عباس کو کھسیانا ہونا پڑا۔ اور شعرائے ایران نے فیضی کی روانی طبیعت کا اقرار کیا۔

وفات۔ اب ہم اس بے نظیر جامع کمالات فاضل کے تذکرہ کو جو شعر و معمہ۔ عروض و قافیہ تاریخ و لغت ادب و انشاء میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ (اور اہلکارانہ قابلیتیں ان سب پر مستزاد) ختم کرتے ہیں۔ بادشاہ کے تقرب و مصاحبت کو فیضی تو غالباً مساعدت بخت۔ یاوری طالع بلندی اقبال تصور کرتا ہوگا۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ درباری زلیست سے اُس کے علم و فضل سے بہت کم فائدہ دنیا کو پہنچا۔ عدیم الفرصت تو تھا ہی۔ عمر نے بھی دفا نہ کی پچاس سال کی عمر میں شنبہ دہم صفر ۱۰۰۴ھ ہجری کو چند روز بیمار رہکر انتقال کیا۔ اکبر بیماری کا حال سُنکر عیادت کیلئے خود آیا۔ سر بالین بیٹھ گیا۔ اور فیضی کا سر تکیہ سے اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اور فیضی کو پکارنا شروع کیا۔ نہایت محبت اور قلق کے لہجہ میں چند بار کہا "فیضی! آنکھیں کھولو۔ دیکھو میں تیرے پاس آیا ہوں۔ حکیم علی گیلانی کو ساتھ لایا ہوں" مگر فیضی پر ایسی گہری بیہوشی طاری تھی کہ نہ اُس نے آنکھ کھولنی تھی نہ کھولی۔

ابوالفضل لکھتا ہے کہ مرنے سے چار روز پیشتر مجھکو کہا کہ بادشاہ سے ۴ یوم کی رخصت لیکر میرے پاس ہی بیٹھ رہو۔ میں نے رخصت لیلی۔ چوتھے روز ہی انتقال ہوگیا اور پیشین گوئی صحیح نکلی۔ صاحب جامع التواریخ لکھتا ہے کہ شیخ فیضی اور کمال جید حکیم ہمام کا بہ ترتیب ذکر ایک ماہ کے اندر انتقال ہوا۔ "سکندر اشک حسرت ریخت کافلاطوں ز عالم شد"۔

عبد الحمید کاتب

عبدالحمید اپنی فصاحت و بلاغت۔ انشاء و کتابت کیلئے وہی شہرت عربی زبان کے سحر پردازوں میں رکھتا ہے جو علامہ ابوالفضل فارسی کے انشاء نگاروں میں۔ یا اس سے بھی بڑھکر۔ کیونکہ عبدالحمید کو موجد طرز خاص تسلیم کیا گیا ہے۔

عبدالحمید ابتداء میں مکتب پڑھایا کرتا تھا۔ لیکن آخر میں مروان بن محمد آخر ملوک بنی اُمیہ

کا میر منشی بن گیا تھا۔ اس نے انشاء کی اصلاح سالم مولیٰ ہشام بن عبد الملک سے لی تھی، علم اور ادب کا امام۔ اور خطوط و رسائل اور فرامین طرز خاص کا موجد تھا۔ طول و طویل لکھتا۔ اور ہر فقرہ میں بلاغت و جدت کا ثبوت ہوتا۔ اسکے بعد جتنے انشاء نگار ہوئے سب نے اسکی طرز کو اختیار و پسند کیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے حمد کے متعلق خطوط میں التزام کیا تھا۔

ایک روز کسی افسر نے ایک حبشی غلام اسکے پاس ہدیہ میں بھیجا۔ چند احباب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ ایک مختصر خط میں اس کی رسید لکھو جس سے بھیجنے والے کی مذمت بھی نکلے۔ عبد الحمید نے قلم اٹھا کر لکھدیا۔ کہ اگر دنیا میں سیاہ رنگ سے بدتر کوئی رنگ اور ایک سے کمتر کوئی عدد ہوتا تو میں بھی ہدیہ پیش کرتا۔

ایک شخص آیا اور اس نے کسی کے نام سفارشی خط چاہا۔ عبد الحمید نے اس کے ہاتھ پر لکھ دیا "اس نے آپکو امید گاہ اور مجھے شفاعت خواہ سمجھا۔ میں اپنا کام کئے دیتا ہوں امید ہے کہ آپ بھی اسکے خیال کو سچا ثابت کرینگے"

عبد الحمید کہا کرتا تھا۔ بہترین انشاء وہ ہے جسکے الفاظ مردانہ اور معانی معشوقانہ ہوں۔ کہا کرتا "قلم وہ شجر ہے جسے الفاظ کے پھل لگتے ہیں اور فکر وہ بحر ہے۔ جس سے دُرِ حکمت نکلتے ہیں۔"

عبد الحمید نے صرف ایک ہی گھوڑا اپنی سواری میں رکھ چھوڑا تھا اور ہمیشہ اسی پر سوار ہوا کرتا تھا۔ مروان نے اسکی وجہ پوچھی کہا کھاتا کم ہے اور لمبا زمانہ کاٹ چکا ہے" پوچھا رفتار کا کیا حال ہے کہا۔ صرف چابک اسکا ہمرکاب ہوتا ہے اور صرف جانے مقصود اس سے آگے۔ جب کبھی میں نے اسے چابک لگایا۔ تو اسپر ظلم کیا ہے۔

جب مروان کو بنو عباس کی متواتر فتوحات سے یقین ہو گیا کہ سلطنت نہ رہیگی تو عبد الحمید کو کہا بہتر ہے کہ تم ظاہرا باغی بنکر دشمن سے جا ملو۔ تمہارے فضل و کمال کی انہیں حاجت ہے وہ جلد تمپر بھروسہ کر لیں گے پھر اگر تم مجھے کسیطرح کا نفع پہنچا سکو گے تو بہت خوب ہوگا۔ ورنہ تمہاری عزت و آبرو تو بہر حال بنی رہے گی اور یہ بھی میرے لئے کچھ کم اطمینان کا موجب نہ ہوگا۔ عبد الحمید نے کہا کہ میں حضور کے ارشاد کو سمجھ [illegible] اس کے دونوں پہلو خراب ہیں۔ اور حضور کیلئے دو نو صورتیں اچھی [illegible] اور کیا کر سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ یا آپکو فتح دے اور مجھے کامران بنائے [illegible]

چمکاتے۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

أسَرُّ وَفَاءً ثُمَّ أظْهِرُ غَدْرَهٗ — فَمَنْ لِي بِعُذْرٍ يُوسِعُ النَّاسَ ظَاهِرَهُ

چند روز کے بعد مروان پکڑا گیا۔ اور قتل ہوا۔ تو عبد الحمید بھاگ گیا۔ ایک گاؤں میں پہنچا۔ اُسکا نام پوچھا۔ تو معلوم ہوا البوصیر۔ عبد الحمید اِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْر پڑھ کر ٹھیر گیا۔ وہیں اسکا دوست ابن المقفع تھا۔ اُس کے پاس جا ٹھیرا۔ سوار تعاقب میں تھے۔ وہ سراغ لیتے ہوئے اُسی کمرہ میں پہنچے۔ جہاں دونوں احباب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ تم میں سے عبد الحمید کون ہے۔ یکبارگی دونوں کے منہ سے آواز آئی۔ میں۔ ابن المقفع نے میں کہنے میں اس لئے جلدی کی کہ اُسکی آفت خود جھیل لوں۔ اور عبد الحمید نے اس لئے کہ میری مصیبت کا نشانہ میرا دوست نہ بن جائے۔ سوار حیران تھے۔ کہ کسے گرفتار کریں۔ عبد الحمید نے کہا۔ کہ تم کو حلیہ بھی بتلایا گیا ہوگا۔ دیکھو میرے حلیہ میں یہ اور یہ علامات پائی جاتی ہیں جو تم کو ضرور بتلائی گئی ہونگی۔ اور یہ ایسے نشانات ہیں جو دوسرے شخص میں ہرگز نہ پائے جائیں گے۔

سواروں نے غور اور تامل کے بعد اُسی کو گرفتار کر لیا۔ سفاح عباسی کے سامنے اسے حاضر کیا گیا۔ اُس نے عبد الجبار کوتوال کے سپرد کر دیا۔ اس سنگدل گرگ طبع نے جس بُرے طریق پر اسکی جان لی ہے اس سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ طشت میں آگ بھر کر اس کے سر پر رکھدیا جاتا۔ آگ بجھ جاتی تو اور ڈال دیتے۔ دماغ ہنڈیا کیطرح پکا۔ اور اس مستقل مزاج کاتب بلیغ نے تلخ موت کا ذائقہ کشادہ پیشانی سے چکھا۔

یہ واقعہ ذی الحجہ ۱۳۲ھ کا ہے۔ شروع میں عبد الحمید کو ابو الفضل بتلایا گیا تھا۔ سو تلخ انجامی اور جوانمردی میں بھی دونوں کے اندر وجہ تشبیہ موجود ہے۔

عبد الحمید نے ایک وصیت اہلکاران دربار کے نام لکھی تھی۔ ذیل میں اُس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ یہ آج سے ایک ہزار یا گیارہ صدی پیشتر کے خیالات ہیں ان کے مقابلہ میں چسٹر فیلڈ وغیرہ کے خیالات کا موازنہ کرنا چاہیئے۔

اے اہل قلم۔ خدا تمھیں آفات سے بچائے۔ توفیق خیر دے اور راہ ہدایت دکھلائے۔ یاد رکھو کہ انبیاء اور ملوک کے بعد نسل انسانی کی چند صنفیں ہیں (گو بلحاظ نوع وہ سب ایک ہیں) ہر ایک صنف کے اسباب معاش جدا ہیں۔ اور ابواب رزق جدا۔ خدا نے تمکو اہل قلم۔ اہل ادب و اہل علم بنایا۔ اور بہترین صنف میں ٹھیرایا۔ محاسن سلطنت کا انتظام اور امور سیاست کا

قیام تم لوگوں پر ہی منحصر ہے۔ تمہارا نیک رویہ سلطنت کو مخلوق کی بہبود کا ذریعہ بناتا۔ اور آبادی ملک کا سبب بنتا ہے۔ ملک اور ملک کا تمہارے بغیر چارہ نہیں تم مالکان سلطنت کیلئے اُن کے سننے والے کان۔ دیکھنے والی آنکھیں بولنے والی زبان۔ اور کام کرنیوالے ہاتھ ہو خدا تمہاری اس برتری کو جو تمہیں دیگر اصناف پر ہے قائم رکھے۔ اور جس دسترخوان پر تمہیں بٹھایا گیا ہے اس سے ذائقہ یاب ہونے کی توفیق دے۔ میں اس تحریر میں اُن صفات کا ذکر کروں گا۔ جنکی ضرورت تم کو خود اپنے لئے بھی ہے۔ اور اپنے آقا کا بھروسہ حاصل کرنے کے لئے بھی۔

اہلکار کے لئے ضروری ہے کہ بردباری کی جگہ حلیم۔ اور حزم رسی کے موقع پر فہیم۔ جہاں آگے بڑھنا چاہیئے بڑھ جائے۔ اور جہاں ہٹنا چاہیئے ہٹ جائے۔ فسق و فجور کا دشمن اور عدل و انصاف سے مزین ہو۔ راز کا بہت چھپانیوالا۔ اور سختیوں میں پورا اُترنے والا ہو۔ ہر امر و ہر طریق کی مناسبات کا شناسا ہو۔ فنون علم میں سے ہر فن میں کمال رکھتا ہو اگر کمال نہ رکھتا ہو تو بقدر ضرورت ہر ایک میں اُسے دخل تو ضرور ہو۔ وہ اپنی صائب رائے اور وسیع تجربہ کاری سے ہونے والی صورتوں کو ہونے سے پہلے۔ اور معاملات کے انجام کو خاتمہ سے پیشتر معلوم کر سکتا اور ہر ایک کیلئے تدبیر نکال سکتا ہو۔

ہاں اے اہلقلم صنوف آداب کے میدان میں آگے بڑھنے کیلئے نکلو۔ اور تفقہ فی الدین حاصل کرو۔ پہلے قرآن مجید اور فرائض سیکھنے چاہئیں۔ اور پھر عربیت (کیونکہ زباندانی کا معیار یہی ہے) خوش خطی ضروری چیز ہے اور تحریر کا زیور بھی ہے۔ تحریر میں اشعار کا استعمال اور عرب و عجم کے واقعات تاریخیہ کے حوالہ اور عادات و خصائل اہل ملک سے استدلال بھی ضروری ہے اور اسی سے ہمت بلند کا پتہ چلتا ہے۔ دیکھنا علم حساب سے بے خبر نہ رہنا۔ محاصل و مخارج کی جان یہی علم ہے طمع کسی بڑی چیز کی ہو یا چھوٹی کی۔ بالکل چھوڑ دینی چاہیئے۔ اسی سے افسر بگڑتے اور ذلیل ہوا کرتے ہیں۔ تمہیں لازم ہے کہ اپنے پیشہ کو کمینہ پن سے بچاؤ۔ اور اپنے آپ کو غیبت۔ چغلی۔ دو سخنی سے پاک و صاف رکھو تکبر چھچھوراپن۔ لاف زنی سے قطعاً پرہیز چاہیئے۔ ان سے عداوت تو ضرور ہو جاتی ہے۔ اور محبت کبھی بھی نہیں۔ اہلقلم کے ساتھ للّٰہی محبت رکھو۔ اور جو کچھ اہل فضل و کمال کو شایاں ہے اسکے لئے باہمی نصیحت کرتے رہو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص گردش زمانہ میں آجائے

تو اُسکے ساتھ نرمی و محبت اور سلوک سے دریغ نہ کرو۔ اور اگر کسی کو پیرانہ سالی و ضعف قُوای نے ملنے جلنے سے معذور کردیا ہو۔ تو خود جاکر اُس سے ملتے رہو۔ اور اہم معاملات میں اس سے مشورہ لیتے رہو۔ اور اُس کی وسعت معلومات اور تجربہ سے فائدہ اُٹھانے میں لیس و پیش نہ کرو۔ اور اپنے آقا کے ساتھ اُس کے فرزند و برادر سے بڑھکر سلوک کر کے دکھاؤ۔ اگر کسی کام سے نیک نامی اور خوبصورتی نکلتی ہو تو اُسے آقا سے منسوب کرو۔ اور جس سے نقص یا مذمت نکلے۔ اُسے دیگر اسباب سے۔ اگر آقا کیحالت میں تغیر آجائے تو اسوقت تمکو لغزش و ذلت سے بچنا چاہیئے اور اُس کا ساتھ دینے میں غم و اندوہ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اور روں کی بہ نسبت تم بدنام بھی جلد ہو سکتے ہو۔

(میں اسی بات کو پھر دلنشین کرنا چاہتا ہوں) کہ جو تمہاری ضروریات کا متکفل رہا۔ اور ہمیشہ تمہاری تربیت کا اُس نے خیال رکھا۔ تو اُسکے ساتھ تنگی و ترشی ناکامی و بدبختی میں بھی اسیطرح رہنا چاہیئے۔ جسطرح نعمت و دولت۔ ترفہ و احسان کی حالت میں تھے۔ یہ خصلت بہت بڑھ کر ہے۔ خدا جسکے نصیب کر دے۔

جب کوئی شخص تمہارا مخالف ہو جائے۔ یا رعایا کا بڑا معاملہ آپڑے اُس وقت اپنے دل کو خدائے عزّ و جل کیطرف لگا کر مراقبہ کرنا چاہیئے۔ اور اُسکی طاعت کو اپنے نفس پر حاکم کر لینا چاہیئے۔

اہلکار کو لازم ہے کہ ضعیف کا رفیق ہو۔ اور مظلوم کا انصاف کرے۔ یاد رکھو۔ کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور وہی شخص خدا کو زیادہ پیارا ہوتا ہے جو اُسکے کنبہ پر زیادہ مہربان ہے لازم ہے کہ حکومت عدل کے ساتھ کرے۔ اشراف کی عزت کرتا رہے۔ آبادی ملک اور آمدنی سلطنت کی ترقی میں کوشاں رہے رعایا کیساتھ محبت رکھے۔ اور جس جس چیز سے انہیں تکلیف ہوتی ہو۔ اُس کا دشمن رہے۔ ملاقات کیوقت بردباری اور تواضع کا اظہار کرے حقوق سلطنت کو پورا کرنے اور محاصل کی تشخیص میں نرم برتاؤ کرے۔ جب کسی نئے شخص کے تعلقات تمہارے ساتھ شروع ہوں تو اُس کی عادت پر خوب غور و پرداخت کرو۔ پسندیدہ عادات میں ساتھ دو۔ اور ناپسندیدہ کو بہترین تدابیر سے درست بناؤ۔ اس چابک سوار کو دیکھو۔ جسکا کام گھوڑے کو سدھانا ہے۔ وہ سب سے پہلے اُسکے مزاج سے واقفیت حاصل کریگا۔ اگر گھوڑا لات چلانیوالا ہے تو سوار ہوتے ہوئے اُسے چابک نہیں لگاتا۔ اور اگر

سیدھا کھڑا ہونیوالا ہے تو اُسے روک کے رکھتا ہے۔ اور جب دیکھتا ہے کہ نہیں رُکتا۔ تو زیر بند لگا دیتا ہے۔ اگر گھوڑا سرکش ہوتا ہے تو یہ نرمی و آہستگی اسکی طبیعت پر چھوڑ کر سیدھا کر لیتا ہے۔ اور جب خوگر ہونے لگا تو پورا پورا سدھا لیتا ہے۔ اس مثال میں اس شخص کے لئے جس نے بنی آدم پر ریاست کرنی ہو بہت سے دلائل ہیں بلکہ مدبّر کا کام اُس سے بھی زیادہ نازک ہے۔ کیونکہ چابک سوار کا تعلق ایک حیوان سے ہے جسے فہم و خطاب و معرفت صواب اور قدرت جواب حاصل نہیں (اور جو تھوڑی سی سمجھ ہے بھی وہ کبھی بحذود) برخلاف مدبّر کے جسکا تعلق اپنے ہی جیسے بنی نوع سے پڑتا ہے۔ پس ضرور ہے کہ نرمی کے ساتھ غور کرے اور کامل فکر و روّیت کے بعد حکم دے۔

تم اُن لوگوں کے ساتھ جن کا سابقہ تم سے پڑتا ہے صلح جوئی و امن خواہی سے چلو اور حلم و برداشت رکھو۔ سب تمہارے موافق ہو جائیں گے اور برادرانہ محبت و شفقت قائم ہو جائے گی۔

یہ بھی یاد رکھو کہ مکان۔ لباس۔ سواری۔ خورد و نوش۔ نوکر چاکر۔ سلاحات وغیرہ میں ضرورت اور آسائش سے بڑھکر تجاوز نہ کرو۔ کیونکہ خواہ تم کیسے ہی اعلےٰ عہدہ پر ہو۔ تاہم ایک خادم ہو جسکی تقصیر خدمت قابل معافی نہیں ہے۔ یا ایک محافظ ہو۔ جسے ضائع کر سکنے کا کوئی اختیار نہیں۔ میانہ روی کو اپنی پرہیزگاری کا معین بناؤ۔ اور فقرہ بالا پر اچھی طرح سے کاربند رہو۔ میں تم کو بیہودہ آرائش پسندی کے بُرے انجام اور اسراف کے خوفناک خاتمہ سے ڈرانا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کا لازمی نتیجہ فقر و ذلت ہے۔ جو شخص ان کو پسند کرتے ہیں وہ اپنی کو خوار و نگوں سار بناتے ہیں۔

معاملات کی حالت یہ ہے کہ آپس میں ملتے جلتے ہوا کرتے ہیں اس لئے پچھلے تجربہ سے سامنے آئے ہوئے معاملہ میں کام لینا چاہیئے۔ اور تدبیر کی وہ راہ اختیار کرنا چاہیئے جسپر واضح اور سچی دلیل قائم ہو سکے۔ نیز جو انجام بخیر ہو۔

یاد رکھو کہ تدبیر کیساتھ ایک آفت بھی لگی ہوئی ہے یعنی مدبّر کی مصروفیت اجسکی وجہ سے وہ اپنے علم و تجربہ سے کام نہ لے سکے۔ پس شایان یہ ہے کہ اپنی جگہ بیٹھ کر بولنے سے پہلے پورا غور کرے اور سوال و جواب میں مختصر و پرمعنی الفاظ استعمال کرے۔ اور دلیل کے ہر ایک پہلو پر نظر دوڑائے۔ اس طریق سے کام اچھا بھی ہوگا۔ اور زیادہ مصروفیت سے آرام بھی ملیگا۔ معہذا

ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق وامداد کا بھی ملتجی رہے۔ کہ اسے ایسی غلطی میں جسکا ضرر مادی وعقلی واخلاقی ہو جا پڑنے سے محفوظ رکھے۔

کسی شخص کو لائق وکارکن دیکھ کر۔ تم ایسا خیال نہ کرو کہ یہ صرف اپنی چالاکی وتدبیر سے ایسا ہو گیا ہے۔ ایسا خیال کرنا تو اللہ تعالےٰ کیساتھ حسن ظن سے تعرض کرنا ہے اور بمنزلہ اس امر کے ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے نفس پر ہی چھوڑ دے۔ جو ہرگز کافی نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی نہ چاہیئے کہ تم اپنے آپ کو دیگر شریک الخدمت اہلکاروں سے علم وتجربہ میں بڑھ کر سمجھتے رہو۔ اور دل میں کہا کرو کہ شطرنج تدبیر کا کھلاڑی ہمارے برابر کوئی بھی نہیں دو شخصوں میں زیادہ تر عاقل [redacted] ہے جو غرور کو پس پشت ڈالکر اپنے رفیق کے طریق وتدبیر کو بہتر سمجھتا ہو اور دونوں کو لازم یہ ہے کہ نعمت ہائے ربانی کے فضل کا شناسا ہو۔ مگر نہ اپنی رائے پر اترائے اور نہ اپنے آپ کو بڑا ٹھیرائے اور نہ اپنے بھائی یا مصاحب یا شریک الخدمت کو حقیر سمجھے۔

میں اپنی تحریر کو حمد آلہی پر جو سب پر فرض ہے ختم کرتا ہوں۔ کون ہے جسے عظمت آلہی کے سامنے تواضع اور عزت آلہی کے سامنے ذلت اختیار کرنی نہ چاہیئے۔ یا اپنے دل وزبان کو ذکر نعمتہائے ربانی میں تر زبان نہ رکھنا چاہیئے؟

ابوبکر محمد بن زکریا رازی

یہ مشہور ونامی طبیب عنفوان شباب تک جاہل رہا۔ لڑکپن میں عود بجاتا اور گایا کرتا تھا۔ جب داڑھی نکل آئی اور گلے کا رسیلاپن جاتا رہا۔ تو کہا کہ جو آواز ریش وبرودت میں سے نکلتی ہے وہ دوسرے کو خوش نہیں کر سکتی۔ الغرض خنیاگری ونغمہ سرائی کو چھوڑکر پڑھنا شروع کیا اور طب وفلسفہ کی جانب کامل توجہ سے مصروف ہو گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ جب اُس نامی طبیب نے پڑھنا شروع کیا۔ اُسوقت وہ چہل سالہ تھا طب میں اُسکا اُستاد حکیم ابوالحسن علی بن زین الطبری ہے جو پہلے عیسائی تھا اور پھر مسلمان ہو گیا تھا۔ فردوس الحکمۃ اُسی کی تصنیف ہے۔

محمد بن زکریا اپنے زمانہ میں طب کا امام تھا۔ دور دور سے لوگ اسکے پاس علم پڑھنے اور علاج

کرانے کیلئے آیا کرتے تھے. طب میں جس قدر کتابیں اس نے تصنیف کی ہیں وہ سب نافع اور فوائد جلیلہ کی جامع ہیں۔ جو مسئلہ اطبا کے نزدیک مختلف فیہ سمجھا جاتا ہے اس میں ابن زکریا کا قول محکم تصور کیا جاتا ہے۔ اسکی تصانیف میں سے کتاب الاعصاب۔ کتاب الجامع کتاب الحاوی۔ بہت بڑی کتابیں ہیں۔ مؤخر الذکر کتاب تیس ضخیم جلدوں میں ہے۔ کتاب المنصوری جسے منصور بن نوح سامانی کے نام سے معنون کیا اسکی تصانیف میں سب سے چھوٹی کتاب ہے لیکن مسائل علمیہ اور عملیہ اس میں بھی چیدہ چیدہ درج کئے ہیں۔

آخر عمر میں یہ مشہور فاضل نابینا ہو گیا تھا۔ اور اسکا سبب بھی اسکی ایک مصنفہ کتاب تھی جو صناعت کیمیا پر لکھی گئی تھی اور جسمیں کیمیا کے صحیح ہونیکے دلائل اور چاندی سونا بنانیکے نسخے اور ترکیبیں متعدد درج ہیں حکیم اس کتاب کو لیکر بغداد سے خراسان پہنچا اور منصور بن نوح بادشاہ کے حضور میں اسے پیش کیا۔ بادشاہ نے کتاب کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھا اور حکیم کی بہت ہی تعریف کی نیز ایک ہزار اشرفی صلہ میں عطا فرمائی کچھ دن کے بعد بادشاہ نے کہا کہ جو کچھ اس کتاب میں درج ہے میں اسکا تجربہ کرنا چاہتا ہوں حکیم نے کہا اسکے لئے ہزاروں روپیہ چاہئیں پھر خاص خاص آلات ہوں اور تمام ادویہ چیدہ اور عمدہ ہوں. پھر نہایت محنت کے بعد کچھ نتیجہ نکل سکتا ہے بادشاہ نے کہا یہ سب کچھ مجھے منظور ہے اور تمام سامان کا مہیا کر دینا میرا ذمہ ہے۔ ابن زکریا خاموش ہو گیا۔ اور بادشاہ نے اپنی بات پر زور دینا شروع کیا آخر حکیم سے بجز اقرار عجز اور کچھ نہ بن پڑا بادشاہ نہایت خفا ہوا۔ کہا میں نہ سمجھتا تھا کہ ایک ایسا شخص جو طب و فلسفہ میں شہرت یافتہ ہے اپنی مصنفہ کتاب میں ہمیشہ کیواسطے جھوٹ کا پھیلانا پسند کریگا۔ اور خلق خدا کو ایسی مشقت و تعب میں ڈالنا چاہیگا۔ جس میں کچھ منفعت نہو۔ خیر تصنیف کتاب میں جو محنت اور وقت تم نے صرف کیا اسکا صلہ تمکو دیا جا چکا۔ لیکن اب اس جھوٹ پھیلانے کی سزا تمکو دیجاویگی اسکے بعد حکم دیا کہ کتاب کو حکیم کے سر پر اتنی دفعہ مارو۔ کہ کتاب پارہ پارہ ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ اسی ضرب کے صدمہ سے حکیم کی آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ اور بینائی جاتی رہی حکیم نے بھی کچھ علاج نہ کیا۔ کہا دنیا کو دیکھکر طبیعت سیر ہو گئی ہے اب بینائی کو کیا کرونگا۔

یہ قصہ اُن لوگوں کیلئے سبق عبرت ہے جو کیمیا سازی کی دھن میں عمر گراں کو برباد کر دیتے ہیں اور بالآخر خانہ خراب ہو جاتے ہیں (اس حکیم کے مقولے یہ ہیں) (۱) جبتک غذا سے علاج ہو سکتا ہے اس وقت تک دوا نہ دو۔ (۲) جبتک مفرد دوا سے کام چل سکتا ہے مرکب ادویہ کا استعمال نہ کرو۔ (۳) جب طبیب عالم ہو اور مریض اسکی اطاعت کرتا ہے تو سمجھ لو کہ مرض جلد جاتا رہیگا (۴) مرض کا علاج ابتدا ہی میں کرنا چاہیئے کیونکہ اس وقت تک طاقت بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس مشہور حکیم نے سنہ ۳۱۱ھ کو انتقال کیا تھا۔

قاضی القضاۃ

قاضی شریح

کبار تابعین میں سے تھے۔ زمانہ جاہلیت بھی پایا تھا حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر فرمایا ۷۵ برس برابر قاضی رہے۔ اس عرصہ میں صرف تین سال قضا سے باز رہے۔ یہ زمانہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کا تھا۔ آخر میں حجاج بن یوسف نے ان سے استعفاء لے لیا تھا۔ اس کے بعد کبھی دو شخصوں کے جھگڑے میں گفتگو تک نہ کی۔ رائے صائب عقل صحیح ذکاء و فطنت رسم و رواج سے پوری معرفت کی مجموعی شان سے ان میں قضا کی اعلیٰ قابلیت تھی

ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ قاضی شریح نہایت عمدہ شاعر تھے۔ اور مساوات امر میں سے ایک تھے۔ جو چار شخص ہیں عبداللہ بن زبیر قیس بن سعد بن عبادہ۔ احنف بن قیس (جو بردباری میں ضرب المثل ہیں) طبیعت میں مزاح بھی تھا۔

ایک شخص نے عورت کے رخصت کرانیکا دعویٰ کیا تکمیل مسل کے بعد مدعی کو کہا کہ میں تیری ماں کے بیٹے (یعنی تیرے) حق میں فیصلہ کرتا ہوں، اور اس بارہ میں تیری خالہ کے بہن کے بیٹے (خود مدعی مراد ہے) کی شہادت کافی سمجھتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت میں ان کو معطل کرنا چاہا تھا لیکن لوگوں نے کہا کہ فاروقؓ کے مقرر کردہ قاضی کے سوا ہم دوسرے پر رضا مند نہیں اس لئے حضرت مرتضیٰ خاموش ہو گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے جامع مسجد میں سب لوگوں کے سامنے انکی لیاقت کا امتحان لیا۔ اور جب انکی قابلیت و جوہر کے اوصاف معلوم ہوئے تو افضل الناس یا افضل الحزب کا خطاب عطا فرمایا۔

ایک دفعہ انہوں نے اپنی بیوی کو مارا۔ پھر اس حرکت پر نادم ہوئے تو اشعار ذیل تصنیف کئے۔

رَاَیْتُ رِجَالًا یَضْرِبُوْنَ نِسَاءَھُمْ — فَشَلَّتْ یَمِیْنِیْ یَوْمَ اَضْرِبُ زَیْنَبَا

اَاَضْرِبُھَا مِنْ غَیْرِ ذَنْبٍ اَتَتْ بِهٖ — فَمَا الْعَدْلُ مِنِّیْ ضَرْبُ مَنْ لَیْسَ مُذْنِبَا

فَزَیْنَبُ شَمْسٌ وَّالنِّسَاءُ کَوَاکِبُ — اِذَا مَا طَلَعَتْ لَمْ تُبْقِ مِنْھُنَّ کَوْکَبَا

"مینے دیکھا کہ لوگ اپنی اپنی عورتوں کو مارا کرتے ہیں چنانچہ میرا ہاتھ بھی زینب کو مارنے لگا۔ کیا میں اُسے بلا قصور کے مارتا ہوں۔ بلا قصور کو مارنا تو عدل میں داخل نہیں۔ زینب تو آفتاب ہے اور دیگر عورتیں ستارہ۔ عورتیں اُس کے سامنے یوں چھپ جاتی ہیں۔ جیسے آفتاب کے سامنے کواکب"

کہتے ہیں زیاد بن سمیّہ نے امیر معاویہ کو لکھ بھیجا کہ عراق کا نظم ونسق تو مینے بخوبی کردیا۔ اب حجاز کو میرے دستِ راست کا ماتحت بنادے تاکہ اُسے بھی عمدہ انتظام کے ساتھ تیرے لئے خاص بنادوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے۔ دعا کی کہ خداوندا ہمیں زیاد کے پنجہ سے بچا۔ خدا کی قدرت اُسکے ہاتھ پر طاعون کے آثار نمایاں ہوگئے۔ زیاد نے طبیبوں کو جمع کرکے مشورہ لیا تو سب نے ہاتھ کو کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا۔ پھر قاضی شریح بلائے گئے اور مشورت اطباء کے متعلق اُن کی رائے دریافت کیگئی۔ فرمایا تیرے لئے رزق معلوم اور اجل محتوم ہے اور میں پسند نہیں کرتا۔ کہ آپ زندہ رہیں اور دست راست آپکے ساتھ نہ ہو۔ یا اگر موت قریب آچکی تو آپ خدا کے حضور میں دست بریدہ پہنچیں۔ اور جب اس بارہ میں سوال کیا جائے تو یہ کہنا پڑا کہ قضائے الٰہی سے بھاگنے کیلئے مینے ایسا کیا تھا۔ خیر زیاد تو طاعون سے اسی روز مرگیا۔ لیکن عام لوگ جن کو زیاد سے بغض دلی تھا۔ شریح کو ملامت کرنے لگے کہ اُس کا ہاتھ کیوں قطع نہ ہونے دیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا۔ کہ اُس نے مجھ سے مشورہ لیا تھا۔ اور مشورہ میں امانت[1] کا حکم ہے اگر یہ حکم نہ ہوتا۔ تو میں دل سے تو پسند کرتا تھا کہ ہر روز اس کا ایک ایک عضو قطع کیا جاتا۔

مولانا شبلیؒ نے الفاروق میں قاضی شریح کی تقرری قضاء کا واقعہ یوں درج کیا ہے کہ "حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کیلئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھاکر داغی ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اسپر نزاع ہوئی۔ اور شریح ثالث مقرر کئے گئے انہوں نے کہا کہ اگر گھوڑے کے

[1] المستشار مؤتمن۔ الحدیث۔ ۱۲ خادم

مالک سے اجازت لیکر سواری کیگئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے اور اُسی وقت شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ پر ایک غیر مذہب نے قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت علیؓ اُس وقت خود خلیفہ اسلام تھے۔ فریقین طلب ہوئے۔ قاضی شریح نے حضرت علیؓ کو عدالت میں تعظیم دی تو جناب ممدوح نے فرمایا کہ قاضی یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔

اللہ اکبر جس مبارک زمانہ میں بادشاہ وقت ایک غریب رعایا کی برابر عدالت میں حاضر کیا جا سکتا ہو۔ اُسکی آزادی کا کیا ٹھکانا ہے۔ اور جہاں بادشاہ وقت کو بے موقع تعظیم دینا بھی قابل گرفت حرکت سمجھی جا کر اُس کا ظلم بتایا جاتا ہو وہاں عدالت کرنا کیسا مشکل امر ہے۔

۸۰ھ میں ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

یعقوب نام ابو یوسف کنیت۔ قاضی القضاۃ خطاب ۱۱۳ھ کو پیدا ہوئے ہنوز آغوش مادر میں شیر خوار تھے کہ باپ نے انتقال کیا۔ بکیس ماں چرخہ کات کر اپنی گذران اور اس یتیم یادر یتیم کی پرورش کیا کرتی۔ جب کچھ ہوش سنبھالا تو ماں نے ایک ٹھٹھیرے کی دوکان پر ظروف مسی کا بنانا سیکھنے کیلئے بٹھلایا۔ قریب ہی حضرت امام اعظمؒ کا درس تھا۔ یہ دوکان سے اُٹھکر درس میں جا بیٹھتے۔ دُکھیا ماں کو جب دوکاندار سے معلوم ہوتا کہ اُس کا بچہ دوکان سے غائب ہے تو وہ حلقہ درس میں سے اٹھا کر ان کو لیجاتی۔

امام رحمۃ اللہ علیہ نے چند بار اسیطرح ملاحظہ فرمایا۔ اور ابو یوسفؒ بھی چند روز تک درس سے غیر حاضر رہے حتی کہ امام نے خود ان کو طلب فرمایا۔ اور غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ کہا ماں کی اطاعت اور معاش کی ضرورت مجھے غیر حاضر رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ اُس وقت امام رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ ان کو بٹھلائے رکھا۔ جب سب چلے گئے۔ تو سو روپیہ ان کے حوالے کئے۔ اور فرمایا کہ درس میں آیا کرو۔ جب یہ خرچ ہولیں تو پھر مجھ سے کہہ دینا۔ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تو زبان سے کبھی نہ کہا کہ آج روپیہ ختم ہو گئے لیکن

جس روز وہ ختم ہو جاتے۔ خدا کی قدرت اُسی روز امام رحمۃ اللہ علیہ مجھے اور روپیہ دیدیتے غرض امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی شفقت اور ایسی تربیت کیساتھ انکو روحانی وجسمانی فوائد و فیوض سے مالا مال بنا دیا۔ کہ عمر کے آخری حصہ میں انہوں نے دین اور دنیا دونوں سے کافی تمتع اُٹھایا۔

ابو یوسفؒ خود ہی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری ماں مجھے حلقہ درس سے اُٹھانے کیواسطے آئی۔ اور جھنجھلا کر امام رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگی کہ لڑکے کو تو خراب کرتا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ یہ بے پدر بچہ آنہ دو آنہ کا روزگار سیکھ لے تو اچھا ہے اور تو اُسے کتابوں میں لگا لیتا ہے۔ امام نے فرمایا۔ کہ یہ علم پڑھ کر روغن پستہ کیساتھ فالودہ کھایا کریگا۔ بڑھیا غصہ میں باہر نکل گئی۔ اور گلی میں جا کر کہا کہ یہ بوڑھا سٹھیا گیا جو ایسی باتیں کرتا ہے۔

ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں ایک روز (قاضی القضاۃ بن جانے کے بعد) ہارون رشید کے پاس سے اُٹھنے لگا۔ اُس نے کہا یعقوب بیٹھ جاؤ۔ آج ہمارے ایک چیز تیار ہوتی ہے جو ہمیشہ تیار نہیں ہوتی۔ تم بھی کھا کر جانا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ کہا روغن پستہ والا فالودہ میں سُنکر ہنس پڑا۔ رشید نے وجہ پوچھی میں نے ٹالنا چاہا۔ مگر جب اُس نے نہایت اصرار کیا۔ تو میں نے تمام قصہ سنا دیا۔ خلیفہ بھی نہایت متعجب ہوا۔ اور بولا بخدا علم میں دینی اور دنیوی فوائد دونوں ہیں۔ پھر ابو حنیفہؒ پر رحمت بھیجکر کہنے لگا کہ جو کچھ وہ سر کی آنکھوں سے نہ دیکھ سکتے تھے اُسے چشم دانش سے دیکھ لیتے تھے۔

تنوخی نے خلیفہ ہارون رشید کے پاس ابو یوسفؒ کی رسائی ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ کے انتقال کے بعد ابو یوسفؒ کوفہ سے بغداد چلے آئے تھے۔ ایک فوجی سردار کو حنث یمین (قسم کا ٹوٹنا) کے متعلق ایک مسئلہ کی ضرورت پڑی۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ قسم نہیں ٹوٹی۔ اُس نے شکرانہ میں بہت سا روپیہ پیش کیا اور اپنی ہمسائیگی میں مکان رہنے کو دیدیا۔ ایک روز یہی فوجی افسر خلیفہ کے پاس گیا دیکھا مغموم بیٹھا ہے۔ وجہ دریافت کی کہا ایک مسئلہ کے متعلق مجھے خلش ہو رہی ہے کسی فقیہہ کو لاؤ۔ یہ سردار امام ابو یوسفؒ کو لیگیا خود اُنکا بیان ہے کہ جب میں ایوان کے دروازہ میں داخل ہوا۔ تو ایک کمرہ میں ایک حسین نوجوان قید دیکھا۔ اُس نے میرے سامنے گڑگڑاتے ہوئے ہاتھ پھیلائے۔ مگر میں اُس کا مدعا کچھ نہ سمجھا۔ اندر گیا تو خلیفہ نے پوچھا کہ بادشاہ کسی زانی پر اپنے ذاتی معائنہ پر حد شرعی جاری

کرسکتا ہے؟ میں نے کہا نہیں خلیفہ نے سنتے ہی سجدہ کیا۔ پھر دریافت کیا کہ تم کہاں سے کہتے ہو۔ میں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اُدْرَؤُا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ یعنی جب شبہ ہو جاوے تو ملزم پر سزا شرعی جاری نہ کرو۔ ہارون رشید نے پوچھا کہ معائنہ کے بعد کیا شبہ رہ سکتا ہے میں نے کہا کہ معائنہ بھی ایک قسم کا علم ہے اور کوئی شخص اپنے ہی علم سے مجرم کو سزا نہیں دے سکتا۔ خلیفہ نے مکرر سجدہ شکر کیا اور مجھے انعام کثیر دے کر رخصت کیا۔ خلیفہ نے اُس نوجوان کو آزاد کر دیا۔ اور اُس نے بھی بری ہو کر میرے پاس بہت کچھ بھیجا۔ اور اس واقعہ کے بعد خلیفہ میرے حال پر مہربان ہوتا گیا حتی کہ مجھے قاضی القضاۃ بنا دیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابو یوسف ہنوز طالب علم ہی تھے کہ سخت مریض ہو گئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ انکی عیادت کو گئے ہم بھی ساتھ تھے۔ جب واپس ہو کر اُن کے گھر سے نکلے تو امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ جوان مر گیا تو روئے زمین کا عالم ترین شخص مریگا۔

حماد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک روز زفرؒ میرے والد (امام ابو حنیفہؒ) کے دست چپ اور ابو یوسفؒ دست راست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مسئلہ میں بحث کرنے لگے۔ ابو یوسفؒ کی دلیل کو زفر کاٹ دیتے اور زفر کی دلیل کو ابو یوسف غلط ٹھہرا دیتے تھے۔ یونہی ظہر کا وقت آگیا۔ جب مؤذن نے اذان دی تو امام اعظمؒ نے دونوں کو خاموش کر دیا۔ اور زفرؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس شہر میں ابو یوسفؒ ہوگا وہاں تم سردار نہیں کہلا سکتے۔ مطلب یہ کہ ابو یوسفؒ کو ڈگری دی اور جملہ شاگردان امامؒ میں ابو یوسفؒ کے بعد زفرؒ کا ہی درجہ تھا۔

طاہر بن احمد زبیری کہتے ہیں کہ ایک شخص ابو یوسفؒ کے پاس آیا اور دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ انہوں نے پوچھا کچھ فرمایئے بولا روزہ دار روزہ کب افطار کرے۔ فرمایا آفتاب غروب ہو جانے کے بعد۔ وہ بولا اگر آفتاب آدھی رات تک غروب نہ ہو۔ ابو یوسفؒ ہنس پڑے۔ کہا آپکا خاموش رہنا ہی درست تھا۔ پھر یہ قطعہ پڑھا۔

عَجِبْتُ لِاِزْرَاءِ الْغَبِیِّ بِنَفْسِہٖ ۔۔۔ وَصَمْتُ الَّذِیْ قَدْ کَانَ بِالْقَوْلِ اَعْلَمَا
وَفِی الصَّمْتِ سِتْرٌ لِّلْغَبِیِّ وَاِنَّمَا ۔۔۔ صَحِیْفَۃُ لُبِّ الْمَرْءِ اَنْ یَّتَکَلَّمَا

"مجھے بیوقوف کی بیہودہ گوئی اور اپنے آپ کو خود ذلیل کرنے پر اور واقف شخص کے خاموش رہنے پر بہت تعجب آتا ہے۔ حالانکہ بیوقوف کیلئے خاموشی ستر و پردہ ہے اور دانا کیلئے بولنا ہی سرمایہ دانش ہے۔"

شیخ سعدی نے اسی کے حاصل مطلب کو اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

دو چیز تیرۂ عقل است دم فرو بستن — بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

دوسرے شعر میں اسی مطلب کو ایک اور پیرایہ میں ادا کیا ہے ؎

کمال است در نفس انسان سخن — تو خود را بگفتار ضائع مکن

کتاب الجلیس والانیس میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ خط لکھ رہے تھے۔ ایک شخص برابر بیٹھا ہوا دزدیدہ نگاہ سے پڑھنے لگا۔ جب خط لکھا جا چکا۔ تو انہوں نے پوچھا۔ کوئی غلطی تو کہیں نہیں رہ گئی۔ اُس نے (سادہ لوحی سے) کہا نہیں۔ ایک حرف بھی نہیں۔ فرمایا خدا تجھے جزائے خیر دے کہ مجھے پڑھنے کی تکلیف سے بچا دیا۔

یحییٰ بن عبد الصمد کہتے ہیں کہ خلیفہ نے ایک باغ کا دعویٰ ابو یوسفؒ کی عدالت میں دائر کیا بظاہر خلیفہ سچا معلوم دیتا تھا۔ مگر درحقیقت مدعا علیہ جو ایک غریب شخص تھا۔ حق پر تھا۔ ایک روز خلیفہ نے کہا کہ آپ نے میرے مقدمہ میں کچھ فیصلہ نہ دیا؟ انہوں نے مصلحتاً کہا کہ مدعی علیہ یہ کہتا ہے کہ مدعی حلف اُٹھائے کہ اُسکے گواہوں نے صحیح شہادت ادا کی ہے۔ خلیفہ نے کہا کیا مدعی سے ایسا حلف لینے کا قاعدہ ہے؟ ابو یوسفؒ نے کہا ہاں۔ امام ابن ابی لیلیٰ کا یہی مذہب تھا۔ خلیفہ نے کہا مجھے حلف نہ دلاؤ۔ میں دعویٰ سے دست بردار ہوتا ہوں سو امام ابو یوسفؒ کو معلوم تھا کہ خلیفہ حلف نہ اُٹھائیگا اس لئے غریب مدعا علیہ کو بچانے کیو اسطے یہ تقریر کی تھی۔

ایک کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ ہارون رشید کا گزر شہر مبارک (بغداد اور واسطہ کے درمیان لب دجلہ پر ایک شہر کا نام ہے) سے ہوا۔ وہاں کے قاضی نے لوگوں کو کہا کہ خلیفہ اور قاضی القضاۃ کے سامنے میری تعریف کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ یہ قاضی خود ہی لباس بدلکر سر راہ کھڑا ہو گیا جب خلیفہ کی سواری برابر آئی تو کہا اے امیر المومنین ہمارا قاضی بہت ہی اچھا اور بہت ہی سچا ہے۔ وہاں سے آگے بڑھکر دوسرے راہ پر جا کھڑا ہوا۔ اور اسی طرح نعرہ لگایا۔ ہارون رشید نے ابو یوسفؒ کیطرف دیکھ کر کہا کہ جس قاضی کی تعریف ایک شخص کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرتا وہ بیشک اچھا نہ ہوگا۔ ابو یوسفؒ نے کہا حضور کو تعجب ہوگا کہ یہ قاضی خود ہی ہے جو اپنے منہ سے اپنی تعریف کر رہا ہے۔ ہارون رشید ہنس پڑا۔ کہا بیشک اسے کبھی معزول نہ کرنا چاہیئے۔ پھر ابو یوسفؒ نے پوچھا کہ کیا تم ایسے لوگوں کو بھی قاضی مقرر کیا

کرتے ہو۔ کہا مدت تک امیدوار رہا۔ اور سخت لاچار تھا۔ اس لئے میں نے اُسے یہ جگہ دیدی۔

ایک دفعہ ہارون رشید نے پوچھا ہم نے سنا ہے کہ جو لوگ تمہارے سامنے آکر شہادت دیتے ہیں اور تم اُن کی شہادت مان بھی لیتے ہو۔ یہ بناوٹی ہوتی ہیں ابو یوسفؒ نے کہا ہاں یہ میرا قول ہے۔ رشید نے پوچھا کیونکر۔ کہا جو لوگ مستور الحال یا امانتدار ہیں وہ نہ ہم سے واقف اور نہ ہم اُن سے آگاہ۔ اور جن شخصوں کا جھوٹ علانیہ ظاہر ہو چکا ہے وہ نہ ہمارے سامنے آسکتے ہیں اور نہ ہم اُنکی شہادت قبول کر سکتے ہیں پس یہ بناوٹی لوگ ہی رہ گئے۔ ہارون بولا سچ ہے اصلیت یہی ہے۔

ہلال بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابو یوسفؒ تفسیر مغازی اور ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ تو اُنکے اقل علوم میں سے تھی

طلحہ بن محمد بن جعفر کہتے ہیں۔ ابو یوسف مشہور الامر ظاہر الفضل شخص ہیں۔ اُن کے زمانہ میں اُن سے بڑھ کر فقیہہ اور کوئی نہ تھا۔ علم و حکمت۔ قدر و عظمت میں اعلیٰ درجہ پر پہنچے ہوئے تھے یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ حنفیہ میں اصول تحریر کئے اور مسائل کو لکھکر پھیلایا۔

عمار بن ابو مالک کہتے ہیں کہ اگر ابو یوسفؒ نہ ہوتے تو کوئی شخص ابو حنیفہ اور ابن لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہما کا نام بھی نہ جانتا۔ انہیں نے دونوں کے اقوال کو پھیلایا اور اُنکے علم کو شائع کیا۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ابو یوسفؒ فقیہہ عالم۔ حافظ (حافظ سے متقدمین کی تصنیفات میں حافظ الحدیث ہوتا ہے) تھے انہوں نے حدیث ابو اسحٰق شیبانی۔ سلیمان تیمی۔ یحییٰ بن سعد انصاری۔ اعمش۔ ہشام بن عروہ۔ عطا بن سائب۔ محمد بن یسار وغیرہ اس طبقہ کے علماء سے سنی تھی یہ پہلے محمد بن ابی لیلیٰ کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ آخر میں ابو حنیفہؒ کی محبت کو سب پر اختیار کر لیا تھا۔

یہ پہلے شخص ہیں جن کو قاضی القضاۃ کا خطاب ملا۔ نیز پہلے شخص ہیں جنہوں علماء کیلئے ممیز لباس تجویز کیا۔ ابن عبدالبر ان کے ذہن کے متعلق لکھتے ہیں کہ پچاس ساٹھ حدیثوں کو ایک دفعہ سُن کر حفظ کر لیتے تھے۔

طبری کہتے ہیں کہ بعض اہل حدیث نے ان سے روایت کرنے میں پرہیز کیا ہے۔ کیونکہ ان کے مزاج میں رائے کو بہت دخل تھا۔ لیکن یہ بھی متحقق ہے کہ ابن معینؒ اور امام بن حنبلؒ

اور علی بن مدائنیؒ کو انکی ثقاہت میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔

ابو یوسفؒ سے بھی روایت ہے کہ ایک دفعہ اعمشؒ نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ میں نے بتلادیا۔ انہوں نے کہا کہ تم نے کہاں سے جواب نکالا ہے۔ میں نے وہ حدیث جو انہی سے سنی تھی پڑھی اور وجہ استدلال بیان کی۔ اعمشؒ بولے بخدا یہ حدیث تو مجھے اسوقت سے یاد ہے کہ تو ہنوز پیدا بھی نہیں ہوا ہوگا لیکن یہ آج ہی سمجھ میں آیا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے۔

ابن حزم ظاہری اور اسی کے قول کے موافق شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ فقہ حنفیہ کے تمام ممالک میں پھیل جانیکی وجہ یہ ہوئی کہ ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ ہوگئے تھے۔ اور قاضیوں کا تقرر ان کے حکم سے ہوتا تھا۔ وہ اسی شخص کو مقرر کرتے جو فقہ حنفیہ کے موافق فیصلے کیا کرتا۔

ابن حزمؒ لکھتا ہے کہ مذہب مالکیہ بھی مصر اور افریقہ میں اسیطرح یحیی بن یحییٰ اندلسی کے ذریعہ حکومت کی تائید سے پھیلا تھا۔

قاضی ابو یوسفؒ کا سلسلہ نسب تین واسطہ سے سعد بن اجتبہ سے جا ملتا ہے جو رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور انصاری تھے۔ انکا انتقال ۱۸۲ھ کو شہر بغداد میں ہوا۔ ان کا فرزند یوسف بھی اپنے باپ کی زندگی میں بغداد کے حصہ مشرقی کا قاضی تھا اور علم وفضل میں مسلم شخص

انکے حالات سے قوم اور خصوصاً طلباء علم کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ ہمارے متقدمین اور آئمہ ہدیٰ نے کبھی مفلسی اور تنگدستی کا مقابلہ کرتے ہوئے کیسے علم کو حاصل کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ اور پھر خداوند کریم انکی محنتوں کا کیسا عظیم الشان نتیجہ دیتا تھا کسی نے سچ کہا ہے۔

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی ۔۔۔ کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز ما۔

قاضی ابو عبداللہ احمد بن ابی داودؒ

سلسلہ نسب اکیس واسطے سے معد بن عدنان تک ملتا ہے۔ مروّت اور فتوحات کیلئے مشہور تھا۔ پہلے مامون رشید کا مصاحب رہا۔ اُسکے بعد معتصم کے عہد میں قاضی القضاۃ ہوگیا۔ مامون رشید کے دربار میں پہنچنے کی بابت دو روائتیں ہیں۔

(۱) ایک روز مامون نے قاضی یحیٰی کو بلا بھیجا کہ تم اسی وقت میرے پاس چلے آؤ۔ اور

جتنے آدمی تمہارے پاس بیٹھے ہوئے ہوں، اُن کو بھی ساتھ لاؤ۔ ابن ابی داؤد بھی جو قاضی یحییٰ کا دوست تھا بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی گیا۔ جب سلسلہ کلام شروع ہوا تو مامون نے ابن ابی داؤد کے طرز کلام اور خوبی گفتار کو نہایت پسند کیا اور کہا تم آجتک ہمارے دربار سے کیوں دور رہے ابن ابی داؤد لکھتا ہے کہ میں نے تو کیا کہتا کہ قاضی یحییٰ نے ہی مجھے پیش نہیں کیا لیکن یہ کہدیا کہ ہر ایک امر کیلئے وقت مقرر ہے۔ حکم دیا بلا روک ٹوک ہمیشہ حاضر ہوا کرو۔

(۲) جب مامون رشید خراسان سے بغداد پہنچا تو قاضی یحییٰ کو کہا کہ میرے لئے مصاحبین پسند کرو۔ قاضی صاحب نے بیس شخص انتخاب کئے۔ خلیفہ نے کہا ان میں سے بھی انتخاب کرو۔ قاضی صاحب نے دس رکھے۔ خلیفہ نے کہا ان میں سے بھی انتخاب کرو۔ قاضی صاحب نے پانچ رکھے ابن ابی داؤد ہر ایک انتخاب میں شامل تھا۔

مامون رشید جبتک زندہ رہا ابن ابی داؤد کی نہایت توقیر کرتا رہا۔ مرتے ہوئے جب اپنے بھائی معتصم کو وصیت کرنے لگا تو یہ بھی کہا کہ ابن ابی داؤد کو ہر ایک مشورہ میں شریک رکھنا کیونکہ اس میں مشورت کی اہلیت پائی جاتی ہے۔

معتصم نے والی بنتے ہی قاضی یحییٰ کو معزول کر کے ابن ابی داؤد کو قاضی القضاۃ بنا دیا۔ اور کوئی ملکی راز یا ذاتی کام خلیفہ کا ایسا نہ تھا جس میں ابن ابی داؤد کی رائے شامل نہ ہوتی۔

لازون بن اسمعیل کا قول ہے کہ میں نے آجتک کوئی شخص نہیں دیکھا جو دوسرے کی ایسی اطاعت کرتا ہو۔ جیسے خلیفہ معتصم قاضی ابن ابی داؤد کی کرتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑی سی رقم کے متعلق خلیفہ سے درخواست کیجاتی ہے اور وہ نامنظور ہوتی ہے۔ مگر ابن ابی داؤد آتا ہے اور لاکھوں روپوں کے مصارف کی منظوری اہل عرب و عراق وغیرہ کیلئے حاصل کر لیتا ہے۔

مرزبانی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابن ابی داؤد قنسرین میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ تاجر تھا۔ بیٹے کو سفر میں ساتھ رکھتا اور علم پڑھاتا فقہ اور کلام میں درجہ عالی اُس کو نصیب ہوا تھا۔ چونکہ ہیاج بن علاء سلمی کے ساتھ یارانہ تھا۔ اس لئے معتزل المذہب ہو گیا تھا۔

ابوالعیناء کا قول ہے کہ ابن ابی داؤد نامی شاعر اور نہایت فصیح و بلیغ ہے اور ہم نے کسی رئیس کو اس سے بڑھکر فصیح اور بہت زیادہ بولنے والا نہیں دیکھا۔

ابراہیم بن حسن کہتا ہے کہ ہم مامون رشید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ذکر چل پڑا کہ لیلۃ العقبہ کو انصار میں سے کس کس نے بیعت کی تھی۔ کوئی کسی کا نام لیتا کوئی کسی کا اتنے میں ابن ابی داؤد

بھی آگیا۔ماموں نے اس سے پوچھا اُس نے فوراً سب کے نام اور کنیت مع اُن کے نسب کے بیان کر دیئے۔ماموں نے کہا اگر کسی فاضل کو پاس بٹھانا ہو تو ابن ابی داؤد جیسا چاہیئے۔ابن ابی داؤد بولا کہ جب کوئی حاکم مجلس علم منعقد کرے تو امیر المومنین جیسا چاہیئے جو ہمارے قول کو سمجھتے ہیں اور خود ہم سے بڑھکر علم رکھتے ہیں

ابن ابی داؤد کا قول ہے کہ کوئی شخص کامل نہیں کہلا سکتا جبتک اُسے یہ درجہ نصیب نہ ہو کہ بادشاہ اُسکو مفلسانہ حالت میں ہی منبر پر بٹھلا دے۔اور وزیر جیسا عہدہ دار جو اُس کا دشمن ہو وہ نیچے بیٹھا ہوا ہو۔

اسحٰق بن ابراہیم موصلی کہتا ہے کہ پہلے خلفاء کے دربار میں دستور یہ تھا کہ جبتک خلیفہ کسی کو نہ بلائے کوئی شخص بول نہ سکتا تھا لیکن ابن ابی داؤد ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے دربار میں خلیفہ کیساتھ گفتگو کرنے میں ابتدا کی۔

ابو العیناء کہتا ہے کہ افشین (حاکم عدالت العالیہ) اور ابوالف قاسم بن عیسٰے کی آپس میں دشمنی تھی۔ افشین نے اُسپر ایک مقدمہ قائم کیا اور مستوجب قتل ٹھہرا کر قتل کا حکم دے دیا۔ جب قاسم پکڑا گیا اور جلاّد منگوالیا گیا۔تب ابن ابی داؤد کو خبر ہوئی۔اُسیوقت سوار ہوکر افشین کے مکان پر پہنچا اور اپنے احباب کو ساتھ لیتا گیا۔کہا میں امیر المؤمنین کا حکم لے کر آیا ہوں فرمایا ہے کہ قاسم کو کوئی سزا نہ دیجائے جبتک ہمارے سامنے پیش نہ ہولے۔پھر ساتھ والوں کو کہا کہ تم گواہ رہو۔میں نے امیر المومنین کا حکم پہنچا دیا۔اور قاسم ابتک زندہ صحیح وسلامت ہے اتنا کہکر معتصم کے پاس پہنچا۔کہا میں نے حضور کیجانب سے ایک حکم پہنچایا ہے جو مجھکو حضور نے ندیا تھا۔لیکن بخدا میری نیّت بخیر تھی۔اور میں امید کرتا ہوں کہ امیر المؤمنین اُس حکم کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ٹھہرینگے۔پھر سارا قصّہ سنا دیا۔معتصم خلیفہ نے اُسکی رائے کو پسند کیا اور حاکم پر سخت عتاب کیا۔

(الف) ابو العیناء نے بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ معتصم محمد بن جہم برمکی پر نہایت خفا ہوا۔ اور قتل کا حکم دیدیا۔منہ پر گردنی باندھی گئی تھی۔اور جلاّد نے تلوار نکال لی تھی۔کہ ابن ابی داؤد بھی پہنچگیا۔کہا حضور اسے قتل تو کرتے ہیں مگر اسکے مال و دولت پر تصرّف نہ کرسکینگے۔حالانکہ یہ مالدار بہت ہے۔خلیفہ نے کہا کیوں؟ ہمکو کون روک سکتا ہے۔کہا خدا اور رسول خدا ایسے مصرف کو ناجائز ٹھیراتے ہیں۔اور امیر المؤمنین کا عدل اس کو ناپسند کرتا ہے۔کیونکہ قتل کے

کے بعد مال وارث کو ملنا چاہیئے۔ حضور کیوں ایسا نہیں کرتے کہ اسکی خیانت کی تحقیقات کیجائے اور پورے ثبوت کے بعد اُس کا مال واسباب ضبط کرلیا جائے۔ خلیفہ نے کہا بہتر اسے زنداں میں بھیجدیا جائے اور اسکی تحقیقات شروع ہو۔ بالآخر آفت مال پر ٹل گئی اور جان بچ گئی۔

جاحظ کہتا ہے کہ خلیفہ معتصم ایک شخص پر جو دوآبہ فرات کا باشندہ تھا خفا ہوا۔ اس کو بلایا۔ اسکے قصور اُسے بتلائے پھر قتل کا حکم دیدیا۔ ابن ابی داؤد بولا حضور اسے تو معزولی کی تلوار پہلے ہی قتل کر چکی ہے اور یہ بیچارہ محض مظلوم ہے۔ خلیفہ چپ کر گیا۔

ابن ابی داؤد لکھتا ہے کہ مجھے زور کا پیشاب آرہا تھا جسے میں روک نہ سکتا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ میں اُٹھا اور یہ شخص مارا گیا۔ میں نے کپڑے کو نیچے رکھکر پیشاب کرلیا اور جبتک اسکی رہائی کا حکم نہ ہوا بیٹھا رہا۔ پھر جب وہاں سے اُٹھکر آنے لگا۔ تو خلیفہ کی نظر میرے بھیگے ہوئے کپڑوں پر پڑ گئی۔ کہا ابو عبداللہ! جہاں تم بیٹھے تھے کیا یہاں پانی تھا۔ میں نے کہا نہیں بلکہ بات یہ ہے سارا قصہ سنا دیا۔ خلیفہ خوب ہنسا۔ کہا بارک اللہ! تم نے خوب کیا۔ پھر ایک لاکھ درم کے انعام دیئے جانیکا حکم دیا۔

ابوالعیناء لکھتا ہے کہ خلیفہ معتصم خالد بن یزید بن مزید پر خفا ہوا۔ اور معزول کرکے اُسے بغداد بلا لیا۔ اور سخت عقوبت کا ارادہ کیا ابن ابی داؤد نے اسکی سفارش بھی کی۔ لیکن خلیفہ نے منظور نہ کی اگلے روز دربار ہوا جس میں خالد کی سزا کا حکم جاری ہونا تھا۔ ابن ابی داؤد اپنی نشست کو چھوڑکر بہت نیچے جا بیٹھا۔ خلیفہ نے کہا تم وہاں کیوں جا بیٹھے۔ کہا اب مجھے یہاں ہی بیٹھنا چاہیئے۔ پوچھا کیوں؟ کہا لوگوں کا خیال ہے کہ اب میرا وہ درجہ نہیں رہا کہ اگر میں قریب بیٹھکر کسی کے بارہ میں سفارش کروں تو وہ منظور کیجائے۔ خلیفہ نے کہا اپنی جگہ بیٹھو۔ کہا میری عرض بھی قبول ہوگی یا نہیں۔ کہا ہاں۔ قاضی اُٹھکر اپنی جگہ آبیٹھا کہا حضور نے خالد کو معاف تو کرہی دیا۔ جبھی مجھے یہاں بٹھلایا ہے۔ لیکن لوگوں کو یہ ثابت ہوگا کہ امیرالمومنین دراصل بھی اس سے خوشنود ہوگئے ہیں۔ یا نہیں اس لئے بہتر ہے کہ اُسے خلعت سے ممتاز کیا جاوے۔ خلیفہ نے خلعت کا حکم دیدیا۔ پھر کہا حضور اسوقت خالد اور اس کے ہمراہیوں کی ایسی حالت ہے کہ چھ ماہ تک اپنی حالت کو درست کرینگے۔ اس لئے اگر ان کے چھ ماہ کے گذارہ کا انتظام ہو جاوے تو صلہ بھی ہے اور صدقہ بھی۔ خلیفہ نے یہ بھی منظور کیا۔ خالد دربار سے خلعت و

دمال لے کر نکلا اور لوگ باہر کھڑے ہوئے خیال کرتے تھے کہ اُس کا تن بے سر اور سر بے تن ہی نظر آئیگا۔ ایک شخص یہ حالت دیکھکر پکار اُٹھا کہ اے سردار عرب! تمہاری رہائی پر سب شکر گذار ہو رہے ہیں۔ خالد بولا چُپ کر۔ سردار عرب تو ابن ابی داؤد ہے۔

الغرض یہ شخص مروّت و فتوت۔ پاسداری و وفا صلہ و احسان رسانی میں ضرب المثل ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ تعصّب مذہبی کی وجہ سے اسی شخص نے مسئلہ خلق قرآن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو محنت و مصیبت میں گرفتار کرایا تھا۔ ابن ابی داؤد معتصم اور واثق باللہ کی خلافت میں قاضی القضاۃ رہا۔ متوکل کے شروع زمانہ خلافت میں اُس پر فالج گرا۔ المحرم ۲۴۰ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

مفتی صدرالدین صدرالصدور

صدرالدین صاحب آخرین فضلائے دہلی میں جو غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے دہلی کے چشم و چراغ اور ہندوستان کیلئے مایہ فخر و ناز ہو چکے ہیں۔ یہ کشمیری الاصل تھے۔ آباؤ اجداد سے علم گھر کی لونڈی بنا ہوا تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم معقول میں مولوی فضل امام صاحب خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ اور علوم منقول میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا تلمذ رکھتے تھے صرف و نحو منطق معانی و بیان۔ آدب و انشاء فقہ و حدیث و تفسیر علوم حکمت و ریاضیات میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور جملہ علوم کا درس دیا کرتے۔ دہلی میں جو اعزاز اُن کا تھا وہ کم کسی شخص کو حاصل ہوا ہوگا۔ لال قلعہ کے بادشاہ کے سوا۔ اور کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اُن کے مکان پر حاضر نہ ہوتا ہو۔ طلباء تحصیل علم کیلئے۔ اہل دنیا اپنے معاملات میں مشورہ و صلاح کے لئے۔ انشاء نگار اصلاح انشاء کیلئے اور شعراء مشاعرہ کیلئے اہل دولت بتقریب مقدمات اور اہل علم بجہت اکتساب کمالات۔ غرض ہر طبقہ کے لوگ حاضر باش رہتے تھے۔ شاہی مختلف عہدوں پر ممتاز رہے۔ اور بالآخر مفتی سلطنت اور دہلی و نواح دہلی کیلئے اعلےٰ حاکم دیوانی تھے جسے صدر الصدور کہا کرتے باوجود اشتغال کثیرہ طلبہ کو پڑھانیکا نہایت شوق تھا۔ جامع مسجد دہلی کے نیچے دار البقاء نام مدرسہ جاری کر رکھا تھا۔ وہاں کے سب طالب علموں کو

لباس وخوراک اپنے ہاں سے دیتے۔ اور بعض کو مزید براں وظیفہ بھی۔

ایک دفعہ صدر الصدور صاحب کا ارادہ کلکتہ جانیکا ہوا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اُن کو مولوی امین اللہ کے نام جو ایک مدرسہ کے مہتمم تھے خط لکھ کر دیا۔ اُس خط کے چند الفاظ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوگا کہ شاہ عبدالعزیز جیسے نامور فاضل کے خیالات اپنے نامور شاگرد کی نسبت کیا تھے۔

"دریں ولا مولوی صدر الدین صاحب کہ از فضلائے نامدار ایں بلدہ ما ہولہ اند و در اکثر فنون عقلی و نقلی از عربیت و ادب و اصول و فقہ و کلام و ہم فنون فارسی مہارت تمام دارند۔ و اکثر مراجعت تحقیقات نفیسہ علوم در فقیر خانہ نمودہ اند و بہذا النسبت ارادت و اتحاد با فقیر موروثی دارند وجد امجد ایشاں از فضلائے معتبر و خلص اصحاب و تلامذہ در جناب حضرت والد ماجد فقیر بودہ اند ؎

اَلْقَوْمُ اِخْوَانُ صِدْقٍ بَیْنَہُمْ سَبَبٌ مِنَ الْمَوَدَّۃِ لَمْ یَعْدِلْ بِہِ النَّسَبُ

عازم دار الامارت کلکتہ بتقریبات چند در چند اند۔ انشاء اللہ تعالیٰ ملاقات سامی خواہند نمود مراعات جہات مذکورہ در حسن تلقی و اعزاز و اکرام ایشاں مہما امکن مد نظر سامی باشد"

نواب صدیق حسن مرحوم جو کثرت تصانیف میں اپنے معاصرین سے بہت بڑھے ہوئے ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ میں دو سال تک اُنکی خدمت میں حاضر رہا۔ اُنکی محبت مربیانہ اور عطوفت بزرگانہ ابتک مایۂ افتخار ہے۔ زیارات بزرگان دہلی کیوقت میں ہمرکاب اور فضلائے عصر کی تشریف آوری کے وقت میں حاضر باش درگاہ ہوتا تھا۔

مفتی صاحب کو شعر و سخن سے کچھ ایسی اُلفت تھی کہ باایں ہمہ پیرانہ سالی اُس مذاق میں ذرا فرق نہ آیا۔ عربی فارسی اردو میں خود بھی شعر و غزل کا شوق فرمایا کرتے اور دیگر شعراء کے کلام سے بھی حظ اُٹھایا کرتے۔ تخلص آزردہ تھا۔ اور کلام میں بھی ولولہ محبت اور نوحہ مصیبت اسقدر بھرا تھا کہ تخلص کی موزونی کا بیّن ثبوت تھا۔ شعر خوانی کا انداز بھی غضب کا دردناک اور مؤثر تھا۔ اور اسکا اندازہ وہی لوگ بخوبی کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے کانوں سے اُنکے کلام کو سنا ہے۔

آنریبل سید احمد خاں کے آثار الصنادید میں انکی غزلیات فارسی اور گلشن بیخار میں کلام اردو کے نمونے درج ہیں۔ چند اشعار یہاں بھی درج کرتا ہوں۔

وكنا كغصنين بانة قد تالفا
على دوحة حتى استطالا وايفعا
ہماری مثال ان دو شاخوں کی سی تھی جو ایک درخت پر لپٹ گئی ہوں اور بار برگ و بار ہو گئی ہوں۔

يغنيهما صدح الحمام مرجعا
ويسقيهما كأس السحائب مترعا
جنہیں کبوتر نے پیاپے نغموں سے خوش کیا ہو اور سحاب نے چھلکتے ہوئے پیالوں سے مسرور بنایا ہو۔

سليمين من خطب الزمان اذا سطا
خليين من قول الحسود اذا سعى
نہ دستبرد زمانہ کا ڈر تھا۔ نہ حاسدوں کی چغل خوری کا غم۔

ففارقني من غير ذنب جنيته
والقى بقلبي حرقة وتوجعا
اسی حالت میں بلا کسی قصور کے وہ مجھ سے جدا ہو گیا اور مجھے درد و سوزش میں چھوڑ گیا۔

عفا الله عنه ما جناه فانني
حفظت له العهد القديم وضيعا
خدا اس کے گناہ کو معاف کرے۔ میں تو اپنے عہد پر قائم ہوں۔

یہ ایسے شعر معلوم ہوتے ہیں کہ وفات زوجہ پر لکھے گئے ہوں۔

فارسی کی غزل یہ ہے۔

خواہم دم دعا بدعا نا گریستن　　شد بس کہ بے اثر بہ دعا ہا گریستن
از اشک ریزئی مژہ خالی نشد دلم　　خواہم چو زخم از ہمہ اجزا گریستن
واعظ اگر بیاد قدے گریہ نارواست　　باز از چہ رو دست نہ پے طوبیٰ گریستن
زشور رشدن چو برق بود با طپیدنم　　اے ابر با گریستن ما گریستن۔
در عشق بیقرارم و در غم بہ پیچ و تاب　　خندیدنم شبیہ بود با گریستن
دل راہمیشہ خندہ من خوں کند چو چشم　　بشگافدم جگر قلم آسا گریستن
موجے بزن کہ ترکنم ابر بہار را　　اے دیدہ تا بکے بمدارا گریستن
اے دل بیا کہ خاک کنم ابر و برق را　　از تو بخوں طپیدن و از ما گریستن

یہ غزل عرفی کی مشہور غزل کے جواب میں ہے جسکا مقطع ضرب المثل ہے ؎

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال　　صد سال مے تواں بہ تمنا گریستن

ایک دفعہ مفتی صاحب محکمہ نزول کے افسر ہو گئے۔ کام کی کثرت تھی۔ طلبہ کے سبق میں ناغے ہونے لگے ایک شاگرد نے تاریخ لکھی اور مادہ تاریخ میں کمال کر دکھایا۔

ہاتف بدست چپ بے بینی فشردہ گفت　　بیماری نزول بہ صدر الصدور شد

مفتی صاحب صدر الصدور تھے۔ انکی عدالت میں ایک ساہوکار نے مرزا غالب پر رقم قرضہ کا دعویٰ دائر کیا۔ مرزا صاحب کو جواب دعویٰ کیلئے عدالت میں بلایا گیا۔ تو انھوں نے جواب دعویٰ کہو یا اقرار دعویٰ کی جگہ یہ شعر پڑھکر سنایا

قرض کی پیتے تھے مے اور یہ سمجھتے تھے کہاں ٭ رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مفتی صاحب نے مدعی کو ڈگری دیکر زر متدعویہ خود ادا کر دیا۔

برائے تمام سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں ایسے فاضل جامع کمالات اور مصدر فیوض و احسانات کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ ساکت ہے۔ تمام عمر عیش و رفاہت میں گذری۔ مگر عمر کے آخری بارہ سال نہایت کٹھن تھے غدر ۱۸۵۷ء کے بعد انپر جرم لگایا گیا کہ انہوں نے باغیوں کو گورنمنٹ کیساتھ جنگ کرنیکے جواز کا فتویٰ دیا تھا اس جرم میں تمام گھربار جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ضبط سرکار ہوئی اور مفتی صاحب بھی چند ماہ تک قید رہے لیکن پھر کسی نیک اور رحمدل حاکم نے انکو رہا کر دیا۔ اگرچہ معاش کی کوئی صورت نہ رہی تھی لیکن کیا مجال کہ ضبط و صبر میں ذرا فرق آجائے یا حرف شکوہ و گلہ زبان تک آئے انہی ایام میں ایک شاگرد کو خط میں لکھتے ہیں الحمدللہ تا حال برشتہ آمد و شد انفاس دست دارم و اوقاف عمر باقیماندہ (چنانچہ دل میخواست) در گذر است ؎

بے غم عشق تو صد حیف زعمرے کہ گذشت   پیش ازیں کاش گرفتار غمت مے بودم

اللہ تعالیٰ توفیق طاعت و امتثال احکام تشریعی از اوامر و نواہی و تسلیم احکام ارادی از صبر و رضا و موافقت و فنا ارزانی فرماید۔ و تثبت و استقامت براں عطا نماید۔ و پائے ہمت ازیں جادۂ صواب و طریق مستقیم نہ لغزاند۔ در اوقاف خاصہ از دعائے حسن خاتمت و نکوئی عاقبت مبالغہ نرود ؎

ہمت نگر کہ ہر ورق دفتر امید   صد پارہ کردہ ایم و بہ خوناب شستہ ایم

شکر و سپاس ایزد بے مثال ہر آن و ہر لحظہ مودی میکنم کہ تلہفے و تاسفے بر زوال زخارف دنیا کہ عبارت از اسباب و سامان تعیش و ساز و برگ زینت حیات دنیوی بود اصلاً بخاطرم خطور نمیکند۔ مگر بمقتضائے بشریت دو ارمان در دل پیرہا یکے سر انجام زاد و راحلہ کہ برائے سفر حجاز و اقامت آنجا در اوقات باقی حیات مستعار کہ سلعتے بیش نیست کافی و لبسند باشد دوم دست بہم دادن بعضے کتب دینیہ از تفسیر و حدیث و علمے کہ نافع در دین است نہ لغو بو علی و ژاژ انوری۔

سال ولادت لفظ چراغ اور سال وفات لفظ چراغ دو جہاں سے نکلتا ہے۔ اکاسی سال کی عمر میں ۱۲۸۵ھ کو جس خاک سے نکلے تھے اُسی کے پیوند ہو گئے دہلی میں مدفون ہیں۔ مرزا غالب و مومن اور نواب حسرتی وغیرہ نے ان کی مدح میں قصائد تحریر کئے ہیں۔

شعراء و اُدبا

حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ

حسان بن ثابت بن منذر بن حرام عرب قحطانیہ میں سے ہیں۔ ابوالولید کنیت تھی ۶۲ھ ء (یاساٹھ سال قبل از ہجرت یثرب میں پیدا ہوئے اور ابتدا ہی سے شعر و سخن کیطرف متوجہ ہو گئے قبل از اسلام مدینہ اور تمام حجاز کے شاعروں کا طریق یہ تھا کہ عرب متنصرہ بادشاہوں کی (جو شام میں آل غسان تھے اور عراق میں آل منذر) مدح کیا کرتے تھے۔ حضرت حسان شاہان غسان کیطرف متوجہ تھے۔ بصرے میں عمرو بن حارث اور حارث بن ابو شمر اور بلقا میں جبلہ بن الایہم انکے خاص ممدوح تھے۔ انکی اور انکے خاندان کی تعریف میں بڑے بڑے پرزور قصیدے لکھا کرتے تھے۔

جبلہ کے دربار میں ایک دفعہ نابغۃ الذبیانی اور علقمہ بن عبدہ (جاہلیت کے مشہور و مسلم شعراء) کے ساتھ مشاعرہ اور مطارحہ کا اتفاق ہوا۔ تو جبلہ نے اعتراف کیا۔ کہ حسان بھی ان دونوں سے کم نہیں پھر تین سو دینار اور دس پارچہ کا خلعت دیکر حکم دیا۔ کہ ہر سال تم کو اس قدر انعام ملا کرےگا جبلہ (ملک بلقا) اور حارث (والی بصری) میں باہم کچھ چشمک بھی تھی اور قرابت بھی۔ شاعر اُسکے دربار میں بھی جایا کرتے اور اسکے دربار میں بھی لیکن ایک کا ذکر دوسرے کے دربار میں ہرگز نہ کیا کرتے۔

حضرت حسان کہتے ہیں کہ میں حارث کے دربار میں کبھی نہ گیا تھا۔ ایک دفعہ اُسکی مدح میں قصیدہ لکھا اور بصری پہنچا دربار میں حاضر ہونے کیلئے گیا تو مجھے سردار ڈیوڑھی ملا۔ کہا بادشاہ تمہارے آنے سے خوش ہے اور وہ ضرور تمہارے سامنے جبلہ کا ذکر چھیڑے گا۔ لیکن دیکھنا تم کہیں اسے برا کہنے لگ جاؤ۔ بلکہ وہ تم کو آزمادیگا۔ اگر تمنے اُسکی برائی کی تو تم سے نفرت کرنے لگیگا۔ اور اگر

تم نے اسکی تعریف بھی چوڑی کی تو اُسے ناگوار گذرے گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم اس ذکر کو ٹال دینا۔ اور اگر تمہاری موجودگی میں کھانا آجائے تو تم کھانے پر نہ بیٹھنا۔ کیونکہ بادشاہ کا مزاج ایسا ہے کہ اُسے درہم و دینار کا خرچ کر دینا تو ناگوار نہیں ہوتا۔ مگر کھانا کھلانا نہایت شاق گذرتا ہے۔ غرض جبتک خصوصیت سے تم کو حکم نہ دے اسوقت تک دسترخوان پر نہ بیٹھنا اور اگر حکم بھی اُس نے دیدیا تو تب بھی برائے نام ہی کھاتے رہنا۔ حضرت حسان کہتے ہیں کہ میں اُس سردار کا شکریہ ادا کر کے اندر پہنچا۔ بادشاہ نے مجھے وطن و اہل وطن اور معیشت وغیرہ کے متعلق سوالات کئے۔ جن کے میں جواب دیتا رہا۔ اسی سلسلہ میں جبلہ کا بھی ذکر کیا۔ کہا تو نے ہم کو تو چھوڑ ہی رکھا ہے۔ اور جبلہ کا ہی ہو رہا ہے۔ بتلاؤ کہ وہ کیسا ہے۔ مَیں نے کہا جبلہ اور آپ ایک ہی ہیں یہ سُن کر خاموش ہو گیا۔ پھر کھانا آیا۔ اور بادشاہ نے بڑے بڑے لقمہ اٹھا کر کھانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے اشارہ کیا کہ شریک طعام ہو جاؤ۔ میں بھی ساتھ بیٹھ گیا۔ اور برائے نام کھاتا رہا۔ اس کے بعد گوناگوں شراب لائی گئی۔ اور روم کے مطرب اپنے اپنے ساز لیکر حاضر ہو گئے دور شراب شروع ہوا۔ بادشاہ نے مجھے بھی جام لینے کیلئے کہا۔ مینے انکار کر دیا۔ اُس نے مکرر کہا تو مینے جام لے لیا۔ اور جب کچھ سرور ہو گیا۔ تو اپنے اشعار سنانے شروع کئے جو حارث کو بہت ہی پسند آئے۔ اسیطرح میں چند روز وہاں ٹھیرا رہا۔ ایک روز سردار ڈیوڑھی نے مجھے اطلاع دی کہ نابغہ آگیا ہے بادشاہ اُسکے سامنے کسی شاعر کی عزت نہیں کرتا۔ اس لئے یہ مناسب ہے کہ تم اجازت حاصل کر لو میں نے اجازت حاصل کی۔ حارث نے ۵۰۰ دینار ایک خلعت دو گھوڑے مجھے عطا فرمائے۔ اور میں وہاں سے چلا آیا۔

غرض اسلام سے پہلے انکا یہی حال تھا کہ بلقاء اور حوران اور عراق میں گشت لگایا کرتے اور ملوک و امراء سے بڑے بڑے صلہ و انعام حاصل کیا کرتے تھے۔ اور ان انعامات کیوجہ سے ایسے متمول ہو گئے تھے کہ چاندی کے برتنوں میں کھانا کھایا کرتے تھے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لیگئے۔ تو حضرت حسان بھی مسلمان ہو گئے اور تمام بادشاہان دنیا کو چھوڑ کر اس بادشاہ صوری و معنوی کے دروازہ پر بیٹھ گئے۔

ابوالفرج اصفہانی کہتا ہے کہ مکہ میں تین شخص رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ہجو کیا کرتے تھے۔ عبداللہ زبعری۔ ابوسفیان بن عبدالمطلب۔ عمرو بن العاص۔ ایک شخص نے سیدنا علی مرتضیٰ سے کہا۔ کہ آپ بھی ان لوگوں کی ہجو کیا کریں۔ فرمایا اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ارشاد فرمائیں گے۔

تو میں تعمیل کرونگا۔ ورنہ نہیں۔ اُس شخص نے آنحضرتؐ سے جاکر عرض کیا۔ کہ علیؓ کو اُن لوگوں کی ہجو کہنے کی اجازت فرمائی جائے۔ فرمایا وہ اس کام کا نہیں۔ اور اس سے یہ نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا کہ جس قوم نے رسولِ خدا کی تلوار سے نصرت کی ہے وہ کیا زبان سے نصرت نہیں کرسکتی۔ (اس سے مراد انصار مدینہ تھے) حسانؓ چونکہ انصاری ہیں۔ کہا میں یہ خدمت بجا لاؤنگا۔ چنانچہ انصار کیطرف سے بھی تین شخص اہلِ مکّہ کی ہجو کہنے لگے۔ حسّان بن ثابت۔ کعب بن مالک۔ عبداللہ بن رواحہ۔ حسانؓ اور کعبؓ تو اپنے اشعار میں گزشتہ واقعات اور ایام و مآثر کا ذکر کرتے اور مخاطبین کو عار و غیرت دلایا کرتے۔ اور عبداللہ بن رواحہ اُنکی بت پرستی اور کفر و شرک کی نجاست میں آلودگی کا مضمون اپنے اشعار میں باندھتے۔ جبتک اہلِ مکّہ مسلمان نہ ہوئے تھے تب تک تو اُن کو حسان اور کعب کے اشعار ناگوار گذرتے تھے اور جب وہ مسلمان ہوگئے تب عبداللہ کے اشعار سے بڑھ کر اُنکے لیئے کوئی جگر خراش چیز نہ تھی۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ جب حسانؓ جواب گوئی اہلِ مکّہ کیلیے مستعد ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ اہل مکہ کی ہجو کرنا اور اُنکے نسب و قوم کی نسبت کچھ لکھنا نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ میں بھی اُسی قوم میں سے ہوں۔ اس لیئے جو کچھ لکھا کرو۔ پہلے ابوبکر صدیقؓ کو دکھلایا کرو۔ جو تجھ سے بڑھ کر نسب عرب کو جانتے ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ نسب کے متعلق تمام پہلو حسان کو سمجھا دیتے تھے۔ چنانچہ جب اہلِ مکّہ نے یہ اشعار سنے تو فوراً کہہ اُٹھے کہ ابوبکر صدیقؓ کی اصلاح لیے ہوتے ہیں۔

مروی ہے کہ اُنکے لیے ممبر بچھایا جاتا۔ اور پھر سر ممبر اشعار مدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جواب مشرکین پڑھ کر سنایا کرتے۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حسان کے شعر اعداء کیلیے تیر سے زیادہ سخت ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ جبتک حسان مدح رسول میں لگا رہتا ہے روح القدس اُسکی تائید کرتا ہے۔

ایک دفعہ بنی تمیم کے ستر اسّی آدمی اپنی قوم کا ایک خطیب (لیکچرار) اور ایک شاعر لیکر مدینہ میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ کہ ہمارے خطیب و شاعر کا اپنے خطیب و شاعر سے مقابلہ کرا لیئے (انکے نزدیک صداقت کی یہی اعلےٰ دلیل تھی) انہوں نے زبرقان بن بدر کو پیش کیا اور اُس نے اپنی قوم کے فخریہ اشعار پڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسانؓ کو اشارہ فرمایا۔ انہوں نے اُسی وقت اُسی وزن اور اُسی قافیہ میں اسکے اشعار کا جواب دیا۔ اس کے اکثر

الفاظ کو بھی اُسی پر اُلٹا دیتا تھا۔ ان اشعار میں آنحضرتؐ کے خاندان اور ذاتی اوصاف نہایت شاندار الفاظ میں ذکر کئے۔ بنی تمیم میں سے ایک اور شاعر عطارد بن حاجب اُٹھا۔ اور اس نے ایک قطعہ پڑھا۔ حسان رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اسی بحر و قافیہ میں اُس کا بھی جواب دیا۔ تب وہ مان گئے اور بول اُٹھے کہ یہ صرف سیّد العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ کہ حسان ہمارے شاعروں پر غالب آگیا۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ان کے پردادا حرام اور دادا منذر اور باپ ثابت اور ان کی عمر برابر تھی یعنی یہ سب ایک سو بیس سال تک زندہ رہے۔ حسان نے ساٹھ سال جاہلیت کے اور ساٹھ سال اسلام کے پائے اسلام لانے کیوقت ان کی والدہ (فریعہ بنت خالد جو قبیلہ خزرج سے ہیں) بھی زندہ تھیں انہوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ عبدالرحمٰن بن حسان جب اپنے اجداد کی عمروں کا ذکر کیا کرتے تو نہایت خوش ہوا کرتے اور سمجھا کرتے تھے کہ میں بھی اسی عمر تک پہونچونگا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ انہوں نے صرف ۴۸ سال کی ہی عمر پائی۔

ابو عبیدہ کا قول ہے کہ حسانؓ کے محاسن میں سے یہ ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے اور آغاز اسلام میں خاص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مدح گو۔ اور اپنے کل زمانہ اسلام میں اہل یمن کے وصف طراز۔ ابو عبیدہ ہی کا قول ہے کہ اہل عرب کے نزدیک اہل بدر میں شاعر ترین اہل یثرب ہیں اور اہل یثرب میں شاعر ترین حسانؓ بن ثابت۔

اصمعی نے ان کو مخول شعرا میں شمار کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "جو نمکینی ان کے اشعار جاہلیت میں پائی جاتی ہے وہ اشعار اسلام میں نہیں"

وجہ صاف ظاہر ہے کہ جب اسلام دل اور زبان پر قابو پا لیتا ہے تو کذب و مبالغہ سے روک دیتا ہے۔ اور شعر کا کام کذب یا مبالغہ کے بغیر چلنا دشوار ہے۔

۵۴ھ یا ۵۰ھ ہجری میں ایک سو بیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابو فراس ہمام فرزدق

اسلام کے نہایت مشہور اور اعلےٰ درجے کے بلیغ شاعروں میں سے ہیں۔ ان کے باپ کا نام غالب تھا جو ایک مشہور قوم بنی تمیم کا سردار تھا۔ اُسکے واقعات مشہورہ میں سے یہ ہے کہ ایک دفعہ کوفہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگ بھوک کے مارے شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ غالب (سردار بنی تمیم) اور سحیم بن واثل (سردار بنو رباح بھی) کوفہ سے ایک دن کی مسافت پر جنگل میں جا رہے۔ غالب نے اگلے روز ایک ناقہ ذبح کی اور اپنی کل قوم کو مدعو کیا۔ کچھ گوشت سحیم کے پاس بھی بھیجا۔ سحیم دیکھکر جل گیا۔ کہ میں کیا غالب کا صدقہ خوار ہوں میں خود قوم کی مہمانی کرونگا۔ چنانچہ اُس روز سحیم نے بھی ایک ناقہ ذبح کی اور اپنی قوم مدعو کیا۔ دوسرا دن ہوا غالب نے دو اونٹ ذبح کئے۔ اور سحیم نے بھی۔ دونوں نے دعوت عام کی تیسرے روز غالب نے تین اونٹ قربانی کئے اور سحیم نے بھی چوتھے روز غالب نے سو اونٹ ذبح کر ڈالے اور سحیم نے ایک بھی نہ کیا۔ کیونکہ اس کے پاس کوئی اونٹ نہ رہا تھا۔ جب قحط ختم ہوا۔ اور سب لوگ شہر میں واپس آئے تو بنو رباح نے سحیم کو کہا کہ تم نے ہمیشہ کیلئے اپنی قوم کو ذلیل کر دیا۔ ہم ایک اونٹ کے بدلے تجھے دو اونٹ دیدیتے۔ مگر لازم تھا کہ تو غالب کے سامنے دب کر نہ رہتا۔ سحیم نے کہا مجبوری تھی میرا گلہ دور گیا ہوا تھا۔ اور اُس وقت کوئی اونٹ موجود نہ تھا۔ اگلے روز سحیم نے تین سو اونٹ ذبح کر ڈالے اور ہر ایک کوچہ و بازار میں گوشت رکھوا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ مبارک تھا فتویٰ لیا گیا کہ یہ گوشت جائز ہے یا نہیں مفتی نے فتویٰ دیا کہ یہ اونٹ کھلانے کی نیت سے مذبوح نہیں ہوئے۔ بلکہ محض فخر و مباحات اور ریا و نمود کیلئے کاٹے گئے ہیں۔ اس لئے ان کا گوشت کھانا جائز نہیں

فرزدق اپنے باپ کی اعلےٰ درجہ کی تعظیم کیا کرتا تھا۔ اور مرنے کے بعد اسکی قبر کی بھی۔ حتےٰ کہ اگر کوئی دو چار دن قبر غالب کے پاس جا کر بیٹھا کرتا تو خود اُس کا حامی بنجاتا۔ ایک دن ایک بڑھیا آئی کہا میں مدتوں تیرے باپ کی قبر پر بیٹھا کئے ہوں اب مجھے ایک مشکل درپیش ہے۔ بولا۔ کیا۔ کہا میرے بیٹے کو حجاج بن یوسف نے فوج میں بھرتی کر لیا ہے فوج کل کو جنگ کیلئے بھیجی جائیگی وہ میرا اکلوتہ بچہ ہے۔ فرزدق نے سنکر تمیم بن زید افسر فوج کے نام اشعار ذیل لکھدیئے

تمیم بن زید لاتکونن حاجتی — یظهر فلا یعیا علی جوابها

فھب لی خنیسا واحتسب فیہ منۃ — لعبرۃ ام مایسوغ شرابھا

اتتنی فعاذت یا تمیم بغالب — وبالحفرۃ الساقی علیھا ترابھا

وقد علم الاقوام انک ماجد — ولیث اذا ما الحرب شبت شھابھا

مطلب یہ کہ آپکی شرف وفضیلت اور جرأت وشجاعت اقوام کے نزدیک مسلّمہ ہے۔ آپ خنیس کو چھوڑدیں اور مجھے ممنون بنائیں۔

جب یہ اشعار پڑھے گئے تو خنیس کا نام صحیح نہ پڑھا گیا۔ جبیس حنیس خنیس وغیرہ پڑھا جاتا تھا۔ سردار نے حکم دیا کہ اس تجنیس کے جتنے اسماء کے اشخاص فوج میں داخل ہیں سب کو فرزوق کے پاس بھیجدیا جائے اور خدمت فوجی سے سبکدوش کردیا جائے۔

فرزوق اور جریر شاعر کی باہم چشمک تھی۔ ایک دوسرے کی ہجو کیا کرتا۔ اور ایک دوسرے کے کلام پر نقص پکڑا کرتا تھا۔ فرزوق مدینہ منورہ میں تھا۔ جریر کی ہجو میں فحش الفاظ استعمال کیا کرتا اور وہ اشعار بہت جلد عوام میں مشتہر ہو جاتے تھے۔ شرفاء مدینہ نے مروان بن الحکم حاکم مدینہ کے پاس اس امر کی شکایت کی۔ حاکم نے اخراج شہر کا حکم دیدیا۔ فرزوق سعید بن العاص کے پاس آیا۔ یہاں امام حسن وحسین وعبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے۔ اُس نے آکر سنایا کہ حاکم شہر نے مجھے شہر سے نکالدیا ہے ہر ایک نے سو سو دینار اور ایک ناقہ سواری کیلئے اُسے عطا فرمائی اور مروان کو کہلا بھیجا کہ ایسے بدزبان شاعر کے حق میں یہ فیصلہ دینے سے آپ نے خوامخواہ اپنی عزت کو خراب کیا۔ یہ سنکر مروان نے بھی اس کے پاس سو دینار بھیجدیئے مگر حکم منسوخ نہ کیا۔

ایک دفعہ امام حسن بصریؒ اور فرزوق ایک میت کی نماز پر جمع ہوئے۔ فرزوق نے کہا آج لوگ کہہ رہے ہیں کہ ایک ہی جنازہ پر سب سے زیادہ نیک اور سب سے زیادہ بد شخص کا اکٹھا ہونا تعجب سے خالی نہیں۔ امام حسن نے فرمایا کہ نہ میں سب سے زیادہ نیک ہوں اور نہ تم سب سے زیادہ بد لیکن عزیز من یہ دن سب کیلئے کھڑا ہے تم نے اس کے لئے بھی کچھ تیار کر رکھا ہے۔ بولا۔ ہاں۔ کلمہ طیب کو ساٹھ سال سے اسی دن کیلئے زادراہ سمجھتا ہوں۔ کہتے ہیں مرنے کے بعد فرزوق کو خواب میں دیکھا گیا۔ کہا مجھے اللہ پاک نے اُس جواب پر بخشدیا جو میں نے حسن بصریؒ کو دیا تھا اسکی بیوی کا نام نوار تھا جو اسکے چچا کی بیٹی تھی۔ نکاح بھی عجیب طور سے ہوا نوار نے

اسے بلایا کہ میں کسی جگہ نکاح کرنے والی ہوں تم میرے ولی ہو جاؤ۔ فرزوق نے کہا اقرباہیں اور لوگ بھی تو ہیں جو ولی بن سکتے ہیں تم اور کسی کو ولائت دو، عورت نے کہا نہیں میں ولایت کیلئے تم کو ہی پسند کرتی ہوں کہا اچھا چند معتبرین کے سامنے کہدو تاکہ پیچھے سے کوئی جھگڑا پیدا نہو۔ نوار نے چار شخصوں کے سامنے کہہ دیا کہ اسے میرے نکاح کی ولایت حاصل ہے فرزوق نے کہا تم عورت کے اس قول پر گواہ رہو اور اس پر بھی گواہ رہو کہ میں نوار کو اپنی زوجہ بناتا ہوں نوار کو یہ ناگوار گذرا۔ مقدمہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے سامنے پیش ہوا جنہوں نے عورت کے حق میں فیصلہ دیا۔ لیکن بعد میں دونو رضامند ہو گئے اور اس سے فرزوق کی اولاد پیدا ہوئی۔

حالانکہ فرزوق کی زبان درازی و فحشگوئی سے تمام خلق خدا بیزار تھی۔ لیکن اسکی ساری عمر کے اعمال میں سے بہترین عمل جو شمار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہشام بن عبدالملک اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں حج کیلئے آیا۔ طواف بیت اللہ میں چاہا کہ استلام حجر کرے لیکن ہجوم اور انبوہ اتنا تھا کہ جانہ سکا علیحدہ ہو کر بیٹھ گیا۔ سرداران شام بھی ساتھ تھے۔ ہشام منتظر تھا کہ انبوہ کم ہو جاوے تو میں فارغ ہو کر واپس جاؤں۔ اتنے میں امام زین العابدین آئے۔ طواف کیا اور استلام کے لئے حجر اسود کیجانب جھکے۔ حضرت کے ملکوتی جمال نورانی چہرہ پر ہیبت و وقار کے ایسے انوار آشکار تھے کہ لوگ دیکھتے ہی ٹھٹک گئے۔ راستہ کھل گیا اور آنجناب فراغت و سہولت کیساتھ حجر تک پہنچ گئے۔ سرداران شام نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ ہشام نے دانستہ تجاہل کیا۔ کہا میں نہیں جانتا اُسکے دل میں کھٹکا پڑا کہ کہیں شام کے سردار آنجناب کی جانب مائل نہ ہو جاویں فرزوق حاضر تھا۔ کہا اگر ولیعہد نہیں جانتے تو میں اسے خوب جانتا ہوں۔ انہوں نے کہا تم ہی بتلاؤ۔ فرزوق فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

ھذا الذی تعرف البطحاء وطاتہ والبیت یعرفہ والحل والحرم	یہ وہ شخص ہے جسکی جاہ و منزلت کو بطحاء اور بیت اللہ حرم خدا اور روئے زمین جانتی ہے۔
ھذا ابن خیر عباد اللہ کلھم ھذا التقی النقی الطاھر العلم	یہ اُس کا بیٹا ہے جو جملہ خلق خدا سے بہتر تھا یہ تقی و نقی طاہر و عَلَم (مشہور آفاق) ہے۔
اذا راتہ قریش قال قائلھا الی مکارم ھذا ینتھی الکرم	اہل قریش اسے دیکھکر پکار اٹھتے ہیں کہ فضائل و مکارم کو اسی کے در پر ٹھکانا ملتا ہے۔

ینمی الی ذروۃ العز التی قصرت — عزت کے جس کنگرہ تک عرب و عجم کے مسلمان نہیں پہنچ
عن نیلہا عرب الاسلام والعجم — سکتے یہ اُسپر قدم فرسائی کرتا ہے۔
فی کفہ خیزران ریحہ عبق — اُن کے ہاتھ میں جو چھڑی ہے اُسکی خوشبو عطر میں
من کف اروع فی عرنینہ شمم — ڈوبی ہوئی معشوقہ کی ہتھیلی سے بڑھ کر ہے۔
یغضی حیاء ویغضی من مہابتہ — آپ تو حیا کیوجہ سے نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ اور لوگونکی
فما یکلم الا حین یبتسم — آنکھیں ہیبت کے مارے جھکی رہتی ہیں۔ گفتگو صرف
اُسوقت ہوسکتی ہے حضرت جب مسکرا رہے ہوں۔
ینشق نور الہدی عن نور غرتہ — پیشانی سے نور ہدایت اسطرح نمایاں ہے جیسے آفتاب کی
کالشمس ینجاب عن اشراقہا الظلم — کرنیں جیسے نکلتے ہی اندھیرا اُٹھ جاتا ہے۔
مشتقۃ من رسول اللہ نبعتہ — یہ وہ شاخ ہے جو شجر رسالت سے نکلی ہے۔ آپ کا
طابت عناصرہ والخیم والشیم — وجود آپکی عادات و خصائل پاک و طیب ہیں۔
ہذا ابن فاطمۃ ان کنت جاہلہ — اگر تم نہیں جانتے تو اب جان لو۔ کہ یہ بتول زہرا کا بیٹا ہے
بجدہ انبیاء اللہ قد ختموا — ان کا نانا وہ ہے جسپر رسالت ختم ہوگئی (صلی اللہ علیہ وسلم)
اللہ شرفہ قدما وعظمہ — اللہ تعالیٰ نے ان کو ازل سے شرافت و عظمت دی ہے
جری بذاک لہ فی لوحہ القلم — اور اُنکے اوصاف و فضائل قلم نے لوح محفوظ پر لکھ رکھے تھے۔
فلیس قولک من ہذا بضائرہ — تیرے اس قول سے کہ میں نہیں جانتا اسکا کچھ نہیں بگڑتا کیونکہ
العرب تعرف من انکرت والعجم — جسے تو نہیں جانتا عرب عجم اُس سے بخوبی واقف ہے۔
حمال اثقال اقوام اذا فدحوا — یہ قرضداروں کا بار خود اُٹھا لینے والے ہیں اور شیریں شمائل
حلو الشمائل تحلو عندہ نعم — ہیں انکے پاس آکر سب نعمتیں شیریں بن جاتی ہیں
ما قال لا قط الا فی تشہدہ — تشہد کے سوا آپ نے کبھی لا زبان سے نہیں کہا اگر حرف
لولا التشہد کانت لاءہ نعم — لا تشہد میں نہ ہوتا تب زبان مبارک پر لا بھی نعم کے معنے میں مستعمل ہوا کرتا
عم البریۃ بالاحسان فانقشعت — اہل دنیا پر احسان عمیم فرما کر دنیا سے فقر و فاقہ اور تہیدستی
عنہا الغیابۃ والاملاق والعدم — کو نکال کر پھینک دیا ہے۔
ان عد اہل التقی کانوا ائمتہم — اگر اہل تقوی کا شمار کیا جائے تو یہ (اہل بیت) سب کے امام ہونگے
او قیل من خیر اہل الارض قیل ہم — اور اگر روئے زمین کے لوگوں میں افضل شخص دریافت کیا جائے تو جواب ملے گا کہ یہی حضرات

لایستطیع جواد بعد غایتھم	کوئی شخص کیسا ہی جواد کیوں نہ ہو۔ اور کوئی قوم کیسی ہی صاحب
ولا یدانیھم قوم وان کرموا	کرم کیوں نہ ہو مگر حضرت کے جود وکرم کو نہیں پہنچ سکتے۔
مقدم بعد ذکر اللہ ذکرھم	ہر ایک کلام کی ابتدا میں اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر مقدم ہے
فی کل بدء ومختوم بہ الکلم	اور انہیں کے ذکر پر کلام کا اختتام ہوتا ہے۔
من معشر حبھم دین وبغضھم	انکی محبّت ہی دین ہے اور ان کا بغض کفر ہے اور ان کا قرب
کفر وقربھم منجے ومعتصم	پناہ دہندہ و نجات بخشندہ ہے۔
من یعرف اللہ یعرف اولیتہ	جو خدا کو جانتا ہے وہ آپکی اوّلیت کو بھی جانتا ہے تمام خلق
والدین من بیت ھذا نالہ الامم	خدا کو اسی گھرانے سے دین الٰہی ملا ہے۔

ہشام یہ اشعار سنتے ہی بھڑک اُٹھا اور فرزدق کو محبس میں بھیجدیا۔ امام زین العابدین نے دس ہزار درہم اُسکے پاس بھیجے فرزدق نے واپس کر دیئے۔ اور کہلا بھیجا۔ کہ مینے حضرت کی مدح محض حبِ اللہ کیوجہ سے کی ہے۔ نہ امید صلہ وعطا کیلئے۔ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اہل بیت نبوی کی عادت یہ ہے کہ ہبہ کو واپس نہیں لیتے۔ تب فرزدق نے درہم رکھ لیئے۔

فرزدق کا ایک چھوٹا بچّہ مر گیا جب اُسکی نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے لوگوں کو مخاطب ہو کر یہ شعر پڑھا۔

وَمَانَحنُ اِلَّا مِثلُھُم غَیرَ اَنَّنَا　　اَقَمنَا قَلِیلَ بَعدَھُم ثُمَّ نَرحَلُ

ہم بھی ان (مردوں) جیسے ہی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تھوڑی دیر ٹھیر کر پھر چل دینگے۔

اس سے چند روز بعد ہی فرزدق کا انتقال ہو گیا۔

جب جریر نے سنا کہ فرزدق کا انتقال ہو گیا ہے۔ بولا میں سمجھتا ہوں کہ اب میری بھی موت قریب ہی ہے کیونکہ اضداد میں سے جب ایک گم ہو جاتی ہے تو دوسرے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ کہتے ہیں چالیس یوم کے بعد وہ بھی مر گیا۔

فرزدق کی وفات ۱۱۰ھ کو بصرہ میں ہوئی۔ عمر سو سال کے قریب تھی۔

ہیثم بن عدی بحتری ثعلی

خلیفہ منصور اور مہدی اور ہادی اور رشید کا مصاحب تھا۔ اور عرب کے اشعار و لغات علوم

و اخبار کا نامی راوی۔

ایک دفعہ مہدی نے کہا کہ میں عرب کی تواضع اور سخاوت کج خلقی اور بخل کے متعلق متضاد حکایتیں سنتا رہا ہوں ہیثم تمہاری کیا رائے ہے۔ کہا حضور میں چشم دید عرض کرونگا۔ میں ایک دوست کی ملاقات کی غرض سے سفر کو چلا۔ ناقہ پر سوار تھا۔ دن بھر کی مسافت کے بعد مجھے جنگل میں ہی رات پڑ گئی۔ مینے ادہر اُدہر نظر ڈالی تو ایک خیمہ نظر آیا۔ میں وہیں چلا گیا خیمہ میں ایک عورت تھی اُس نے پوچھا تو کون ہے۔ مینے کہا مہمان۔ بولی مہمان کا یہاں کیا کام ہے۔ تمام جنگل کھلا موجود ہے۔ اس کے بعد اٹھی۔ آٹا گوندہا روٹی پکائی۔ خود ہی کھا کر بیٹھ رہی۔ اور میری بات تک نہ پوچھی۔ تھوڑی دیر کے بعد تازہ دودھ کا بھرا ہوا برتن لئے ہوئے اُس کا شوہر آپہنچا۔ پہلے سلام کیا۔ پھر مجھ سے دریافت کیا کہ کون ہو۔ مینے کہا مہمان۔ کہا مرحبا خوب تشریف لائیے۔ پھر بیوی کو پوچھا کہ مہمان کو بھی کھانا کھلایا یا نہیں۔ بولی نہیں اتنا سُن کر مرد خیمہ میں گیا اور دودھ کا بھرا ہوا گلاس میرے لیئے لے آیا۔ پھر خیمہ میں جا کر عورت کے ساتھ لڑنے لگا کہ تو نے خود تو روٹی کھالی اور مہمان کو بھوکا رکھا۔ آپس میں خوب تکرار ہوئی مرد نے عورت کو مارا پیٹا۔ پھر اندر سے چھرا لیکر باہر نکلا۔ اور میری سواری کی ناقہ کو ذبح کر ڈالا مینے نرمی سے کہا بھائی صاحب آپنے یہ کیا کیا۔ کہا بخدا یہ نہیں ہوسکتا کہ میرے گھر میں آکر مہمان بھوکا رہے۔ غرض گوشت صاف کیا۔ لکڑیاں جمع کر لایا۔ بھونتا جاتا تھا۔ اور ادہر اُدہر کی مزیدار باتیں سناتا جاتا تھا۔ گوشت مجھے بھی کھلاتا تھا اور خود بھی کھاتا تھا۔ ہم کھا چکے تو تھوڑے سے کباب عورت کے پاس لے گیا۔ جب صبح ہوئی تو چپکے سے اُٹھکر چل دیا۔ میں نہایت حیران تھا کہ اب سواری کے بغیر کیا ہوگا۔ تھوڑا سا دن چڑھ آیا تھا کہ ایک تیز رفتار اونٹ لیکر وہی شخص آگیا۔ اور کہا کہ ناقہ کے عوض یہ اونٹ قبول فرمائیے۔ پھر مجھے سوار کرا دیا۔ اور کچھ گوشت زاد راہ کے لئے میرے ساتھ کر دیا۔ چلتے چلتے رات پھر جنگل میں ہی ہوگئی۔ مجھے ایک خیمہ نظر آگیا۔ جس میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ مینے سلام کیا اُس نے

پوچھا۔ کون۔ مینے کہا مہمان۔ بولی مرحبا۔ تشریف لایئے۔ پھر اُٹھ کر آٹا گوندھا۔ سمندر جھاگ ڈالکر اُسے خمیر بنایا۔ روٹی اور دودھ کا برتن سامنے لا کر رکھا اور عذر بھی کیا۔ اتنے میں ایک بدو اعرابی آیا۔ سلام علیک کے بعد مجھ سے پوچھا۔ تم کون۔ مینے کہا۔ مہمان۔ کہا ہمارے ہاں مہمان کا کیا کام ہے۔ پھر عورت کے پاس گیا۔ اُس سے روٹی مانگی۔ بولی مینے مہمان کو کھلادی ہے۔ مرد نکر نہایت خفا ہوا۔ اور آپس میں خوب جھگڑا ہوتا رہا۔ وہ اندر جھگڑتے تھے اور میں باہر ہنستے ہنستے بیخود ہوا جاتا تھا۔ مرد باہر نکلا۔ مجھسے ہنسنے کا سبب پوچھا مینے کہا کچھ نہیں۔ کہا نہیں تمہیں خدا کی قسم ضرور بتلاؤ۔ مینے اُسے کہا کہ کل میں ایک بادیہ نشین کے خیمہ میں مہمان ہوا تھا۔ وہاں مرد متواضع ملا تھا۔ یہاں عورت مہمان نواز ہے اور میاں بیوی میں دونوں جگہ لڑائی ہوتی ہے۔ کہا میری عورت اس مرد کی بہن ہے اور اُسکی عورت میری بہن ہے۔ میں تمام شب اس حسن اتفاق پر تعجب کرتا رہا۔

پھر کہا امیر المؤمنین قدیم زمانہ کی حکایت ہے کہ ایک شخص مرغ کا گوشت بیٹھا کھا رہا تھا۔ ایک سائل آیا جس کو اس شخص نے سختی اور بدمزاجی کیساتھ محروم بھیجدیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ شخص تنگ ہوگیا اور بیوی کو بھی چھوڑ دیا۔ عورت نے اور جگہ شادی کرلی ایک روز ایک سائل آیا۔ یہ شخص مرغ کا گوشت کھا رہا تھا۔ عورت کو کہا کہ سائل کو روٹی دیدے عورت روٹی دینے گئی تو اُس نے سائل کو پہچان لیا۔ کہ اُسکا پہلا شوہر ہے خاوند کے پاس آکر تاسفانہ لہجہ میں ذکر کیا۔ حالیہ خاوند بولا۔ کہ میں وہی سائل ہوں جسے اس شخص نے مدت ہوئی سختی کیساتھ جواب دیا تھا۔

مروج الذہب میں ہے کہ جب عبداللہ بن علی عباس نے جو خلیفہ منصور کا چچا تھا خلفائے بنی امیہ کی قبور کو کھودوا اور اُن کی لاشوں کو جلا کر خاک سیاہ بنا دیا۔ اُسوقت معمر بن ہانی عبداللہ کے ساتھ تھا۔ ہیثم لکھتا ہے کہ معمر نے مجھے سنایا کہ جب ہشام بن عبد الملک کی قبر کھودی گئی تو اُسکی لاش صحیح سالم تھی۔ صرف ناک کی ہڈی تھوڑی سی گری ہوئی تھی عبداللہ نے اسّی کوڑے اُسے لگوائے اور پھر جلادیا۔ اُسکے بعد سلیمان بن عبدالملک کی قبر ارض وابق میں جاکر نکالی۔ قبر میں سے صرف ریڑھ کی ہڈی چند پسلیاں اور سر برآمد ہوا ان سب کو جلادیا گیا۔ پھر دمشق جاکر ولید بن عبدالملک کی قبر کھود لی اُس کی قبر میں سے کچھ بھی نہ نکلا۔ پھر عبدالملک کی قبر کھودی اس میں سے صرف سر کی ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ پھر

یزید پلید کی قبر کو کھودا گیا۔ اس میں سے صرف ایک ہڈی برآمد ہوئی اور ایک لمبا خط لحد میں نظر آیا۔ گویا سیاہ راکھ کی لکیر ہے۔

عبداللہ نے بنی امیہ کے ساتھ اس لئے ایسا کیا تھا کہ جب زید ابن امام زین العابدین کو بغاوت سلطنت کے جرم میں ہشام نے گرفتار کیا۔ تو پھانسی دے کر اُن کی لاش کو پہلے تو چند سال تک پھانسی پر ہی لٹکائے رکھا۔ اور پھر آگ میں جلا کر راکھ کو پانی میں بہادیا تھا عبداللہ نے اپنے چچیرے بھائی کا بدلہ لینے کیلئے انکی قبور کیساتھ ایسا کیا تھا۔

راقم کہتا ہے کہ عبداللہ کو ایسا کرنے کیلئے ہشام کا فعل کوئی دلیل نہیں ہوسکتا تھا۔ قرآن پاک کی تعلیم تو یہ ہے کہ کسی قوم کی دشمنی وعداوت کیوجہ سے تم بے انصافی نہ کرو۔ دشمنوں کے ساتھ بھی کامل انصاف کرنا اور عدل مرعی رکھنا تقویٰ میں داخل ہے۔ افسوس سلطنت کیلئے انسان کیا کچھ کر گذرتا ہے۔ خلفائے بنی عباس نے جب بنو امیہ کے خلاف علم کھڑا کیا تھا اسوقت وہ اپنے آپ کو بنی ہاشم کے نام و مددگار ظاہر کیا کرتے تھے۔ لیکن جب ملک پر انکا تسلط کامل ہوگیا اور قرابت رسولؐ کے مفتخر دعوی کا دعویدار ہشیم بن ہاشم کے سوا انکی نگاہوں میں اور کوئی نہ رہا۔ اور نہ کوئی اُن کے سوا ایسا خاندان نظر آیا۔ جنکی افضیلت پر ملک کے میلان طبع کا اندیشہ ہوسکے۔ تب اُنھوں نے بنی ہاشم کے ساتھ بھی معاندانہ روش کو اختیار کرلیا اور وقتاً فوقتاً بنی ہاشم کے اقتدار وشمار کم کرنے کیلئے مختلف ذرایع و تدابیر کام میں لاتے رہے۔ شاید مامون رشید کی پالیسی سب خلفائے بنی عباسیہ میں سب سے بہتر تھی۔ جس نے امام رضا کو اپنی بیٹی دیکر جملہ مخالفتوں اور منافرتوں کا خاتمہ کردیا تھا۔ گو بنی عباس اس رشتہ کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور اس تدبیر کی طفیل قریب تھا کہ خود مامون کا تخت خلافت بھی جاتا رہے۔ لیکن مامون اپنے عزم پر قائم رہا اور حضرت امام رضا کو اپنا ولیعہد بھی مشتہر کردیا۔ مگر تقدیر سے کیا چارہ ہوسکتا تھا۔ امام رضا کا مامون کے سامنے ہی انتقال ہوگیا۔ اور اس کے بعد پھر کسی خلیفہ نے اس پالیسی پر کاربند ہونے کی جراءت وہمت نہ کی۔

بحتری سنہ ۲۰۶ھ کو پیدا اور غرہ محرم ۲۸۴ھ کو مرگیا۔ ثعل جسکی نسبت بحتری ثعلی کہلاتا ہے۔ ایک مشہور قبیلہ جاری ہوا۔ عمرو بن مسیح اسی قبیلہ کا شخص تھا جو عرب میں اول درجہ کا تیر انداز گنا جاتا تھا۔ اس شخص نے ۱۰۵ برس کی عمر میں آنحضرتؐ کی زیارت سے مشرف ہوکر اسلام قبول کیا تھا۔

بحتری کی تصانیف میں سے کتاب المثالث۔ کتاب المعمرین۔ کتاب بیوتات الحرب۔ کتاب بیوتات قریش۔ کتاب مبوط آدم علیہ السلام۔ کتاب افتراق العرب۔ جس میں ان کے منازل و نزول کا بیان تھا۔ کتاب نزول العرب بخراسان وسودان۔ کتاب نسب طے۔ کتاب مدیح اہل الشام۔ تاریخ العجم۔ تاریخ بنو امیہ۔ کتاب الوفود۔ کتاب خطط الکوفہ۔ کتاب ولاۃ الکوفہ۔ تاریخ الاشرف۔ کتاب طبقات الفقہاء والمحدثین۔ کتاب کنی الاشرف۔ کتاب خواتم الخلفاء کتاب قضاۃ الکوفہ والبصرہ۔ کتاب المواسم۔ کتاب الخوارج۔ کتاب النوادر۔ کتاب التاریخ علی السنین۔ کتاب اخبار الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما۔ کتاب اخبار الفرس وغیرہ ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ بحتری علم تاریخ کا بہت بڑا عالم وماہر تھا۔

ابو دلامہ

سلطنت عباسیہ کا ملا دو پیازہ۔ حبشی غلام تھا۔ خلیفہ منصور کی بیوی مرگئی۔ قبرستان میں اُسے دفنانے لیگئے۔ قبر کھد رہی تھی۔ جنازہ رکھا ہوا تھا منصور رنجیدہ و متفکر قریب بیٹھا ہوا تھا۔ ابودلامہ آیا اور خلیفہ کو دھکیلتا ہوا بیٹھ گیا۔ منصور نے کہا۔ کمبخت تجھے یہ بھی خیال نہیں کہ ہم کہاں بیٹھے ہیں؟ بولا ہاں یہاں حضور کے چچا کی بیٹی قریب ہی تھی معاف فرمایئے۔ منصور ہنس پڑا

سعید بن وعلیج حاکم بصرہ کے پاس ایک دفعہ شعر لکھکر بھیجے

إِذَا جِئْتَ الْأَمِيرَ فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ الرَّحِيمِ
وَأَمَّا بَعْدُ ذَاكَ فَلِي غَرِيمٌ مِنَ الْأَعْرَابِ قُبِّحَ مِنْ غَرِيمِ
لَهُ أَلْفٌ عَلَيَّ وَالنِّصْفُ أُخْرَى وَنِصْفُ النِّصْفِ فِي صَكٍّ قَدِيمِ

جب تو امیر کے پاس پہنچے تو سلام مسنون کرنا۔ اور اس کے بعد کہنا کہ ایک بہت بُرا قرضخواہ ہے جو خود قرض سے بھی بُرا ہے۔ میں نے اس کے قدیم سکّہ کے ہزار اور اس کا نصف اور اس کا نصف روپے دینے ہیں یعنی ۱۷۵۰

سعید بن وعلیج نے ۱۷۵۰ روپے اُسکے پاس بھجوا دیئے۔

ابو دلامہ کا نام فوج میں تھا۔ روح بن حاتم۔ فوج کو لیکر امراء خراسان کے مقابلہ کو چلا۔ لڑائی ہونے لگی۔ جانبین کے کچھ آدمی مارے گئے۔ روح نے ابو دلامہ کو میدان میں جانے کا حکم دیا کہا مجھے معاف فرماویں۔ اُس نے پھر حکم دیا۔ تو ابو دلامہ نے یہ شعر پڑھے۔

إِنِّي أَعُوذُ بِرَوْحٍ أَنْ يُقَدِّمَنِي ... إِلَى الْقِتَالِ فَتُخْزِي بِي بَنُو أَسَدِ

إِنَّ الْمُهَلَّبَ حُبُّ الْمَوْتِ أَوْرَثَكُمْ ... وَلَمْ أَرِثْ أَنَا حُبَّ الْمَوْتِ مِنْ أَحَدِ

إِنَّ الدُّنُوَّ إِلَى الْأَعْدَاءِ أَعْلَمُهُ ... مِمَّا يُفَرِّقُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ

"میں روح سے معافی مانگتا ہوں کہ مجھے میدان جنگ میں نہ بھیجے اور بنی اسد کو رسوا کرے تم کو تو موت کی محبت مہلب سے ورثہ میں ملی ہے مگر مجھ کو کسی سے ایسا ورثہ نہیں ملا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ دشمن کے قریب جانا جسم اور روح کی جدائی کا نام ہے"

افسر نے کہا تو آجتک تنخواہ کس بات کی کھاتا رہا۔ کہا لڑنے کی۔ کہا پھر تو لڑائی کیلئے کیوں میدان میں نہیں جاتا۔ کہا میں نے اس امر کا حلف تو کیا تھا کہ سلطنت کیطرف سے جنگ کرونگا۔ لیکن یہ اقرار نہیں کہ سر بھی کٹاؤنگا۔ اب تم بتلاؤ کہ اگر میں مارا گیا تب کیا ہوگا۔ افسر نے کہا باتوں سے کچھ حاصل نہیں تم کو میدان میں جانا ہوگا۔ ابو دلامہ نے کہا اچھا میں جاؤنگا۔ مگر حضور جانتے ہیں کہ یہ دن میرے لئے دنیا کا آخری اور آخرت کا پہلا دن ہے۔ آپ مجھے جنگ میں بھیجتے ہیں تو کچھ کھانے پینے کو بھی دلا دیجئے۔ کہا جو چاہیئے مطبخ سے لے لو۔

ابو دلامہ نے پراٹھے۔ کباب عمدہ قسم کے شربت کچھ میوہ اور نقل لے کر خورجی میں ڈالے پھر سوار ہو کر نیزہ کو چکر دیتا ہوا۔ گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ گرد و غبار سے میدان تیرہ و تار ہو گیا تھا۔ ابو دلامہ اسکی تاریکی میں اپنی تلوار کو چمکا رہا تھا۔ سامنے مبارز پہلے سے موجود تھا۔ ابو دلامہ نے جاتے ہی سلام علیک کیا۔ کہا میں اپنے کام آیا ہوں مجھ سے لڑنے کے لئے جلدی نہ کرنا۔ اُس نے پوچھا کیا کام۔ کہا تم مجھکو جانتے بھی ہو۔ وہ بولا نہیں کہا میں ابو دلامہ ہوں۔ وہ بولا ہاں نام تو میں نے بھی سنا ہے مگر تم میدان جنگ میں کیونکر آگئے۔ کہا میں نہ لڑنے آیا ہوں نہ مرنے۔ میں نے جب تمہاری قوت اور شجاعت جوانمردی اور پردلی کا اندازہ کیا تو بہتر سمجھا کہ ایسے شخص کے ساتھ دوستی کر لی جائے اب میں تم کو وہ بات بتاتا ہوں جو جنگ کی نسبت ہمارے لئے بہتر ہو میں سمجھتا ہوں

کہ تم تھک گئے ہو۔ اور بھوکے بھی ہو۔ وہ بولا ہاں! کہا ہم نے نہ خراسان کے تخت پر بیٹھنا ہے اور نہ عراق کی حکومت کو سنبھالنا۔ میرے پاس ایک قسم کا عمدہ کھانا موجود ہے اور یہاں سے قریب ہی پانی بھی ہے۔ چلو وہاں چل کر کھانا کھائیں گے۔ اور میں تم کو گانا بھی سناؤنگا وہ بولا اس سے بہتر اور کیا ہو گا۔ ابو دلامہ نے کہا میں تمہارے سامنے سے چلتا ہوں گویا بھاگ رہا ہوں۔ تم میرا پیچھا کرتے ہوئے چلے آؤ۔ اسیطرح میدان جنگ سے نکل چلیں گے۔ غرض اسی طرح دونوں نکل گئے۔ اور دونوں طرف کی فوجیں اپنے اپنے سوار کو دیکھ رہی تھیں کہیں نظر نہ آئے۔ یہ غدیر پر جا بیٹھے۔ کھانا کھایا۔ آسودہ ہوکر باتیں کرنے لگے ابودلامہ نے کہا کہ ہمارا سپہ سالار روح سخی ابن سخی ہے اور سخاوت کے ثبوت میں تو یہی کافی ہے کہ وہ ابن مہلب ہے۔ اگر تم اُسکے پاس چلو تو عہدہ وخلعت۔ اسپ وسلاح۔ زن وغلام کا فوراً انتظام کرے گا۔ اور تجھے نہال کردیگا۔ تمہاری مرضی ہے مانو یا نہ مانو۔ مجھے صرف یہی بات تم سے کہنی تھی۔ وہ بولا۔ بیوقوف میں اپنے اہل وعیال کو کیا کروں۔ کہا بھائی صاحب۔ اللہ تعالیٰ سے خیر مانگو۔ اور اُسی پر بھروسہ کرکے میرے ساتھ چلو۔ وہ بھی تم کو مل رہیں گے۔ اس نے کہا اچھا۔ غرض وہاں سے دونوں ملکر لشکر کی پچھلی طرف سے ہوکر آئے۔ ابودلامہ آگے بڑھکر سپہ سالار کے سامنے گیا۔ اُس نے پوچھا۔ ابودلامہ! تم کہاں تھے۔ کہا حضور کے کام میں لگا ہوا تھا۔ مقابل کا قتل کردینا میرا حوصلہ نہ تھا۔ اور خود قتل ہوجانا میرا جی نہ چاہتا تھا۔ رہا ناکامیاب واپس آنا اسے میں پسند نہ کرتا تھا۔ اس لئے مَیں نے باتوں باتوں میں دشمن کو نرم کیا۔ اور حضور کا اسیر کرکے اُسے یہاں تک لے آیا۔ مَیں نے اُس سے ان ان چیزوں کے وعدے کئے ہیں سپہ سالار نے کہا سب کچھ دیا جاویگا۔ بشرطیکہ وہ قابل اعتماد ثابت ہوجاوے۔ سوار نے کہا کہ حضور کو اعتماد کیونکر آسکتا ہے۔ کہا اپنے سب بال بچے کو ہماری طرف لے آؤ۔ اُس نے کہا اہل وعیال تو یہاں سے دور ہیں اور سردست اُن کا لانا دشوار ہے۔ مگر میں قسم کھاتا ہوں کہ اُسکی جورو پر طلاق جو آپ سے بیوفائی کرے۔ اس قسم کے بعد حضور سمجھ سکتے ہیں کہ حضور سے بیوفائی کرنے کے بعد میں اپنی بیوی سے محروم ہوجاؤنگا اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ گھر پہنچ کر بیوفائی کرسکوں۔ سپہ سالار نے یہ سنکر وہ تمام چیزیں جنکا ابودلامہ نے اُس سے وعدہ کیا تھا عطا فرمادیں بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھکر دیا۔ سوار لوٹ کر چلا گیا۔ اور اُس نے اپنے ہی لشکر خراسانی کو تباہ کردیا۔ غرض اس جنگ میں روح کے

اسباب ظفر میں سے ابو دلامہ کی یہ تجویز تھی۔
ایک دفعہ خلیفہ مہدی نے اُسے حملہ آور فوج کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ کہا حضور! مجھے نہ بھیجئے۔ میں آجتک ۹ فوجوں کے ساتھ گیا ہوں۔ سب کو شکست ہی ہوتی رہی۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری نحوست کیوجہ سے حضور کی مظفر و منصور فوج دسویں شمار کیجاوے مہدی ہنس پڑا اور اُسے معاف کر دیا۔
ایک دفعہ مہدی نے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ کہا حضور! مجھے ایک شکاری کُتّا چاہیئے مہدی خفا ہوا کہ ہم تو اُس سے اسکی بڑی سے بڑی آرزو پوچھتے ہیں۔ وہ کُتّا مانگتا ہے۔ کہا امیر المومنین! آرزو میری یا آپکی؟ بولا نہیں تیری۔ کہا بس مجھے تو شکاری کُتّا چاہیئے خلیفہ نے حکم دیدیا۔ کہا حضور! میں کُتّے کو شکار کے لئے لیکر جاؤنگا۔ تو کیا پیدل ہی جاؤنگا خلیفہ نے کہا ایک گھوڑا دلادو۔ کہا حضور! مجھے سائیسی بھی اس گھوڑے کی کرنی پڑے گی۔ خلیفہ نے کہا ایک غلام دلادو۔ کہا حضور! میں تو شکار سے تھک کر آؤنگا اور غلام گھوڑے کو سنبھال لیگا۔ پھر کون شکار پکائیگا۔ کون مجھے روٹی دیگا۔ حکم دیا کہ ایک لونڈی دلادو۔ کہا حضور! اتنے جاندار رہیں گے کہاں؟ کیا سب کے سب جنگل میں ہی ڈیرہ لگائیں گے؟ خلیفہ نے کہا کہ ایک حویلی بھی اسے دیدو۔ کہا حضور نے احسانات تو بہت کئے۔ مگر مجھے اتنے بڑے کنبہ کا زیر بار کر دیا۔ کہ میری گردن بھی کبھی سیدھی نہ ہوگی۔ حکم دیا کہ ہزار جریب اراضی عامرہ اور ہزار جریب غامرہ کا پٹہ اس کو دیدیا جائے۔ کہا حضور! میں عامرہ کے معنے تو جانتا ہوں۔ مگر غامرہ کے نہیں خلیفہ نے کہا غامرہ ویران کو کہتے ہیں۔ کہا میں حضور کو ایک لاکھ جریب ویران اراضی کا پتہ بتا دیتا ہوں۔ حضور خیال تو فرماویں کہ میں ویران کو لیکر کیا کرونگا۔ حضور مجھے ایک ہزار جریب اور دلادو۔ کہا حضور! جب مال کا نقصان ہوا تو وہ عامرہ کیسی؟ خود ہی غامرہ بن گئی خلیفہ ہنس پڑا۔ کہا کچھ اور بھی آرزو ہے۔ کہا ہاں! مجھے اجازت دیجئے کہ حضور کے ہاتھ پر بوسہ دے لوں۔ خلیفہ نے کہا یہ تیرا منصب نہیں۔ کہا خیر! مجھے جواب بھی ایسی چیز سے ہی ملا ہے جس سے میرا کچھ حرج نہیں۔
ایک مہدی رَے سے بغداد آیا تو ابو دلامہ نے یہ قطعہ پڑھ کر سنایا

اِنِّی حَلَفْتُ لَئِنْ رَاَیْتُکَ سَالِمًا	بِقُرَی الْعِرَاقِ وَاَنْتَ ذُوْ وَفْرٍ
لَتُصَلِّیَنَّ عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ	وَلَتَمْلَأَنَّ دَرَاهِمًا حِجْرِیْ

"میں نے حلف کیا ہے کہ جب آپکو عراق میں صحیح سلامتی کے ساتھ خورسند و کامیاب دیکھ لوں۔ تو اُسوقت آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں گے اور میری گود کو روپوں سے بھر دینگے"

خلیفہ نے کہا پہلی بات یعنی درود کا پڑھنا مجھے منظور ہے۔ مگر دوسری بات منظور نہیں کہا حضور! ایسا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دونوں کیلئے یکساں حلف کیا گیا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیدیا کہ اسکی گود روپوں سے بھر دیجاوے۔ تھیلیاں اُسکے پلے میں اُلٹ اُلٹ کر پڑنے لگیں۔ اور ابو دلامہ اپنے ہاتھوں کو پھیلانے لگا۔ غرض جب گود بالکل بھر گئی۔ تو اُسے کہا گیا اُٹھو۔ کہا واہ میرا کرتہ بھی پھٹ جائے۔ روپیہ کو اُسیطرح تھیلیوں میں ڈالدو تب اُٹھونگا۔

ابن المنجم کہتا ہے کہ خلیفہ مہدی اور علی بن سلیمان شکار کو چلے۔ مہدی نے تیر چلایا۔ آہو کے لگا۔ علی نے تیر چلایا تو خطا گیا اور کتے کے جا لگا۔ مہدی ہنس پڑا۔ ابو دلامہ کو کہا کہ اس پر شعر کہو۔ اُس نے فی البدیہہ کہا ؎

قَدْ رَمَی الْمَهْدِیُّ ظَبْیًا ۔۔۔ شَكَّ بِالسَّهْمِ فُؤَادَهُ
وَعَلِیُّ بْنُ سُلَيْمَانَ ۔۔۔ رَمٰی كَلْبًا فَصَادَهُ
فَهَنِيئًا لَكُمَا كُلٌّ ۔۔۔ امْرِئٍ يَأْكُلُ زَادَهُ

مہدی نے ہرن پر تیر چلایا اور اُسکا کلیجہ چیر ڈالا۔ علی نے کتے پر چلایا۔ اور اُسے شکار کرلیا۔ دونو کو مبارک ہو۔ کیونکہ ہر ایک اپنا اپنا زاد کھائیگا۔ خلیفہ نے ۳۰ ہزار درہم انعام دیئے۔

ابو دلامہ کا بیٹا بیمار ہوگیا۔ طبیب سے علاج شروع کرایا اور وعدہ کیا کہ صحت کے بعد رقم کثیر دونگا لڑکا اچھا ہوگیا تو کہا بخدا میرے پاس دینے کو کچھ نہیں۔ البتہ تم فلاں یہودی سوداگر پر رقم کثیر کی نالش کردو۔ میں اور میرا بیٹا شہادت ادا کردیں گے۔ طبیب نے ایسا ہی کیا۔ قاضی نے دیکھا کہ مثل میں ثبوت بہت کمزور ہے۔ دعویٰ کو خارج کرتا ہوں تو ابو دلامہ کی زبان سے رہائی محال ہے۔ ڈگری دیتا ہوں تو صریح ظلم ہے۔ آخر طبیب کو اپنے پاس سے کچھ روپیہ دیکر راضی نامہ کرادیا۔ اُسوقت قاضی محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ تھے۔

ابو دلامہ کا سن وفات ۱۶۱ھ ہے غور کرنے سے معلوم ہوجاویگا کہ یہ شخص صرف ظریف ہی نہ تھا۔ بلکہ ایک کارآمد شخص بھی تھا۔ اور ایک عمدہ شاعر بھی۔

تصانیف قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری جج پٹیالہ

رحمۃ للعالمین وہ کتاب جسے منجانب اللہ تعالیٰ قبولیت خاصہ حاصل ہوئی جسے عامۃ الخلق نے حرزِ جان اور وردِ زبان بنایا جس نے سارے ہندوستان کے مصنفین و اہل قلم کو سیرت نبویہ کی تحریر و تقریر اور مطالعہ پر آمادہ کرایا وہ کتاب جو جامعہ عثمانیہ دکن اور جامعہ عباسیہ بہاولپور اور دار العلوم دیوبند اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں داخل ہے اور تمام اسلامیہ ہائی سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے محدثین و مورخین و فلاسفر اس کی صحت و برتری کے معترف ہیں وہ کتاب جو حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دلنشین کر دیتی ہے جسے ہر ایک غیر مسلم کو تحفۃً دیا جا سکتا ہے قیمت جلد اول ۶ جلد دوم للعہ سوم زیر طبع۔

تفسیر سورہ یوسف یہ اردو زبان اور علمی انداز میں پہلی کتاب ہے جو سورہ یوسف کی محققانہ تفسیر پر لکھی گئی ہے جو جو نکات اور فوائد فاضل مصنف نے اس میں بیان فرمائے ہیں شاید ہی کہیں آپ کی نظر سے گذرے ہوں کتاب کا نام **الجمال والکمال** ہے یہ تفسیر مجموعی حیثیت سے نہایت دلچسپ اور فائدہ مند ہے قیمت صرف ۱۲؍

سبیل الرشاد یا سفرنامہ حجاز حرمین پاک کے تاریخی و مذہبی روایات کا ذخیرہ صحیح ترین معلومات کا خزانہ مناسک حج بروئے احادیث صحیحہ عرب اور اقوام عرب کی تاریخی اور جغرافی حالت قیمت ۱۲؍

الصلوٰۃ والسلام درود بر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ مسائل درود نماز کی تفسیر الفاظ کی لغوی و شرعی حقیقت کا بیان جملہ درود ہائے ماثورہ کی جامع دقیق بحثیں عمیق فوائد امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا ترجمہ قیمت ۱۲؍

معراج المومنین نماز با جماعت پڑھنے کے مسائل امام عالی مقام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے رسالہ کا ترجمہ قیمت ۶؍

مہر نبوت سیرت نبویہ کی چھوٹی سی کتاب چھوٹے چھوٹے جملے سادہ زبان احادیث صحیحہ کا عطر ۲۸ سال سے متواتر چھپ رہی ہے۔ اسلام کی ہر ایک بیٹی اور فرزند کو ابتدا میں پڑھنے کے لائق مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ قیمت ۲؍

اسلام و شمشیر ایک لیکچر جو ۱۸۹۹ء میں انجمن نعمانیہ لاہور میں دیا گیا تھا۔ صداقت اسلام کے دلائل رشد و ہدایت کا تبیان جبر و اکراہ فی الدین کا بطلان اشاعت اسلام کی وجوہ تاریخ کے نکات قیمت ۔ ۔ ۱۲؍

استقامت ایک عیسائی بننے والے مسلمان کے شکوک کا ازالہ بشارات انبیاء کا آئینہ دلپسند دینی دلائل نہایت بابرکت رسالہ جس سے بہت لوگ راہ یاب ہوئے قیمت ۔ ۔ ۔ ۱۲؍

غائت المرام

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰ پر سب سے پہلی کتاب
مسائل کی غائت تحقیق علوم معقول و منقول کے براہین
علم و بیان و حدیث پاک کے شواہد لاجواب کتاب
۱۸۹۴ء سے اس موضوع پر لاجواب ثابت ہو رہی
ہے اور بار بار چھپ چکی ہے قیمت - ۸/

تائید الاسلام

غائت المرام کا حصہ دوم۔ اس موضوع پر نادر المثال قیمت ۸/

برہان

توراۃ و انجیل و قرآن پاک کی تعلیم کا فرق
سید نا موسیٰ و عیسیٰ و محمد صلی اللہ علیہم
وسلم کے مراتب کی توضیح کتب ماضیہ کی اصلیت کا
آئینہ ایک پادری کے جواب ہیں۔ قیمت ۲/

ایک عرض کا جواب

بلوچستان کے پادری کا جواب اور شکوک کا ازالہ قیمت ا/

تبلیغ الاسلام

جملہ مذاہب عالم میں سے صرف اسلام کا تبلیغی ہونا جملہ ادیان
مروجہ کی تعلیم کا موازنہ اسلام کی اصولاً و عملاً برتری
عجیب ترین کتاب ہے قیمت - - - ۵/

تبیان الاسلام

مبلغین کا راہبر مسلمانوں کا ہادی علمی و تمدنی و اقتصادی
مسائل اصلاح حال کے طریقے قیمت - - ۶/

انجیلوں میں خدا کا بیٹا

لفظ خدا کا بیٹا کی تحقیق مورد اناجیل اور اسکے معانی سب سے
پہلے کس نے یہ لفظ استعمال کیا وغیرہ قیمت - - ۲/

اسماء الحسنیٰ

اسمائے الٰہی کی تفصیل و تشریح عام فہم نہایت
مفید اور قابلدید چیز ہے جو حال ہی میں زیور
طبع سے مزین ہوئی ہے قیمت صرف - - ۴/

دیگر کتب

تاریخ اسلام جلد پہلا

یہ تاریخ تبلیغ و اشاعت اسلام پر اپنی طرز و نوعیت میں پہلی کتاب ہے
جو ہندوستان میں شائع ہوئی ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام
سے لیکر تا ختم المرسلین صلعم اسلام کا پورا نقشہ دکھایا گیا ہے اور
اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا وہ طریقہ جو انبیائے کرام کا دستور
العمل اور جانبازان اسلام کا مطمح نظر رہا ہے پیش کیا گیا ہے
اس کتاب کے مطالعہ سے مسلمانوں کا بچہ بچہ مبلغ بن سکتا ہے
اور اس تبلیغ کے علاوہ تبلیغ کا صحیح طریقہ بھی معلوم ہو سکتا ہے ۱۲/

قومی نظمیں

اس رسالہ میں فدائے قوم مولانا نواب میر
صدر الدین حسین خانصاحب مرحوم بر[...]
کی وہ تمام قومی نظمیں جو یاد حق یاد رسول یاد مرشد یاد اسلام ورد
اسلام شمع وحدت نغمہ صمد نالہ صدو غیرہ ناموں سے مشہور
ہو کر درخاص و عام ہو چکی ہیں جمع کر دی گئی ہیں اور علاوہ ازیں
نوحہ قوم ترانہ قوم حالت قوم خطاب بہ قوم فضائل علم نفاق
فرض۔ اتفاق افلاس اسراف کوشش ہمت جھلاتی وغیرہ عنوان
پر بیسیوں نظمیں اور قومی غزلیں بھی درج ہیں۔ پس اگر آپ
شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں تو یہ کتاب ضرور منگا لیں
جو حال ہی میں مسلمان کمپنی لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے
لکھائی چھپائی عمدہ ہے اور قیمت صرف - ۶۰/

انتخاب کلام اکبر الہ آبادی

ہندوستان کے مایہ ناز شاعر حضرت اکبر
مرحوم کی چیدہ چیدہ نظموں کا انتخاب جو از حد دلکش اور
قابلدید ہے۔ مولانا اکبر مرحوم کی سوانح بھی ساتھ شامل ہے ۸/

الکشاف جلد پہلا

اس کتاب میں حضرت امام
ابو حنیفہ رح کے سوا میں اور انو[...]
نامی اماموں کے حالات لکھے گئے ہیں اور مسئلہ تقلید
بھی خوب روشنی ڈالی گئی ہے الغرض اپنی نوعیت میں
یہ ایک خاص کتاب ہے جس کا مطالعہ ہر مقلد اور غیر [مقلد]
کیلئے نہایت ضروری ہے قیمت مجلد - - [...]

ملنے کا پتہ — مینجر مسلمان کمپنی — لاہور

طبّ کی نایاب کتابیں

مجرّباتِ طبِّ جدید

یہ طب کی وہ نادر و نایاب کتاب ہے جس میں تین سو (۳۰۰) حکیموں کے وہ صدری اور مجرّب المجرب نسخے جمع کئے گئے ہیں جو انجمن خادم الحکمت نے بارہ سال متواتر تجربہ کر کے پاس کئے ہیں اور انہیں بے خطا قرار دیا ہے اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے تمام نسخے سہل الحصول نہایت آسان اور مختصر ہیں اور بلا مبالغہ ایک ایک نسخہ سے ہزار ہزار روپیہ کمایا جا سکتا ہے یہ کتاب طبیبوں کے مطب کو چمکا دینے والی اور عوام کو طبیبوں کے پنجہ سے چھڑا دینے والی ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس میں ہر مرض کے نسخے درج ہیں اور تمام طبّی اخبار اس پر مبسوط ریویو لکھکر اسے پسند فرما چکے ہیں لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلےٰ ہے۔ قیمت رعایتی - - - - عہ

مخزن المجرّبات

یہ وہی مولوی حکیم محمد عبد اللہ صاحب روڑوی مصنف خواص پھٹکڑی کی مشہور و معروف تصنیف ہے جسکی چار دانگ عالم میں دھوم مچ چکی ہے کہ بیشک مختلف خاندانوں کے صدری مجربات کی ایسی جامع کتاب آجتک کہیں شائع نہیں ہوئی صاحب موصوف نے مختلف علاقوں میں بیشمار حکیموں کے پاس جا جا کر طرح طرح کے مصائب اٹھا اٹھا کر اور اپنے مجربات بتا بتا کر انکے خاندانی نسخے حاصل کئے آجتک آپنے ایک ہی خاندان کے صدری مجربات کے مجموعے تو بہت دیکھے ہونگے مگر بیسیوں نہیں سینکڑوں حکیموں کے صدری نسخے جنہیں سینوں کے رازسے تشبیہہ دیجا سکتی ہے ایک ہی جگہ کبھی نہ دیکھے ہونگے پس اگر آپ تمام انسانی بیماریوں کے ساڑھے پانچ سو صدری مجربات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو فوراً یہ کتاب منگا لیں ایسا نہ ہو کہ پھر ختم ہو جائے اور پچتانا پڑے قیمت مجلد عہ

خواص پھٹکڑی

یہ ایک نہایت مفید کتاب ہے جس میں طبّی طور پر پھٹکڑی کے خواص بیان کرنے کے علاوہ بیشمار نسخے لکھے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ پھٹکڑی کن کن امراض کے لئے اکسیر ثابت ہوتی ہے اطبا کا بیان ہے کہ ہر گھر میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس کتاب میں قریباً ایک سو بیماریوں کی تشریح اور ان کا علاج پھٹکڑی کو مختلف طریق پر استعمال کر کے بتلایا گیا ہے قیمت ۱۲؍ خواص ریٹھا ۸؍ خواص نمک ۲؍ کوک شاستر بالتصویر عہ

پاکٹ ڈاکٹر یا جیبی حکیم

یہ مسلمان کمپنی کی وہ شہرۂ آفاق کتاب ہے جس نے طبّی دنیا میں ایک تہلکہ ڈالدیا ہے ایسی مختصر مگر جامع طبّی کتاب جو سر سے پاؤں تک کے تمام امراض پر حاوی ہو۔ اور جس میں جملہ امراض کے اسباب انکی علامات اور تشخیص پر نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالی گئی ہو اور پانچسو عنوانات کے ماتحت ہر بیماری کے مجرب سے مجرب یونانی اور ڈاکٹری نسخے لکھے گئے ہوں آجتک آپ کی نظر سے نہ گذری ہوگی جیبی حکیم کا ایک ایک نسخہ یقیناً سو سو روپیہ کا ہے جو کہ لمبا سال کے تجربہ کے بعد درج کیا گیا ہے جیبی حکیم کیا ہے گویا دریا کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے جو آپکے لئے یقیناً ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اور ہر اردو خواں اس سے مستفید ہو کر بے بہا فائدہ اٹھا سکتا ہے کتاب نہایت اعلےٰ مجلد اور دیدہ زیب ہے جو ہر وقت باسانی جیب میں رکھی جا سکتی ہے لکھائی چھپائی بھی اعلےٰ ضخامت ۳۵۰ صفحات اور قیمت مجلد سنہری عہ

ملنے کا پتہ — منیجر مسلمان کمپنی — لاہور

لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب

تاریخ المشاہیر

از

علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری
پنشنر جج ریاست پٹیالہ و مصنف رحمۃ للعالمین

باہتمام
مینیجر مسلمان کمپنی لاہور

قیمت بے جلد عہ .... مجلد عگ